بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قدسی: فن اور شخصیت

محمد رحمت اللہ صدیقی

قدسی: فن اور شخصیت

تالیف

محمد رحمت اللہ صدیقی

ناشر
رضا دار المطالعہ
پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

نام کتاب : قدسی:فن اور شخصیت

مصنف : محمد رحمت اللہ صدیقی

سنِ اشاعت: ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء

تعداد : گیارہ سو

صفحات : ۳۸۶

قیمت : ۲۵۰/روپے

ناشر : رضا دارالمطالعہ، پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

ملنے کے پتے

ض دارالعلوم فیضانِ مفتی اعظم، پھول گلی، ممبئی ۳

ض کتب خانہ امجدیہ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۶

ض مدنی کتاب گھر، مٹیا محل، دہلی ۶

ض الجامعۃ الرضویہ، مغل پورہ، پٹنہ سٹی

ض فیضی کتاب گھر، مہسول چوک، سیتامڑھی، بہار

ض ادارہ لوح و قلم، سعد پورہ، مظفر پور

ض مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی۔ ممبئی

فہرست

سفیرانِ فکرِ رضا

ڈاکٹر مولانا غلام مصطفیٰ نجم القادری

مولانا مفتی شمشاد حسین رضوی

مولانا انیس عالم سیوانی

مولانا خالد علی رضوی شمسی

مولانا محمد قمر الزماں مصباحی

ڈاکٹر مولانا امجد رضا امجدؔ

کے نام

نیازمند

ابوالعاکف

محمد رحمت اللہ صدیقی

قدسی کا
مختصر سوانحی خاکہ

سید اولادِ رسول قدسیؔ نعت مزاج شاعر

سراپا ساز: افتخار امام صدیقی

پُر نور آنکھیں علم بھر، گویائی بھر لب، خوش لحن گوش، باعمل باریش قلم کار، اسلامی سراپا، نعتوں نعت عشق، زود گو۔ مگر تخلیق بھر، جدّت پسند، حرف حرف شکاری، لفظ لفظ شاعری، سادہ لوح نعت نگار، دوست دار، خوشبو شعار، فطری شعار، روحانی سلسلوں کے امین، تصوف زاد، تخلیقی آفاق کے آفتاب، تخلیقی جہانوں کے جویا۔

یہ ہیں، عشق عشق نبی سے سرشار سید اولا درسول قدسی

سیّد اولا درسول قدسیؔ ایک نظر میں

نام : سیّد اولا درسول تخلّص: قدسیؔ

پیدائش : ۲۵ مارچ ۱۹۶۳ء وطن: بھدرک (اڑیسہ)

جدّ امجد : سیّد السادات حضرت دیوان شاہ دریا سے قدسیؔ کے والد تک اور مابعد

تعلیم: میٹرک ۔ ۱۹۷۹ء (بھدرک) بی اے ۔ ۱۹۸۲ء (بھدرک) ایم اے (انگریزی ۔ ۱۹۸۵) (کٹک) ایم اے ۔ اردو (۱۹۸۴ء) اردو فاضل (۱۹۸۸ء)

دینی علوم کی تحصیل: ۱۹۸۸ء (اپنے والد سے) عربی، فارسی، صرف ونحو، فقہ، منطق، فلسفہ

دینی سند: عالم، فاضل، مفتی

دستارِ فضیلت: الجامعۃ الاشرفیہ ۔ مبارکپور (یوپی ۔ ۱۹۹۲ء) والد ماجد کے حکم پر دین کی

تبلیغ کے لیے جلال پور ضلع سیوان (بہار) روانہ ہوئے۔ وہاں قدسیؔ نے
تعلیم وتربیت کے علاوہ سیرت سازی کا بھی اصلاحی کام کیا۔ دینی علوم
کی تبلیغ اور درس وتدریس کے لیے ۱۹۹۵ء میں بمبئی کے ایک کالج نے

مدعو کیا

لیکن یہاں کی فضا انہیں راس نہ آئی اور پھر ۱۹۹۵ء میں قدسی افریقہ
کے لیے پرواز کر گئے۔ پھر کینیڈا بعدہ امریکہ کو دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا۔
۱۵/سالوں سے امریکہ میں مع اہل وعیال مقیم ہیں۔

مصروفیات: درس وتدریس، امامت وخطابت اور شعر وسخن

شاعری کا آغاز: ۱۹۷۸ء

اساتذہ: والد ماجد مفتی اعظم اڑیسہ حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس علیہ الرحمہ، محدثِ کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ امجدی، حضرت مولانا مفتی عبدالمسجود حبیبی، حضرت مولانا نصیرالدین عزیزی مصباحی، حضرت مولانا عبدالشکور مصباحی، حضرت مولانا اسرارالحق مصباحی، حضرت مولانا شمس الھدیٰ مصباحی

تلمیذ شعر وسخن: ڈاکٹر کرامت علی کرامت

تصانیف: گلہائے قدسی (نعتیہ مجموعہ) ۱۹۸۵ء، انوارِ قدسی (نعتیہ مجموعہ) ۱۹۸۷ء، گل ولالہ۔ ۱۹۹۶ء (نعتیہ مجموعہ)، حیات مفتیٔ اعظم اڑیسہ (جلد اوّل) سوانح۔ ۱۹۹۶ء، حضور مجاہد ملّت کا گوشۂ حیات (سوانح) ۲۰۰۰ء، لب و لہجہ (نعتیہ مجموعہ) ۲۰۰۰ء، رفتہ رفتہ (غزلیہ کلام) ۲۰۰۲ء، لوحِ محفوظ (نعتیہ مجموعہ) ۲۰۰۵ء، ذکرِ رضا منظوم (انگریزی) ۲۰۰۳ء، علمِ غیبِ مصطفیٰ (انگریزی) ۲۰۰۴ء، فضائل رمضان المبارک (انگریزی) ۲۰۰۶ء، خدا.... نہ خدا سے جدا (نعتیہ دیوان) ۲۰۱۰ء، تروتازہ (غزلیہ دیوان) ۲۰۱۰ء، لمحہ لمحہ (نظمیں) ۲۰۱۰ء، قلم آشنا (مجموعۂ مقالات)، سیرت سرورِ دو جہاں

جلد اوّل، ماویٰ وملجا (نعتیہ مجموعہ)، تشریح الفاظِ قرآنی، سیرت سرورِ دوجہاں (جلد دوم)، انتخاب کلام قدسی، حیاتِ مفتیٔ اعظم اڑیسہ (قسط ثانی)، حضور مجاہد ملّت (استقامت و کرامت)، حضرت مفتیٔ اعظم اڑیسہ (اپنی کرامات کے اُجالے میں، دعوتِ عمل، مفتیٔ اعظم اڑیسہ اور مسلکِ اعلیٰ حضرت

گھر جنّت: مرشدہ بیگم (نصف بہتر) صاحبزادگان: سیّد قرار رسول، سیّد ایثار رسول، سیّد منار رسول۔ شہزادیاں: سیّدہ تابندہ قدسی، سیّدہ رخشندہ قدسی

رابطہ: Syed Aulade Rasul Qudsi, 11710-Algonquin Drive 460, Apt. Houston, TX 77089.
Mob. 100183123521992

حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

قدسی اور عرفانِ قدسی

اردو زبان کی یہ خوش نصیبی اور نیک شگونی ہے کہ جب سے یہ جلوہ آرا ہوئی ہے ہمیشہ اسے دل دے کر درد لینے والے احباب میسر آتے رہے ہیں۔ انھیں میں کسی کو بانی دبستان ہونے کا شرف حاصل ہوتا رہا تو کسی کو صاحب دیوان شاعر ہونے کا۔ آج کے دور میں اس کی حیات شادماں کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ غزل کی گود سے نکل کر نعت کے اُفق پر کمندیں ڈالنے لگی ہے۔ بنابریں علما، صوفیا اور اولیا کے جذباتِ دروں کی ترجمانی کا اسے شرف حاصل ہو گیا ہے۔ یقیناً یہ امتیازی وصف امام احمد رضا کے دامن سے لپٹا ہوا ہے کہ آپ ہی نے غزل کو اس طرح چھیڑا کہ نعت بنا دیا۔ اور نعت کو اس طرح اپنایا کہ زمین وزماں مدحتِ سرکار میں گونجنے اور جھومنے لگے۔ اس خصوص میں آپ مستقل طور پر جدید دبستانِ نعت کے بانی قرار دیے گئے۔ آپ کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' میں صداقت کا ایسا عنصر سمایا ہوا ہے کہ نہ جانے کتنے لوگ اسے پڑھ پڑھ کر صاحبِ دیوان ہو گئے اور عشاقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صف میں شمار ہونے لگے۔ سید اولادِ رسول قدسیؔ بھی اس دبستانِ رضا کے اسیر دیوانِ رضا کے سفیر اور افق ادب کے وہ بدرِ منیر ہیں جن سے ادب کی پرت در پرت روشن ہو رہی ہے۔ یقیناً یہ برکتیں ہیں فکرِ رضا سے اٹوٹ وابستگی کی کہ قدسیؔ شعر وسخن کی سنگلاخ

وادی سے گذرتے ہیں۔

ع یہ علم وفن کی شاہی تم کو رضا مسلّم کا چراغ جلنے لگتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ ان کے والد گرامی مفتی اعظم اڑیسہ حضرت علامہ مفتی عبدالقدوس صاحب خلیفۂ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان تاحین حیات مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگاتے رہے اور جہاں رہے پیغامِ رضا کی جوت جگاتے رہے۔ رضا کے مشن کو ساعت کے دریچے سے بصیرت کی مسند پر متمکن کرتے رہے۔ الولد سر لابیہ کے مصداق سید اولادِ رسول قدسی میں رضا اور رضویات کی محبت آنی ہی تھی۔ پھر کیا تھا قدسی صاحب نے اپنے کتنے اشعار میں اپنے احساسِ دروں کا اظہار کیا اور کر رہے ہیں۔ ان کا صاف کہنا ہے کہ میرا سرمایۂ خیال اعلیٰ حضرت کی دہلیز خیال پر نچھاور ہے۔ اور یہ تقاضائے الفت بھی ہے کہ صرف محبوب ہی سے الفت کا دعویٰ نہ کیا جائے بلکہ محبوب کے اوصاف وکمالات، محبوب کے تصورات ونظریات اور محبوب کے جذبات و احساسات پر اُٹھنے والی ہر ٹیڑھی ترچھی نظر کا تعاقب بھی کیا جائے۔ اس درپن میں بھی قدسی کی تصویر بہت نمایاں اور درخشاں نظر آتی ہے۔ اور قدسی دوسرے دعوے دارانِ الفت سے دو چار قدم آگے ہی نظر آتے ہیں۔ پیش ہیں بطور ثبوت ان کی تین تازہ نظموں سے کچھ اشعار

رضا کے مسلکِ حق پر رہو سدا قائم بریلوی ہی رہو عافیت اسی میں ہے
کچل کے آج کی یہ صلح کلیت کا مشن رضا کی سمت بڑھو عافیت اسی میں ہے
تمھیں ہے عالمِ حق بننے کی اگر خواہش رضا کو پہلے پڑھو عافیت اسی میں ہے

عدو مسلکِ احمد رضا فتنوں سے باز آؤ کرو شرم نبی خوفِ خدا فتنوں سے باز آؤ
زباں تھکتے نہیں تھی اعلیحضرت اعلیحضرت سے اچانک تم کو یہ کیا ہو گیا فتنوں سے باز آؤ
رضا کے مسلکِ حق پر رہو سختی سے تم قائم ذرا سوچو یہ کس کا ہے کہا، فتنوں سے باز آؤ
صدا یہ آ رہی ہے حافظِ ملت کے روضے سے نہ ڈھاؤ مجھ پہ تم جور وجفا فتنوں سے باز آؤ
میری مانو کرو جا کر بریلی توبۂ خالص کھلا ہے اب بھی دربارِ رضا فتنوں سے باز آؤ

در بدر خوار ہیں حاسدین رضا — باعثِ عار ہیں حاسدین رضا
نام لے کر رضا کا کماتے رہے — کتنے غدّار ہیں حاسدین رضا
مسلکِ اعلیٰ حضرت پہ حملہ کناں — کتنے اشرار ہیں حاسدین رضا
منہ کی کھانا پڑے گی انھیں عن قریب — اب سرِ دار ہیں حاسدین رضا

لگتا ہے قدسؔی کی گھٹی میں رضا اور مسلکِ رضا کی محبت انڈیل دی گئی ہے۔قدسؔی نے رضا سے محبت کی اور سچی محبت کی تو رضا نے ایسا نوازا کہ ملکِ سخن کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دے دی۔آج عالم یہ ہے کہ علم و ادب کے شہریار بھی جب کلامِ قدسی کو پڑھتے ہیں تو پھڑک پھڑک اُٹھتے ہیں۔اس منزل پر پہنچ کر میں یہ کہنے کی جرأت ضرور کروں گا کہ اگر قدسؔی بھی رضا کی طرح دوسرے اصنافِ سخن سے نظریں پھیر کر صرف صنفِ نعت کو اپناتے اور اپنے فکری آبِ زلال سے صرف اسی کی سیرابی پر توجہ دے کر اپنی اور عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیرابی کا زیادہ سے زیادہ سامان کرتے تو رضائے خدا اور رضائے مصطفیٰ کا سرمایہ بھی ہاتھ آتا اور گلشنِ ادب میں تازہ بہ تازہ کلیوں کی نمود سے رشکِ چمن بننے کا اعزاز و افتخار بھی حاصل ہوتا۔غزل کے چمن میں جس طرح انھوں نے نئے نئے پھول کھلائے ہیں اور خوب کھلائے ہیں۔ان کے نام،کام اور کلام کو شہرت دوام بخشنے کے لیے بس ہیں۔اب انھیں اپنی زمامِ فکر صنفِ نعت کی طرف موڑ دینی چاہیے۔اس لیے کہ اس میں جو روحانی کیف ہے،ایمانی سرور ہے،یادِ مصطفیٰ کی رم جھم برسات ہے،دلی آسودگی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مدینہ اور جانِ مدینہ کے مسلسل تصور کا جو حسین موسم ہے وہ کسی اور صنف کو کہاں نصیب؟ ایک شعر بھی اگر بارگاہِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قبول ہو گیا تو بیڑا پار ہے۔ ؎

واللہ وہ سن لیں گے فریاد کو پہنچیں گے — اتنا بھی تو ہو کوئی جو آہ کرے دل سے

بہر حال قدسؔی جدید دور کا وہ حاضر دماغ،بالغ نظر اور صاحبِ فکر شاعر ہے جسے قدرت نے بڑی فیاضی سے مالا مال کیا اور زمین ادب پر مختلف النوع سرو سمن اُگانے کی قوت بخشی

ہے۔ وہ صرف طبع موزوں کے بل بوتے شعر نہیں کہتے بلکہ ان کی حسّاس طبیعت شعر گوئی پر انھیں اُکساتی اور گدگداتی ہے، جبھی تو وہ رنگا رنگ موضوعات کو اپنی شاعری کی جولا نگاہ بنا کر جدھر اور جیسے چاہتے ہیں خرامِ ناز کرتے ہیں۔ وہ فن کے جس ریاض الجنۃ سے بھی گذر جاتے ہیں فن لالہ زار ہو جاتا ہے اور مشامِ ادب مہک مہک اُٹھتا ہے۔ قدسؔی جدید دور کے وہ شاعر ہیں جنھوں نے اردو کینوس میں نئے رنگ و روغن بھرے ہیں۔ نئے نقوش اُجاگر کیے اور اسے مزید وسعت دی ہے۔ فلسفیانہ اور صوفیانہ تصورات کے ساتھ وارداتِ قلبی کو منفرد انداز و اسلوب میں پیش کرنے کا تمغہ حاصل کیا ہے۔ اس طرح آپ نے گنبد الفاظ کے کبوتروں کو اڑانے اور اٹھ کھیلیاں کرنے کا وہ حوصلہ بخشا کہ وہ جس ڈال پر بیٹھ گئے ڈال نغمگی میں جھومنے لگی۔ چوں کہ شاعر اپنے عہد کا ترجمان ہوتا ہے، جس عہد میں وہ سانس لیتا ہے، اس عہد میں رونما ہونے والے واقعات و حادثات، سماجی و معاشرتی کیفیات و حالات سے صرفِ نظر نہیں کرسکتا۔ کیوں کہ شاعر کی نگاہ ایک کیمرے کی طرح ہوتی ہے، وہ زمانے میں اُبھرنے والے ہر منظر کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ قدسؔی نے اپنی اس صلاحیت کا بھرپور استعمال کیا اور نعت گوئی، غزل گوئی، نظم و قصیدہ گوئی وغیرہ تقریباً تمام اصنافِ سخن پر اپنے گہرے نقوش مرتب کیے۔ لفظیات کو نیا عبا و قبا دینے کا ہنر انھیں آتا ہے۔ طرزِ اظہار میں جداگانہ رکھ رکھاؤ اُن کے اندر موجود ہے۔ اور شعر و سخن کے ابعادِ ثلاثہ کو جمالیات اور عقیدت کا آہنگ عطا کرنے کا سلیقہ انھیں آتا ہے۔

اس حوالے سے قدسؔی کے چند اشعار ملاحظہ کریں ؎

نعتیہ اشعار:

دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے
بات جو حق ہے سرِ عام سناتے رہیے

جذبۂ حسنِ عمل ہوگا کبھی تو پیدا
ان کے ارشاد سے سوتوں کو جگاتے رہیے

ہو کے بے خوف و خطر دین کے غدّاروں سے
سکّہ ایمان کا ہر دل میں بٹھاتے رہیے

کٹ کے گر جائے گا ظالم کا ہر اِک ظلم وستم   حسنِ اخلاق کی تلوار چلاتے رہیے

بے عمل مؤمن کی ہے ایسی مثال   تیر ہے ناپید لیکن ہے کماں
کرکے پیدا خود عقیدے میں لچک   کہتا ہے نادان ہیں مجبوریاں

ڈٹ گیا کوہِ گراں بن کے جو حق کی خاطر   لفظ حیران ہے اس کے لیے عنوان نہیں
سامنا ہوگا ندامت کا اسے محشر میں   جو گناہوں پہ یہاں دل سے پشیمان نہیں

نیکیاں اس کی راکھ ہوتی گئیں   آگ میں جو حسد کے جلنے لگا
جو ہٹا ان کی راہِ اسلم سے   خشکیوں میں بھی وہ پھسلنے لگا
وہ ہوا قدسیؔ خائب و خاسر   کبر و نخوت میں جو اُچھلنے لگا

غزلیہ اشعار:

گلزار روایت سے ذرا ذہن کو موڑو   جدت کے بیابان میں اشجار بہت ہیں
بالیدگیاں روحِ ادب میں تو سمیٹو   اسلاف کے اس ہند میں آثار بہت ہیں

جسم جب بادل کا سادہ ہوگیا   ذہن سورج کا کشادہ ہوگیا

ہو رہی تھیں پیڑ کی ساری دکانیں برہنہ   پر درندے سو رہے تھے جنگلوں کے شہر میں
حملہ کیا تھا برہنہ خنجر سے باد نے   افسردہ شاخِ زخم پہ اِک سرخ زاغ تھا

ہر اِک خوف کی جھاڑیوں میں چھپا ہے   یہاں جبر کا سانپ یوں رینگتا ہے

مقفل یقیں کا ہے دروازہ قدسیؔ   سگِ وہم کیوں رات بھر بھونکتا ہے

خیر کے ساحلوں میں عجب سوز تھا   شر کے تالاب کی مچھلیاں جل گئیں

آشیانوں میں طائر سبھی شاد تھے   اِک کبوتر ہوا کے عذابوں میں تھا

لباسِ سرخ میں ملبوس انار لگتا ہے   کبوتروں کی ہوس کا شکار لگتا ہے

درس پرواز میں مسرور ہیں سارے طائر   کیونکہ مٹتی ہے عقابوں کے پروں کی تحریر

پُشت سے گذرے کتنے پتنگے مگر   زندگی سے اُلجھتی رہی چھپکلی

بشر کی پیاس بشر کے لہو سے بجھتی ہے   جہاں میں کیا یہی خونی رواج پہلے تھا

تاہم قدسیؔ صاحب اگر میری تلخ نوائی کو ضبط کر سکیں تو مَیں عرض کروں کہ دور از کار استعارات، ژولیدہ تشبیہات اور پیچیدہ اسلوبِ اظہار اگر غالب کو اپنا فکری تیور بدلنے پر مجبور کر سکتا ہے اور بدل جانے کے بعد پورے عہد ہی نہیں مابعد عہد بھی انھیں غالب بنا سکتا ہے تو ناقدین ادب قدسیؔ صاحب کو چاہے جیسے بھاری بھرکم القاب وآداب سے یاد کریں میرا وجدان بولتا ہے کہ یہ سب خوش فہمیوں کی کچی دیواریں ہیں۔ اندر دائمی زندگی کی رمق نہیں ہے۔ اگر قدسیؔ صاحب معمولی سا بھی انقلاب اپنے اندر لے آئیں تو آنے والا وقت ان کی غالبیت کا پھریرا بلند کرنے پر مجبور ہوگا۔ اور اقبالیت کا تاج انھیں کے سر کی زینت بنے گا۔ مجھے ان کے محاسن کا بھرپور اعتراف اور معنوی نزاکتوں کا پورا خیال ہے۔ ایسا شاعر جو بولے تو شعر بولے، سوچے تو شعر ٹپکے۔ سانس لے تو شعر کی خوش بو آئے۔ قلم چلا دے تو شعری چشمے بہادے۔ جو نئی نئی فکر اور نئی نئی ترکیب کو اس آسانی اور خوب صورتی سے برتنے پر قادر

ہو کہ جو نقوش اُجالے نقش کالحجر بن جائے۔ حسنِ فکر و جمال ادب کی اسی رعنائی کا نام سید اولادِ رسول قدسیؔ ہے۔

قلی قطب شاہ کے بارے میں مَیں نے پڑھا ہے کہ اس نے ایک لاکھ سے زاید اشعار کہے ہیں اور یہ ریکارڈ اب تک کوئی توڑ نہیں سکا ہے۔ قدسیؔ صاحب جس سبک روی، تیز گامی اور خوش خرامی سے شاہراہِ اشعار پر سفر پیما ہیں کہ مجھے تو لگتا ہے کہ قلی قطب شاہ کا ریکارڈ توڑنے کا کام قدرت نے آپ کے نام کر دیا ہے۔

ابھی چند روز قبل مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب نے قدسیؔ صاحب کے ''مضامین و مقالات'' کا مجموعہ ''قلم آشنا'' کا مقدمہ دیکھنے کے لیے دیا۔ مقدمہ ایسا جسے مقدمہ ابن خلدون کا نقشِ ثانی کہیے۔ ۹۶ رصفحات پر پھیلا ہوا یہ مقدمہ ایک طرف مولانا قدسیؔ صاحب کی قلمی رفعت، فکری وسعت اور تحریری جامعیت کا خطبہ پڑھ رہا ہے، تو دوسری طرف مقدمہ کی سطر سطر سے صدیقی صاحب کے خلوصِ دل، ان کی قلمی پختہ کاری اور ربط کے والہانہ پن کا ترانہ گا رہا ہے۔ میں نے پہلی بار قدسیؔ صاحب کے مضامین کے کچھ اقتباس کی زیارت کی۔ حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی کہ قدسیؔ صاحب جتنے اچھے شاعر ہیں اتنے ہی اچھے نثر نگار بھی۔ نثر میں بھی انھوں نے اپنی مہارت وحذاقت کا لطف لے لے کر جلوہ دکھایا ہے۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ قدسیؔ صاحب اگر اپنے سمند باد پا کو اسی میدان کے لیے وقف کر دیں تو دینی بہت سارے عنوانات جو ابھی تشنہ ہیں شاد کام ہو جائیں۔ مگر ان کی چلبلی فکر انھیں سیماب صفت بنائے رکھتی ہے۔ وہ اسی دھن میں مختلف صحراؤں اور چراگاہوں سے گذرتے رہتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ وادیِ غیر ذی ذرع سے بھی تہی کشکول نہیں لوٹتے۔ زمین شور میں سنبل اُگانے کی ترکیب سے وہ اچھی طرح واقف ہیں۔

ان تمام اعترافِ حقائق کے باوجود مجھے یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے کہ بڑے بڑے فنکار کی فنی کاوشیں اس دفینے کی شکل اختیار کر گئیں یا موت کی آغوش میں چلی گئیں کہ ان کی واقعی رونمائی نہیں ہو پائی۔ وہ بزم دانش میں آنے اور اپنی جوت جگانے کی حسرت لیے

تڑپ تڑپ کر رہ گئیں، مگر یہ مولانا رحمت اللہ صدیقی ہیں جو قدسی کے گلاب فن مـیں معمولی پنکھڑی کی بھی فکر رکھتے ہیں۔ ارباب علم و دانش کی بارگاہ میں جا کے ان کا علمی، ادبی اور لسانی مقام متعین کرواتے ہیں اور پھر جہانِ دین و دانش میں آرائش ظاہری و باطنی کا سلیقہ پیـش کرتے ہیں۔ خود مقدمے کے تقاضے سے پرے طویل القامت مقـدمہ لکھتے اور کہنہ مشق ناقدین فن سے باصرار بے شمار ان سے تاثرات لکھواتے ہیں، ورنہ امریکہ کی چیز ہندوستان میں اس طرح صاحبانِ ذوق کی میز کی رونق بن کر دعوتِ مشاہدہ بھی دے اور مطالعـہ بھی۔ صدیقی صاحب کی جگر کاوی کا کرشمہ نہیں تو اور کیا ہے؟ خدا ایسا ہم زلف ادب کے تمام محرمِ راز کو میسر فرمائے تاکہ گیسوئے فکر و خیال کی تابداری اور مشـاطگی ہوتی رہے۔ اگر مولانا صدیقی اتنا کچھ کر سکنے کی ہمت بھی رکھتے ہیں اور اس کا مظاہرہ بھی کر رہے ہیں تو علامہ قدسی سے بھی ہمیں اُمید ہے کہ وہ بھی صدیقی احساسات سے بے نیاز نہیں ہوں گے۔ اپنے اوقاتِ عزیز سے وقت نکالنا اور پھر قدسی فن پارہ کی ترتیب و تہذیب میں جٹ جانا صـدیقی کی اہم ترجیحات میں شامل ہے۔ تو پھر قدسی کی اولیات میں صدیقی جذبات کی ناز کی شامل ہونی ہی چاہیے۔ ہم مولانا صدیقی کی مصروفیت اور ہجوم کار سے ناواقف نہـیں ہیں۔ خود ان کا بھی اپنا دینی ادبی ذوق خاصا بلند اور بالیدہ ہے۔ سالنامہ ہی سہی مگر برسہا برس سے وہ پیغامِ رضا نکال رہے ہیں۔ اس کے جو بھی نمبرات اب تک نکلے ہیں چاہے وہ امام احمد رضا نمبر ہو، یا مفتی اعظم نمبر، فکر و تدبیر نمبر ہو یا امتیازِ اہلسنّت۔۔۔۔ یہ تمام نمبرات' نمبروں کی دنیا میں ممتاز نمبروں میں شمار ہوتے ہیں اور اپنی امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ بڑے اطمینان سے قلمکار و مضمون نگار حضرات ان کے حوالہ جات کو پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کا دفـاعی مورچہ سنبھالنا اور اس کے لیے مخلص علما سے مربوط رہنا، ذہن سازی کرنا اور فکری ارتباط کی فکر کرنا، ضرورت پڑنے پر طویل مسافتی سفر کرنا، اس کے علاوہ اپنی نجی زندگی کی ضرورت، بال، بچوں کے چہرے پر گردِ ملال نہ آنے پائے اس کا خیال۔۔ غرض کہ

اتنے سامانِ ستم اور ایک جانِ عندلیب

ان تمام چیزوں کے باوجود یہ تو ماننا ہی پڑتا ہے کہ قدسؔی صاحب اگر نگارستانِ علم و ادب کے تاباں نقوش ہیں تو صدیقی صاحب اس کے باوفا محافظ۔ اگر قدسؔی صاحب شمع ادب ہیں تو صدیقی صاحب اس کے فولادی فانوس۔ اور ایسے فانوس جو صرف نامساعد ہوا سے حفاظت ہی نہیں کر رہے ہیں بلکہ لمحہ لمحہ اس کو بڑھانے، رفتہ رفتہ حیاتِ جاوداں کی شکل دینے اور پھر ادبی علمی دنیا کے لوحِ محفوظ میں سجانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ یہی چاہتے ہیں کہ صرف قدسؔی ہی تر و تازہ نہ رہیں بلکہ ان کی تمام تر دینی، ادبی اور لسانی ریاضت بھی تر و تازہ رہے۔ ان کی حیات کے آنگن میں موسمِ خزاں میں بھی گل و لالہ کی بارات اُترتی رہے۔ اس لیے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ قدسؔی اگر فکر و فن کا استعارہ ہیں تو صدیقی اس کا بین اشاریہ۔ قدسؔی اگر فکر و فن کا آئینہ ہیں تو صدیقی صاحب اس کی شفافیت۔ قدسؔی اگر فکر و فن کی پہچان ہیں تو صدیقی قدسی کا عرفان۔ کم از کم اسی بہانے افکارِ قدسی کے گل بوٹوں کی خوشبو سے دنیا کو مہکاتے رہیں۔ بازارِ علم و ہنر میں ان کی جلوہ آرائیوں سے کیف مسلسل کی فضا چھائی رہے۔ لوگ قدسؔی کو پڑھ کر باز دید، یا نو دید کا مزہ لیتے رہیں۔ ادب کے گلشن میں نت نئے تراشیدہ پھولوں کی نکہت یونہی اتراتی اور اٹھلاتی رہے۔ یکے بعد دیگرے نئی نو کتابوں کی جامہ زیبی سے دنیائے شعر و سخن میں خوشگوار باغ و بہار کا اضافہ ہوتا رہے۔ خدا کرے قدسؔی ایسے ہی شعروں کی کاشت اُگاتے رہیں اور صدیقی ان کو سمیٹتے، سجاتے اور آبیاری کرتے رہیں۔ تا کہ تا قیامِ قیامت دنیا ان ذخائرِ علم و ادب سے فیض یاب ہوتی رہے۔

قدسؔی زندہ باد

صدیقی پائندہ باد

نجم القادری

۳۱/ مارچ ۲۰۱۵ء

سید اولا د رسول قدسیؔ اور تثلیثِ فکر و فن

سید اولا د رسول قدسیؔ نے بیک وقت شاعری، شریعت اور طریقت کی مملکتوں کو اپنی تخلیقی ذات کا حصہ بنایا ہے۔ وہ اس تثلیثِ فکر و فن کے مرکزِ ثقل (centroid) کی تلاش مین روز و شب سر گرداں نظر آتے ہیں۔ جہاں شاعری کے میدان میں وہ سلسلۂ امیر مینائی کے فارغ الاصلاح شاعر ہیں، وہیں شریعت کے میدان میں اپنے والد مرحوم حضرت سید عبد القدوس (مفتیٔ اعظم اڑیسہ) کے سچے جانشین اور راہ طریقت (یعنی راہِ سلوک) میں قادریہ سلسلے سے وابستہ رہ کر اپنے پیش رو بزرگان دین سے روحانی طور پر فیض یاب ہوتے رہے ہیں، نیز دوسروں کو بھی فیض یاب کرتے رہے ہیں۔ بحیثیت شاعر وہ اس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ وہ دوسروں کے کلام پر اصلاح دے سکتے ہیں، بلکہ انہیں بیرونی ملک میں رہ کر بیرونی مما لک کے اردو شاعروں کی اصلاحِ سخن کا فریضہ انجام دینا بھی چاہئے۔

بیرونی مما لک: میں مختلف اردو بستیوں کے قیام کی وجہ سے اب اردو بین الاقوامی زبان کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اور بلا تفریق مذہب و ملت اس کے شعراء خطۂ ارض کے ہر گوشے میں پیدا ہو گئے ہیں، خصوصاً صنف غزل کی بے حد مقبولیت کی وجہ سے اس لئے باہر کی نئ بستیوں میں بسنے والے ان شعراء کے ذہن کی صلاح اور زبان و بیان کی باریکی اور پاکیزگی کی سمت رہنمائی کرنے کے لئے اصلاحِ سخن کے سلسلے کو جاری رکھنا ضروری ہے، ورنہ اردو کے یہ نئے شعراء ناقۂ بے زمام کی طرح بھٹکتے پھریں گے۔ یہ بھی وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ قدسیؔ کو موجودہ دور میں صوفیائے کرام کا وہ کردار بھی نباہنا ہے جس کے ذریعہ ماضی میں ان حضرات نے نوع انسان کو ایک سلسلے میں جوڑ رکھا تھا۔ اس سلسلے میں صنفِ شاعری کی افادیت کو اقبال نے یوں واضح کیا ہے

نغمہ کجا و من کجا، سازِ سخن بہانہ ایست
سوے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

قدسی اردو اور انگریزی میں کل ملا کر تقریبا ۲۵ رکتابوں کے مصنف بن چکے ہیں جن میں سے سات نعتیہ مجموعے، دو غزلیہ مجموعے، ایک نظمیہ مجموعہ، ایک سیرت سرور دو جہاں (جلد اول) اور نثر میں مذہبی اور سوانحی مقالات پر مبنی متعدد کتابیں شامل ہیں۔

علاوہ ازیں موصوف ایک اچھے مقرر، عالم وفاضل، داعی ومبلغ، مفتی اور مناظر کی حیثیت سے بھی بے حد مشہور ومقبول ہیں۔

صدف کے بطن میں پوشیدہ موتیوں کی طرح قدسی کی ذات میں پوشیدہ فنی اور تخلیقی خوبیاں عوام کی نظر سے اوجھل رہتیں، اگر مولانا رحمت اللہ صدیقی مدیر اعلیٰ ''پیغام رضا'' ممبئی نے ان کا ساتھ نہ دیا ہوتا۔ جدید اور قدیم علوم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد قدسی کا زیادہ تر وقت افریقہ اور امریکا جیسے بیرونی ممالک میں گذرا۔

ہندوسان میں ان کی تقریبا تمام کتابوں کی طباعت اور توسیع اشاعت کی ذمہ داری مولانا رحمت اللہ صدیقی نے قبول کی اور اس ذمہ داری کو انہوں نے اب تک بحسن وخوبی نباہا ہے۔ قدسی کی شخصیت اور شاعری پر ناقدین زبان وادب نے بہت کچھ لکھا ہے۔ کئی ادبی رسائل نے ان پر خصوصی گوشے شائع کئے ہیں۔ موصوف پر لکھے گئے تمام مصامین کو یکجا کر کے مولانا رحمت اللہ صدیقی نے ''قدسی شخص اور شاعر'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب شائع کی تھی، جو امید ہے کہ آنے والے محققوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی۔ زیر نظر کتاب ''قدسی فن اور شخصیت'' قدسی پر لکھی گئی شخص واحد کی سعیٔ جمیل کا نتیجہ ہے۔ اگر چہ یہ کتاب بظاہر پی، ایچ، ڈی کا مقالہ معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ اس میں ڈاکٹر کی تھس کے طریقۂ عمل (methodology) کی پابندی کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ عام طور پر تصنیف اور تھسس دونوں کے تقاضے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ البتہ یہ کتاب قدسی پر تحقیق کرنے والوں کے لئے کئی نئی نئی راہیں ضرور کھول دے گی اس میں اتنا سارا مواد موجود ہے کہ ادب (literature) اور اسلامیات (islamie studies) دونوں شعبوں میں قدسی پر متعدد ڈاکٹریت کے مقالے لکھے جا سکتے ہیں۔ زیر نظر تصنیف میں مولانا صدیقی نے قدسی کی شخصیت کے ان پہلوؤں کو مس کیا ہے، جن کی طرف

اب تک کسی کی نظر نہیں گئی تھی۔ مثلاً قدسی کے مذہبی اور مسلکی عقائد، قدسی بحیثیت مفتی، قدسی بحیثیت مقرر وغیرہ وغیرہ۔ اس کتاب کے مطالع سے یہی گمان گذرتا ہیکہ قدسی بحیثیت شاعر وادیب کی بہ نسبت قدسی بحیثیت مولانا یا مبلغ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' بلند تر مقام رکھتے ہیں۔ صدیقی صاحب کا قدسی کو اس انداز سے پیش کرنا فطری بھی تھا، کیونکہ وہ خود اسی مسلک سے جڑے ہوئے ہیں۔ سچ پوچھئے تو قدسی کی شناخت ''بحیثیت علامت پسند شاعر'' مستحکم ہے۔ شاعری میں ان کی طباعی کو اپنے مسلک کی تبلیغ واشاعت کے لئے استعمال کرنا راقم الحروف کی رائے میں کسی طرح بھی قابل تحسین نہیں۔ نثر میں اظہار خیال کیا برا تھا؟ ناصحانہ (didactic) شاعری کبھی بھی کسی بھی زبان میں اعلیٰ پیمانے کی شاعری قرار نہیں دی گئی۔ مقصدی ادب کا وہی حال ہوتا ہے جو اس سے قبل تخلیقی ترقی پسند ادب اور تعمیر پسند ادب (یعنی تحریک ادب اسلامی) کا ہوا۔ قدسی کی تخلیقی شخصیت کا جوہر انکی غزلیہ شاعری ہی میں کھل کے سامنے آتا ہے۔ غزلوں میں ان کا علامتی انداز بیان ایسا نیا پہلو ہے جو اردو ادب میں ایک اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ورنہ باقی تمام چیزیں فروعی اور روایتی ہیں۔ مثلاً عالمِ اسلام میں قدسی سے بہتر مبلغ، مفتی اور مقرر بکثرت مل جائیں گے لیکن بحیثیت علامت پسند غزل گو (نظم گو نہیں) قدسی ادبی دنیا میں یکہ وتنہا نظر آتے ہیں۔ خدا کرے کہ قدسی کی یہ شناخت آئندہ بھی برقرار رہے بلکہ اور مستحکم بنے۔

حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری صاحب کا کہنا ہے کہ ''اگر قدسی بھی رضا کی طرح دوسرے اصنافِ سخن سے نظریں پھیر کر صرف صنعت نعت کو اپناتے اور اپنے فکری آبِ زلال سے صرف اس کی سیرابی پر توجہ دے کر اپنی اور عشاقِ رسول کی سیرابی کا زیادہ سے زیادہ سامان کرتے تو رضائے خدا اور رضائے مصطفیٰ کا سرمایہ بھی ہاتھ آتا اور گلشنِ ادب میں تازہ بہ تازہ کلیوں کی نمود سے رشکِ چمن بننے کا۔۔۔۔۔ اب انہیں اپنی زمام فکر صنعتِ نعت کی طرف موڑ دینی چاہئے''۔ یہ مولانا نجم القادری کی ذاتی رائے ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ سب لوگ اس رائے سے متفق ہوں۔ آج سے نصف صدی قبل نعتیہ شاعری کو ادب کا حصہ قرار نہیں دیا جاتا تھا۔ کسی بھی ادبی رسالے یا شعری مجموعے میں نعتیں شائع نہیں ہوتی تھیں ہم لوگوں نے خالص ادبی رسالے ''شاخسار'' کٹک میں کوئی

نعت شائع نہیں کی۔لیکن بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کی گذشتہ دو دہائیوں میں پاکستانی رسالوں اور شعری مجموعوں میں نعتیں شائع ہونے لگیں اور الگ سے نعتیہ مجموعے بھی سامنے آئے تو ان کے تتبع میں ہندوستان بھر میں نعتیہ مجموعوں کی گویا باڑھ سی آنے لگی اور یہ جذبہ ترقی پذیر ہے اور نعتیہ ادب کے لئے نیک شگوف بھی۔

شریعت اور طریقت دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ شریعت ''دیکھ کے چلنے'' کا عمل ہے اور طریقت ''چل کے دیکھنے کا''۔طریقت میں بہت سی راز و نیاز کی باتیں ایسی ہیں جو چراغ سے چراغ جلنے کے مصداق سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہیں اور جنہیں صرف شیخ اور مرید کے درمیان ہی محدود رہنا چاہیئے،عوام یا پیروان شریعت تک نہیں پہنچنا چاہیئے،ورنہ فتنہ ہونے کا امکان ہے (اور یہی ہو بھی رہا ہے)۔مراقبہ کے دوران صوفی کو اللہ کا نور،رسول کا نور،فرشتے کا نور،شیخ کا نور الگ الگ رنگوں میں نظر آتا ہے۔یہ بات عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہے۔اسی طرح تصوف کے بعض سلسلوں میں سماع کو جائز بلکہ مراقبہ کا ایک طریقہ سمجھا جاتا ہے جبکہ شریعت میں اس کا کوئی جواز نہیں ملتا۔

جہاں تک شریعت اور شاعری کے باہمی رشتوں کا تعلق ہے،ناصحوں،واعظوں اور مشائخ سے شاعروں کی ماں پیٹ کا بیر نظر آتا ہے شاعر رند لاابالی ہوتا ہے جو شب و روز مست و مخمور ہونا چاہتا ہے،جبکہ ناصح واعظ اور مشائخ حضرات شاعر کو اس عمل سے روکتے ہیں،دور رہنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ان حضرات کا کردار محتسب کا کردار ہوتا ہے۔لہذا ان کی نکتہ چینی اور مذمت کو شاعر اپنا فرض اولین سمجھتا ہے۔ملکِ عجم میں صنف غزل جب صوفیوں کی خانقاہوں تک پہنچی تو اسے عشق کی وسیع معنویت سے ہم کنار ہونا پڑا۔اس وقت تک تصوف میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود (''ہمہ اوست'' اور ''ہمہ از وست'') کا فلسفہ داخل ہو چکا تھا۔صوفیائے کرام نے عشق مجازی کی راہوں سے عشقِ حقیقی تک پہنچنے کو ضروری سمجھاہ،جیسا کہ امجد نجمی نے کہا ہے:

سب دیکھتے ہیں حسنِ دلاویز کو تیرے
میں حسن میں اک شانِ خدا دیکھ رہا ہوں

پیرانِ طریقت اپنے مریدوں کو پہلے کسی سے عشق کر کے آنیکی ہدایت دیتے ہیں اور جب مرید

کا عشق جنون کی حد تک بڑھ جاتا ہے تو یہ حضرات بآسانی اس عشق، مجازی کو عشق حقیقی میں بدل دیتے ہیں۔ متصوفانہ شاعری میں معشوق سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ ہے جبکہ شراب سے علامتی طور پر مراد عشق الٰہی لی جاتی ہے۔ ''ساقی'' سے مراد پیر طریقت ہے جو اپنی آنکھوں سے شیرابی (یعنی مرید کو) عشقِ الٰہی پلا کر مست ومسرور کردیتا ہے۔ درمیان میں ناصح اور واعظ (یعنی شریعت کے مبلغ) آٹپکتے ہیں جو احتساب کا کام انجام دیتے ہیں اور راہ تصوف میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ بہرکیف یہ پورا منظر نامہ متصوفانہ شاعری کا اظہاریہ ہے۔ غالب نے اسی علامتی اظہار کو یوں بیان کیا ہے:

ہرچند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ وساغر کہے بغیر

ان مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ جہاں شاعری، شریعت اور طریقت کی راہیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں، وہاں ان سب کے ساتھ انصاف کرکے اس تصادم سے اپنے آپ کو نکال لینا دشوار گذار مرحلہ ہے۔ پھر بھی صنف شاعری کی حد تک میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ قدسی ایک کامیاب علامت پسند غزل گو شاعر ہیں۔ شریعت اور طریقت کی راہوں میں وہ کن کن منزلوں کو عبور کر چکے ہیں اور کن کن مقامات پر وہ لغزشوں کا شکار ہوئے ہیں ان امور کا تعین (assessment) راقم الحروف کے دائرہ قیاس سے باہر ہے۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی نے اپنی اس تصنیف میں قدسی کو ایک کامیاب نعت گو شاعر کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ قدسی بھی نعت گوئی کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیتے ہیں یہاں میں عرض کردوں کہ گذشتہ چند سالوں میں چھپنے والے بیشتر نعتیہ مجموعوں میں مجھے کوئی نیا پن نظر نہیں آتا۔ وہی خیال، وہی تصنع زدہ جذبہ، وہی پرانی لفظیات، وہی غزلیہ فارم میں فرسودہ اندازِ بیان آج کی نعتیہ شاعری کو اعلیٰ ادب کے زمرے میں داخل ہونے سے روکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نعت نگاری کے بعد اردو میں نعت گوئی کے تمام امکانات ختم ہو چکے ہیں۔ میں یہ بات فاضل بریلوی کے جذبہ حبِ رسول اور اعلیٰ شاعری کے فنی معیار کو پیشِ نظر رکھ کر کہہ رہا ہوں ''حدائق بخشش'' کے مطالعہ کے بعد اب جتنے نعتیہ مجموعے نظر سے گذرتے ہیں وہ سب مجھے پھیکے

پھیکے نظر آتے ہیں۔قدسی اس سے مستثنیٰ ہیں بلکہ قدسی کے ساتھ اور بھی شعراء ہیں جن کے ہاں نیا پن ملتا ہے۔لہذا انہیں یہ مشورہ دینا کہ تمام دیگر اصناف سخن کو چھوڑ کر صرف نعت گوئی ہی پر ساری توجہ مرکوز کر دینا چاہئے یقیناً دانش مندی نہیں کہلا سکتا۔

ادھر چند سالوں سے قدسی نے مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ کے لئے اپنی ساری شاعرانہ قوت کو وقف کر دیا ہے۔مثلاً ان کا ناصحانہ (didactid) شعر ملاحظہ فرمائیے

رضا کے مسلکِ حق پر رہو سدا قائم
بریلوی ہی رہو عافیت اسی میں ہے

ایسے اشعار ان کی تازہ تر تخلیقات میں بھرے پڑے ہیں،جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدسی شاعری کے ایک نئے آفاق کی سمت تیزی سے بڑھ رہے ہیں اور بحیثیت ''مبلغ مسلک اعلیٰ حضرت' ان کی مقبولیت میں اضافہ ہونے لگا ہے نیز اس حلقے کی داد و تحسین سے وہ خوش بھی ہیں۔ہر شخص کو اپنے عقیدے پر قائم رہنے اور اپنے مسلک کو پھیلانے کا حق ہے۔ٹی ایس ایلیٹ بہ بانگِ دہل یہ اعلان کرتا تھا کہ وہ روئق یتھولک شاعر ہے۔قدسی انگریزی زبان میں پوسٹ گریجویٹ ہیں اور بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ ٹی ایس ایلیٹ کو اپنی مذہبی شاعری کیلئے نہیں بلکہ ہولومین (hollow man) ویسٹ لینڈ (waste land) اور خور کوارٹیٹس (four Quartets) جیسی جدیدیت پر مبنی نظموں کے لئے زندہ جاوید قرار دیا جاتا ہے۔البتہ اردو شاعری میں ہمارے اساتذہ کے یہاں ''صنفِ ہجو' ایک الگ صنفِ سخن ہے جس کی روایت 'صنفِ قصیدہ' کے شانہ بہ شانہ متقدمین سے لے کر متاخرین تک پھیلی ہوئی ہے۔دور جدید میں ہجو گوئی کا چلن ختم ہوتا جارہا تھا قدسی نے اسے پھر سے تازہ کر دیا ہے۔قدسی نے نجدی،وہابی،دیوبندی،اہل حدیث نیز وہ سنی حضرات جو ''مسلک اعلیٰ حضرت سے جڑے ہوئے نہیں ہیں،ان کی ہجو میں جو کچھ لکھا ہے وہ قرآن وحدیث کی ترجمانی اور مسلک حق کا نمائندہ بنا کر انہیں پیش کرتا ہے۔

جہاں تک ''قدسی فن اور شخصیت'' کے مصنف مولانا رحمت اللہ صدیقی کے نثری اسلوب کا تعلق ہے،اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ان کی نثر صاف ستھری اور رواں دواں ہے۔تقریباً ہر جگہ ان کی شگفتہ

بیانی کوفوقیت حاصل ہے۔ کبھی کبھی وہ ایک ہی بات کومختلف پیرایے میں بیان کرتے ہیں جوطبع سلیم پر بارگذرتا ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ ضرورکسی عالم دین کی لکھی ہوئی ہے۔ کیونکہ جوشخص حقیقی اور کتابی عالم ہوتا ہے وہ ادب اسلامی سے بہرطور واقف ہوتا ہے، اس لئے وہ کسی بھی بڑی شخصیت کا ذکر آداب والقاب کے ساتھ کرتا ہے زیرنظر کتاب میں جگہ جگہ اس کے نمونے ملیں گے۔ مولانا صدیقی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جب وہ قدسی کے کلام میں کسی تلمیح کی تشریح کرنے بیٹھتے ہیں،تو وہ پورا قصہ یا واقعہ بیان کرنے کے بعد اصل عربی عبارت اوراس کا ترجمہ بھی پیش کرتے ہیں، اس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ایک چیز جومولانا رحمت اللہ صدیقی اور مولانا اولاد رسول قدسی دونوں کی نثری تحریروں میں کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ جہاں یہ حضرات کسی کی تحریر کا اقتباس پیش کرتے ہیں وہاں مصنف، کتاب اورصفحہ نمبر کا حوالہ تو دیتے ہیں،مگر وہ کتاب کس سن میں، کس پریس، میں چھپی اوراس کے پبلشر کا نام کیا ہے اس کا حوالہ نہیں دیتے ، جوجدید تحقیقی تقاضے کی روشنی میں تخلیق کار کے اعتبار کو بڑھاتا ہے جس کی عدم موجودگی سے تحریر میں ایک تشنگی کا احساس ہوتا ہے جس کی وجہ سے محققین اسے زیادہ اہمیت نہیں دیتے ، میں سمجھتا ہوں کہ یہ خامی صرف مولانا رحمت اللہ صدیقی اورقدسی تک محدود نہیں بلکہ بیشتر علما کی تحریروں میں پائی جاتی ہے۔اس لئے محققین علما کو اس سمت توجہ دینے کی ضرورت ہے ۔چونکہ حالات اور تقاضے تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں اوروہی تحریر محققین کے نزدیک قابل اعتبار سمجھی جاتی ہے جوجدید تقاضوں سے مزین ہوتی ہے۔

بہرکیف قدسی فن اورشخصیت مولانا رحمت اللہ صدیقی کی ایسی اہم تصنیف ہے جومستقبل میں قدسی کے فکروفن کو سمجھنے اوران پر کام کرنے والوں کواپنی جانب ضرور متوجہ کرے گی۔انہوں نے قدسی پر ایک بڑا کام کیا ہے اس لئے مذہبی اورادبی دونوں حلقوں سے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں ۔میں ذاتی طور پر ان سے پرامید ہوں اوردعا گو بھی۔

اسلام خدائی مذہب ہے

دنیا میں بے شمار ادیان وملل پائے جاتے ہیں۔ان میں اسلام سب سے پاکیزہ اور ستھرا دین ہے۔یہی دین اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔قرآن واحادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔مذاہب عالم اور ادیانِ عالم میں اسلام کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے بتیس دانتوں کے درمیان ایک زبان۔اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان زبان کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔دانت بعد میں آتے ہیں اور جب انسان ضعیف ہو جاتا ہے تو دھیرے دھیرے اس کے سارے دانت رخصت ہو جاتے ہیں۔لیکن زبان اپنی جگہ محفوظ رہتی ہے۔یعنی ماں کے پیٹ سے قبر کی آغوش تک زبان انسان کے ساتھ ہوتی ہے۔ٹھیک اسی طرح دانتوں کے درمیان جو حیثیت زبان کی ہے مذاہبِ عالم کے درمیان وہی حیثیت مذہب اسلام کی ہے۔اسلام سب سے پہلے آیا ہے اور سارے مذاہب بعد میں آئے ہیں۔اسلام خدائی مذہب ہے اور دوسرے سارے دین انسان کے خود تراشیدہ ہیں۔اسلام حق ہے اور سارے مذاہب باطل ہیں۔دنیا کا ہر مذہب اور اس کا ماننے والا اسلام کو اپنے لیے خطرہ تصور کرتا ہے اور زمین کے نقشے سے اسے مٹا دینا چاہتا ہے۔لیکن اسلام ہے کہ دن بہ دن پھیلتا جا رہا ہے۔کل بھی اسلام کو مٹانے کی کوششیں ہوئی تھیں، آج بھی ہو رہی ہیں اور آئندہ کل بھی ہوں گی۔مگر کل بھی اسلام سر بلند تھا، آج بھی سر بلند ہے اور آئندہ کل بھی سر بلند رہے گا۔

اسلام ہمیشہ سے اپنے مخالفین کا یہ کہہ کر منہ چڑاتا رہا ہے کہ

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اسلام ایک اٹل حقیقت ہے: اسلام کی جو صورت کل تھی وہی صورت آج بھی ہے۔ اسلام کا جو اُصول کل تھا وہی اُصول آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گا۔ اسلام نے انسان کے لیے جو دستورِ حیات اور نظام زندگی کل پیش کیا تھا وہی دستورِ حیات اور نظام زندگی آج بھی ہے۔ اسلام وقت اور حالات کے تحت بدلتا نہیں ہے بلکہ وقت اور حالات کو اپنی فطرت کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔ اسلام ایک اٹل حقیقت ہے۔ اس میں کسی کو کسی طرح کی تبدیلی کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ ایک خدائی ضابطہ ہے اور خدائی ضابطے کو دنیا کی کوئی طاقت چیلنج نہیں کر سکتی۔ اسلام جب تک دنیا میں ہے اخلاقی قدریں موجود ہیں اور اسلام جب دنیا سے رخصت ہوگا اخلاقی قدریں بھی رخصت ہو جائیں گی۔ اسلام ہے تو دنیا امن و شانتی کا گہوارہ بنی ہوئی ہے۔ اسلام جب رخصت ہو جائے گا پوری دنیا جہنم میں تبدیل ہو جائے گی۔ تعصب، تنگ نظری کی بنیاد پر انسان کچھ بھی کہہ سکتا ہے لیکن ہم نے جو باتیں کہی ہیں ایک سو ایک فی صد حقیقت ہیں۔

اسلام دنیا کی ایک عظیم سچائی ہے۔ اس عظیم سچائی کو دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی۔ اسلام کسی خارجی طاقت کی بنیاد پر نہیں زندہ ہے۔ اس کی زندگی میں ڈالر اور ریال کا بھی کوئی رول کبھی نہیں رہا بلکہ یہ اس لیے زندہ ہے کہ یہ خدائی پکار ہے۔ خدائی آواز ہے اور ایک ٹھوس صداقت ہے۔ صداقت وقتی طور پر دبتی تو ہے مٹتی نہیں ہے۔

بڑی بڑی طاقتیں مختلف شکلوں میں اس کو مٹانے کے لیے کھڑی ہوئیں، لیکن اس کو مٹانے والی طاقتیں خود مٹ گئیں۔ آج تاریخ میں ان طاقتوں کے کھنڈرات تو ملتے ہیں مگر ان کا کوئی اپنا وجود نہیں ملتا۔ اسلام ایک ایسی پتھر کی چٹان ہے کہ جو اس سے ٹکرانے کی کوشش کرتا ہے وہ خود پاش پاش ہو جاتا ہے۔ کبھی اسلام غربت کا بھی شکار ہوا

ہے اور ایسی غربت کہ دنیا یہ محسوس کرنے لگی کہ اب اسلام اپنے قدموں پر دوبارہ کھڑا نہ ہو سکے گا۔ لیکن جن طاقتوں نے اسے غربت سے دوچار کیا تھا، انھیں طاقتوں کی کوکھ سے امید کی ایک نئی کرن نمودار ہوئی جو اسلام کی سربلندی کا سبب بن گئی۔ ڈاکٹر اقبال نے اس سمت یوں اشارہ کیا ہے ؎

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

حضرت شفیق جون پوری نے بھی اسلام کے زمانۂ غربت کی کچھ یوں ترجمانی کی ہے ؎

بجھی ہے شمع مسلم بارہا پھر جگمگائی ہے
یہ تارہ ٹوٹ جاتا ہے درخشانی نہیں جاتی
نکالیں سیکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہوگا
مگر پھر بھی میرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

اور کسی شاعر نے اسلام کے نہ مٹنے کی حقیقت کا یوں اظہار کیا ہے ؎

اسلام تیری نبض نہ ڈوبے گی حشر تک
تیری رگوں میں خوں ہے رواں چار یار کا

اسلام اپنے کردار کی بنیاد پر زندہ ہے: دنیا میں بے شمار مذاہب ہیں اور ہر مذہب کے پاس اپنی مشینری ہے جس سے مذہب کے فروغ کا کام لیا جاتا ہے۔ جو مذہب جتنا دولت مند ہے اس کی مشینری بھی اتنی ہی مضبوط ہے۔ آج گھر واپسی کے نام سے ہندوستان میں ایک تحریک بڑے زور وشور کے ساتھ چل رہی ہے۔ یہ تحریک روپے دیکر مذہب تبدیل کرا رہی ہے۔ جو لوگ غربت کی سطح سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں انھیں جینے کے لیے دو وقت کی روٹی چاہیے۔ وہ روپے لے کر وقتی طور پر اپنا ظاہری لباس، اپنا رنگ و روپ اور اپنی وضع قطع تبدیل کر لیتے ہیں اور بانیانِ تحریک اس وقتی تبدیلی کو اپنی

کامیابی کا نام دے رہے ہیں۔جبکہ انھیں یہ سوچنا چاہیے کہ مذہب پیسے کی بنیاد پر نہیں پھیلتا، مذہب طاقت کی بنیاد پر نہیں پھیلتا۔اگر طاقت کی بنیاد پر، دولت کی بنیاد پر اور ڈلر وریال کی بنیاد پر مذہب پھیلتا تو آج پوری دنیا کو عیسائی ہو جانا چاہیے۔مذہب نہ دولت کی بنیاد پر پھیلتا ہے، نہ طاقت کی بنیاد پر اور نہ ہی اسلحے کی بنیاد پر پھیلتا ہے۔مذہب اگر پھیلتا ہے تو صرف کردار کی بنیاد پر پھیلتا ہے۔دنیا میں جتنے مذاہب ہیں ان کے پاس دولت ہے، طاقت ہے، اسلحے ہیں اور ظاہری تمام مادّی ساز و سامان ہیں مگر ان کے پاس کردار نہیں ہے۔دولت کی بنیاد پر وقتی طور پر سروں کو تو جھکایا جاسکتا ہے، دلوں کو نہیں جھکایا جاسکتا۔اور مذہب کا تعلق دل سے ہے۔اسلام پھیل رہا ہے اور خوب پھیل رہا ہے۔اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اسلام انھیں ممالک میں سب سے زیادہ پھیل رہا ہے جو ممالک اسلام دشمنی میں سب سے آگے ہیں۔اسلام کے پھیلنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس کردار ہے۔

ایک اُمّی نے عرب کا بول بالا کر دیا: اسلام کا آغاز و اظہار مکّہ مکرّمہ سے ہوا۔پیغمبر اسلام ﷺ چالیس سال تک اہلِ مکہ کے سامنے اپنا کردار پیش کرتے رہے۔آپ کی پاکیزگی کردار کو دیکھ کر اہلِ مکّہ آپ کو امین و صادق جیسے القاب سے پکارنے لگے۔ایک روز حضور سید عالم ﷺ کوہِ صفا کی بلندی پر چڑھ گئے اور اہلِ مکہ کو آواز دی۔اہلِ مکہ آپ کی آواز سن کر کوہِ صفا کے دامن میں جمع ہو گئے۔جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم مجھے کیسا سمجھتے ہو؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ امین و صادق ہیں۔جب سب نے آپ کے شخصی فضل و کمال کو تسلیم کر لیا، پھر آپ نے ان پر اسلام پیش کیا۔اہلِ مکہ پہ کفر کی دھول اتنی گہری ہو چکی تھی کہ وہ آپ کی دعوت کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوئے۔لیکن آپ ان سے مایوس بھی نہیں ہوئے۔آپ کا تبلیغی سفر جاری رہا۔لوگ دھیرے دھیرے آپ کے قریب ہوتے رہے اور آپ کی دعوت کو قبول کرتے رہے۔حضور سید عالم ﷺ کے پاس دولت نہیں تھی، ثروت

نہیں تھی اور نہ جنگی ساز وسامان کا ذخیرہ تھا۔آپ کے پاس تسخیر قلوب کا جوسب سے قیمتی سامان تھاوہ آپ کا اعلیٰ وارفع کردار تھا۔اورایک وقت ایسا آیا کہ آپ نے اپنے کردار کی تلوار سے پورے عرب کے کفر کو کاٹ کر رکھ دیا۔آپ کی چند سالہ کوششوں نے اس قوم کو جس کا پیشہ رہزنی،قتل وغارت گری تھا،اسے پوری دنیا کا رہبر ومقتدا بنادیا۔پنڈت ہری چند اختر لکھتے ہیں ؎

ایک اُمّی نے عرب کا بول بالا کردیا
خاک کے ذرّوں کو ہم دوشِ ثریا کردیا
خود نہ تھے جو راہ پر اَوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا

حضور ﷺ کے اخلاق کی خوشبو:حضور سید عالم ﷺ نے دنیا کے سامنے اپنا جو کردار پیش فرمایا ہے اس کی کوئی دوسری نظیر اب تک سامنے نہ آسکی ہے اور قیامت تک نہ آسکے گی۔آپ کے اخلاق وکردار کو دیکھ کر پتھر دل موم کی طرح پگھلنے لگتے تھے۔آپ کے اوصاف میں ایک وصف یہ بھی ہے کہ آپ اپنے سخت دشمن کو بھی بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ معاف فرمادیتے تھے۔مکہ میں ایک ضعیفہ تھی۔اس کا روز کا معمول تھا کہ جب حضور سید عالم ﷺ راستے سے گذرتے تو وہ اپنے گھر کا گردوغبار آپ کے جسم مقدس پر ڈال دیتی۔ایک روز ایسا ہوا کہ ضعیفہ گردوغبار ڈالنے نہیں آئی۔حضور سید عالم ﷺ نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ آج ضعیفہ نہیں آئی۔ایک صحابی نے بتایا کہ یارسول اللہ ﷺ! آج اس کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔حضور سید عالم ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ چلو چل کر اس کی عیادت کرتے ہیں۔آپ اپنے اصحاب کے ساتھ اس کے گھر پہنچ گئے۔ضعیفہ نے حضور سید عالم ﷺ کو اپنے اصحاب کے ساتھ دیکھا تو اس کے ہوش اُڑ گئے۔اس نے سوچا کہ آپ انتقام کے جذبے کے تحت یہاں آئے ہیں۔وہ یوں آپ سے گویا ہوئی کہ یہ عرب کا شیوہ نہیں ہے کہ دشمن بیمار ہوجائے تو اس

سے انتقام لیا جائے۔آپ کو اگر انتقام لینا ہی تھا تو آپ اس وقت آتے جب میں صحت مند تھی۔ضعیفہ کی باتیں سننے کے بعد آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بوڑھی ماں! میں انتقام کی غرض سے نہیں آیا ہوں بلکہ میں آپ کی مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا ہوں۔اتنا سننا تھا کہ ضعیفہ کا کفر ریزہ ریزہ ہوگیا اور وہ آپ کے قدموں پر گری اور کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھ کر اسلام کے دامن میں آگئی۔یہ تھی آپ کے کردار کی خوشبو۔یہی کردار اسلام کے فروغ میں ہمیشہ کلیدی رول ادا کرتا رہا ہے۔اسی طرح کی ایک اور مثال حضرت علامہ سید اولادِ رسول قدسی کی زبان سے ملاحظہ کریں:

بڑھیا چلچلاتی دوپہر میں ریگ زاروں کے سینوں کو چیرتے ہوئے انجام کی پرواہ کئے بغیر کشاں کشاں چلی جارہی تھی،حقیقت تو یہ تھی کہ اسے خود بھی پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں جارہی ہے اور جنگل میں اس ضعیفی میں زندگی کے بقیہ لمحات کیسے گزارے گی۔اس کے سر پر ایک ایسا جنون سوار تھا کہ وہ اپنی منزل سے بے خبر چلی جارہی تھی۔چلتے چلتے اس کے پیر میں سوجن آجاتی ہے،مزید چلنے کی تاب نہیں رہی،پھر بھی وہ اپنی منزل کی جانب بڑھتی جارہی تھی،مشکلات و تکالیف کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ کسی طرح بھی مکہ کی سرحد تک پہنچ گئی،جس وقت وہ سرحد عبور کررہی تھی اس وقت یکا یک اس کا سر بری طرح چکرایا اور وہ نڈھال ہوکر زمین پر گر پڑی۔تھوڑی دیر بعد معاً اس کی نگاہیں ایک شخص پر مرکوز ہوجاتی ہیں جو بدرِمنیر سے بھی زیادہ حسین وجمیل نظر آرہا تھا،جس کے جسم اقدس کی خوشبو سے پوری فضا معطر ہوئی جارہی تھی،اس کے حسن لازوال سے بڑھیا کی نگاہیں خیرہ ہورہی تھیں اور اس کی بھینی بھینی خوشبوؤں سے بڑھیا کو عجیب وغریب اور ناقابل بیان آسودگی مل رہی تھی۔وہ شخص اس کی جانب بڑی تیزی کے ساتھ بڑھتا جارہا تھا۔بڑھیا مسلسل یہ سوچ رہی تھی کہ ہو نہ ہو یہ کوئی فرشتہ ہے،بھلا کوئی انسان بھی اتنا حسین وجمیل ہوسکتا ہے۔اس کی معصومیت بتارہی ہے کہ زمین کا نہیں بلکہ آسمان کا نوری مکین ہے۔بڑھیا کا دل خوشیوں سے لبریز ہو چکا تھا اور وہ مسلسل سوچے جارہی تھی کہ لات وہبل سے اس کی پریشانیاں دیکھی نہیں گئیں،اس لئے

انہوں نے ایک حسین پیکر کو میرے لئے معین و مددگار بنا کر بھیج دیا ہے۔ جوں ہی بڑھیا کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا وہ شخص اس کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا: دادی اماں! آپ بہت شکستہ نظر آ رہی ہیں، آپ کی راہوں میں وہ کون سی رکاوٹیں حائل ہو گئی ہیں جس کی بنیاد پر آپ کے چہرے پر درد و کرب کے آثار نظر آ رہے ہیں؟ بلا تکلف مجھے بتائیے، میں آپ کی ہر ممکن مدد کرنے کو تیار ہوں۔ اس شخص کی رس گھولتی ہوئی آواز بڑھیا کے کانوں سے کیا ٹکرائی اس کے دل کی دنیا میں ایک عظیم تبدیلی رونما ہو گئی۔ اس کے شرک و کفر متزلزل ہو گئے، مگر معاً اس کے سامنے اس کی انا حائل ہو جاتی ہے اور اس کے ضمیر کو ملامت کرتے ہوئے جھنجھوڑتی ہے کہ اے لات و عزیٰ کی پرستار! تجھے اپنے دین کی حفاظت میں کسی بھی شخص کی مدد نہیں لینی چاہئے، یہ تیری غیرت دینی کے منافی ہے۔ جب تو ایک طویل مسافت بذات خود طے کر چکی ہے تو پھر تھوڑی دور کے لئے کسی کے تعاون کا رہین منت ہونا تیری خودداری کے لئے ایک بڑا چیلنج ہوگا۔ فوراً اس کے رویہ میں تبدیلی آتی ہے اور وہ بڑے ہی تیکھے انداز میں بولتی ہے کہ اے شخص! تو اپنی راہ لے، مجھے تیری مدد کی کوئی ضرورت نہیں، میرے لئے لات و عزیٰ سے بڑھ کر کون مددگار ہو سکتا ہے۔ مگر وہ شخص تھا کہ پیہم کہتا جا رہا تھا کہ دادی اماں! اس عالم ضعیفی میں آپ کی پریشانیاں مجھ سے دیکھی نہیں جاتیں، مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی بوری کو اپنے سر پر رکھ لوں اور آپ جہاں فرمائیں گی میں وہاں تک پہنچا دوں گا۔ آپ مجھ سے غیریت کا مظاہرہ کیوں کر رہی ہیں، کیا آپ کو نہیں معلوم کہ نادار و ناتواں کی خدمت کرنے میں مجھے کس قدر لطف ملتا ہے۔ اس شخص نے یہ ساری باتیں اس قدر معصومیت سے کہہ ڈالیں کہ بڑھیا کا دل پسیج گیا اور کہنے لگی: ہاں میں تمہاری مدد لینے کو تیار ہوں۔ اتنا سنتے ہی اس شخص کے دل کی باچھیں کھل اٹھیں، اس کے چہرے پہ سرور و کیف کی قندیلیں روشن ہو گئیں۔ فوراً بڑھیا کی بھاری بھرکم بوری اپنے سر پر اٹھائی اور رواں دواں ہو گیا۔ راستہ بھر بڑھیا اپنی منزل کی نشان دہی کرتی رہی، بالآخر منزل آ ہی گئی، منزل کیا تھی ایک پر دہشت و گنجان بے آب و گیاہ صحرا تھا، بڑھیا نے بڑے انکسار آمیز لہجے میں کہا: بس یہیں میری بوری اتار دو،

اب یہاں کسی کی آواز میرے کانوں سے نہیں ٹکرائے گی۔ جانے وہ اپنے تئیں کیا سے کیا بڑبڑائے جارہی تھی۔ اب وہ شخص بڑھیا سے کہنے لگا: اچھا! اب مجھے اجازت دیجئے، میں چلوں۔ بڑھیا نے کہا ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ تم اپنی محنتوں کا معاوضہ لئے بغیر چلے جاؤ، یہ رہا تمہاری کاوشوں کا ثمرہ۔ اس شخص نے کہا معاف کیجئے گا، میں اپنی محنتوں کا معاوضہ نہیں لیتا، میں نے کوئی محنت کی ہے اور نہ کوئی احسان کیا ہے، یہ تو میرا فرض تھا جسے میں نے نبھایا اور میں پہلے سے بتا چکا ہوں کہ مجھے بے کس و بے بس کی مدد کرنے میں بڑی خوشی میسر آتی ہے۔ اچھا تو میں اب چلتا ہوں، پھر بھی کوئی ضرورت پیش آئے تو مجھے یاد کر لیجئے گا۔ بڑھیا اس حسین پیکر کی اخلاقی قدروں کو دیکھ کر بے پناہ متاثر ہوئی اور بے تابانہ انداز میں کہنے لگی کہ اتنی جلدی بھی کیا ہے، تھوڑی دیر اور بیٹھو، تمہاری باتیں سن کر ذہن ودماغ کو بڑا سکون ملتا ہے۔ اس شخص نے کہا میں کچھ دیر اور بیٹھتا، مگر میرے سر پر دوسری اہم ذمہ داریاں ہیں۔ اچھا میں اب چلتا ہوں۔ بڑھیا نے کہا بیٹے! لات وعزیٰ کی قسم! اب تم سے جدا ہونے کو جی نہیں چاہتا، اگر تم اس قدر مصر ہو تو جاؤ، مگر اس سے پہلے ذرا تم اپنا نام بتاتے ہوئے جاؤ۔

اس شخص کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور کہا: دادی اماں! کاش آپ میرا نام نہ پوچھتیں تو کیا ہی بہتر ہوتا۔ بڑھیا نے کہا: آخر کیوں؟ اس میں کون سی قباحت ہے؟ ارے تمہاری آنکھوں میں آنسو! اگر تم کو میری کسی بات سے تکلیف ہوئی ہے تو میں معذرت خواہ ہوں، مگر ذرا اپنا نام تو بتادو۔ اس شخص نے کہا کہ اگر آپ اس قدر اصرار کر رہی ہیں تو جگر تھام کر سنئے۔ میں وہی ''محمدؐ'' ہوں کہ جس کی خاطر آپ ڈھیر ساری مصیبتوں سے دوچار ہوئیں، اس ضعیفی اور نقاہت کے عالم میں پریشانیوں کا بار اٹھایا، حتّٰی کہ اپنے وطن عزیز مکہ کو خیرباد کہا۔

اتنا سنتے ہی بڑھیا بے ساختہ پکار اٹھی: ارے تم ہی محمد ہو، تم اتنے اچھے ہو تو تمہارا دین کتنا اچھا ہوگا۔ اب تک ابوجہل وابولہب جیسے کمینوں نے تمہارے خلاف میرے اندر بدگمانیاں بھر دی تھیں، نہ جانے کیسی کیسی نازیبا باتیں کہی تھیں، مگر تم تو بالکل برعکس نکلے۔ اب میں اپنے کفر وشرک کی گردن مروڑ کر لات وعزیٰ کی پرستش سے تائب ہوتی ہوں۔ تمہاری

غلامی کا طوق میں گلے میں ڈال کر بصد ناز پڑھتی ہوں کلمہ طیب ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ''

اسلام ظلم وجبر کا قاتل ہے: حضور سید عالم ﷺ نے اپنے اخلاق وکردار کی روشنی میں اپنے اصحاب کی جو جماعت تشکیل دی تھی، اس جماعت سے بہتر جماعت روئے زمین پر سورج کی روشنی نے اب تک نہیں دیکھا ہے۔ یہ جماعت منہاجِ نبوت سے کبھی الگ نہیں ہوئی۔ حضور سید عالم ﷺ نے اپنا جو اخلاق وکردار دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اصحابِ مصطفی ﷺ بھی دنیا کے سامنے اسی اخلاق وکردار کا عکسِ جمیل پیش کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے تھی کہ بہت کم مدّت میں اسلام دنیا کے بیش تر حصوں میں پھیل گیا۔ پوری دنیا ظلم وجبر کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہی تھی۔ اسلام دنیا کو ہر طرح کے ظلم وجبر سے نجات دلانے کے لیے آیا تھا۔ اسلام سے پہلے انسانی مساوات کا بھی کوئی تصور نہیں تھا۔ اسلام نے پہلی بار دنیا کے سامنے انسانی مساوات کا تصور پیش کیا۔ اسلام کے پاس جو فلسفۂ حیات ہے، موت وحیات کا جو پاکیزہ مفہوم ہے اور ایک خدا کا جو مقدس تصور ہے دنیا کے کسی مذہب کے پاس ایسا تصور نہیں ملتا اسلام کل بھی دنیا کی پہلی ضرورت تھی اور آج بھی پہلی ضرورت ہے۔ اور قیامت تک اس کی یہ حیثیت برقرار رہے گی۔

اسلام کے فروغ میں دولت کا کبھی کوئی رول نہیں رہا: اسلام کی یہ ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اسلام کے فروغ میں دولت کا رول رہا ہے مگر دولت کی جو اہمیت اس وقت سے لے کر آج تک دنیا والوں کی نظر میں ہے اسلام نے اس نظر سے دولت کو کبھی نہیں دیکھا۔ حضور سید عالم ﷺ کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ بنائے گئے۔ ان کا پیشہ تجارت تھا۔ مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد بھی وہ کپڑوں کا گٹھر اپنی پیٹھ پر رکھ کر بازار جاتے۔ مسلمانوں نے خلافت کے بعد آپ کے اس عمل کو پسند نہیں کیا۔ آپ نے مسلمانوں سے کہا کہ اگر میں تجارت چھوڑ دیتا ہوں تو میرے جو گھریلو اخراجات ہیں وہ کیسے پورے ہوں گے؟ پھر بیت المال سے آپ کا وظیفہ مقرر ہوا۔ لیکن آپ

نے ضرورت سے زیادہ کبھی بیت المال سے وظیفہ نہیں لیا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال حضرت صدیق اکبر سے مختلف نہ تھا۔ مگر غربت میں کردار کی ایسی بلندی کہ قیصرو کسریٰ جیسی طاقتیں نام سے گھبراتی تھیں۔ اسلام کے فروغ میں ہمیشہ مبلغین کا اہم رول رہا ہے۔ جماعت صحابہ کا ہر فرد اسلام کا پرجوش داعی اور مبلغ تھا۔ صحابہ کے بعد مبلغین کی تعداد میں ہمیشہ کمی ہوتی رہی۔ ابتدائے اسلام میں ہر شخص اپنے منصب اور بساط کے مطابق تبلیغ کے فرائض انجام دیتا تھا۔ بلکہ ان کی ذات خود سراپا تبلیغ تھی۔ لوگ انھیں دیکھ کر اسلام کے قریب ہوجاتے۔ لیکن آج تبلیغ کی ساری ذمے داری علما کے کاندھوں پر آ گئی ہے۔ کل کے مبلغین اگر غریبی میں آسودگی کے مزے لوٹتے تھے تو آج کے مبلغین بھی کم وبیش انھیں احساسات کے حصار میں ہیں۔ آج اسلام کا فروغ اور اس کا تحفظ صرف مدارسِ اسلامیہ سے ہو رہا ہے۔ مدارسِ اسلامیہ کی بقا صرف اور صرف عوامی تعاون پر منحصر ہے۔ عرض ومعروض کا مقصد وحید یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لیکر آج تک اسلام اگر اپنی اصلی اور حقیقی شکل میں موجود ہے تو یہ انھیں بوریہ نشینوں اور دلق پوشوں کی خدمت ومحنت کی برکتیں ہیں، جنھیں آقائے کونین نے الفقرُ فخری کہہ کر سرمدی تمغائے سرور بخش دیا ہے۔ ہمیں اعتراف ہے دولت وامارت نے ضرورت پڑنے پر اسلام کی لرزتی اور لڑکھڑاتی دیوار کو سہارا ضرور دیا ہے، تاہم یہ انھیں ناداروں، ناتوانوں کا جنونِ عشق ہے جو اپنے دوشِ نازنین پر سرمایۂ حیات سجائے جنگل جنگل، وادی وادی، پربت پربت اسلام کے وجودِ نازک کی ہر غم والم سے بے نیاز ہوکر جلوہ نمائی کرتا رہا۔ خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ اسلام غریبوں سے شروع ہوا ہے اور عن قریب غریبوں میں لوٹ جائے گا۔

اسلام غریبوں سے شروع ہوا ہے اور عن قریب غریبوں میں لوٹ جائے گا:

اسلام کی پوری تاریخ اسی حدیث کے محور پر گھومتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ اسلام کے فروغ میں اہلِ ثروت کا رول برائے نام ملتا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی پاکباز شخصیات تاریخ میں خال خال نظر آتی ہیں، جب اسلامی صفوں کا قیام ہوتا ہے تو اہلِ ثروت

پچھلی صفوں میں ہوتے ہیں۔ ان کا اسلامی چہرہ بھی بہت زیادہ صاف وشفاف نہیں ہوتا۔ ان کے سینوں میں دینی درد کو بمشکل جگہ ملتی ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ اسلام طاقت کی بنیاد پر پھیلا ہے، دولت کی بنیاد پر پھیلا ہے، تلوار کی بنیاد پر پھیلا ہے.... یہ اسلام پر ایک بھیانک الزام ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: لا اکراہ فی الدین۔ دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ اہلِ مکہ نے صلح حدیبیہ کی شرطوں میں ایک شرط یہ بھی رکھی تھی کہ ہمارا کوئی آدمی آپ کے یہاں جائے گا تو آپ اسے واپس کردیں گے اور اگر آپ کا کوئی آدمی ہمارے پاس آتا ہے تو ہم اسے واپس نہیں کریں گے۔ جماعت صحابہ میں سے بعض افراد اس شرط کو ماننے پر آمادہ نہیں تھے لیکن جب آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شرط میں چھپی ہوئی حکمتوں کا اظہار فرمایا تو صحابہ کی گردنیں خم ہوگئیں۔ اسلام نے جبری دعوت کی شدت سے مخالفت کی ہے۔ اہلِ مکہ نے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے تھے وہ لائق معافی نہیں تھے مگر جب مسلمان مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام معافی کا اعلان فرمادیا۔ اس طرح کے بے شمار شواہد ہیں جو تاریخ کی پیشانی پر ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔

اسلام کے فروغ میں علما پیش لفظ کی حیثیت رکھتے ہیں: اسلام کے فروغ میں علما، فقہا، محدثین اور صوفیا کی جماعتیں پیش لفظ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ جماعتیں ایسی ہیں کہ آلاتِ حرب وضرب کبھی ان کے ساتھ نہیں رہے، لشکرسازی میں بھی انھیں کبھی دل چسپی نہیں رہی، ان کے درباروں میں کبھی کوئی پہرے دار بھی نہیں دیکھا گیا محلوں کو کبھی انھوں نے رشک بھری نظروں سے نہیں دیکھا اور دولت وثروت کو کبھی انھوں نے مقصودِ زندگی نہیں بنایا۔ بوریہ نشینی ہمیشہ انھیں عزیز رہی۔ ان کے حجراتِ زندگی میں دنیا کو باریابی کی کبھی اجازت نہیں ملی۔ انھوں نے ہمیشہ زندگی برائے بندگی اور بندگی برائے تابندگی کا فلسفہ ہی دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ایسی شخصیات کے زرّیں کارناموں سے تاریخ کے دفاتر بھرے ہوئے ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں خود ہندوستان میں ایسی شخصیات کی ایک طویل فہرست ہے، اگر انسان ان کے دینی، ملّی اور علمی کارناموں کو سمیٹنا چاہے تو درجنوں مجلدات تیار

ہو جائیں۔ذیل میں صرف ایک ذات بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے۔

ہندوستان میں اسلام کے اوّلین داعی: ہندوستان میں جس ذات نے اسلام کو فروغ بخشا اسے سردارِ اولیا، سلطانِ اولیا، عطائے رسول، معینِ بے کساں، خواجۂ خواجگان خواجہ غریب نواز کے نام سے دنیا جانتی ہے۔آپ چالیس رفقا کی ایک جماعت کے ساتھ وارِدِ ہند ہوئے۔آپ کی آمد کے وقت پورا ہندوستان کفر وشرک کی غلاظتوں میں ڈوبا ہوا تھا۔اور اجمیر کفر وشرک کا مرکز تھا۔آپ کو بظاہر ایک بڑی طاقت کے مقابلے میں اُتارا گیا تھا۔آپ کا حریف ہر طرح کی طاقت سے لیس تھا۔زمین اس کی تھی، ماحول اس کا تھا۔حکومت اس کی تھی فوج اس کی تھی۔اس کے فوجی ہر طرح کے جنگی ساز وسامان سے لیس تھے۔ذرائع حمل ونقل پر بھی اس کا کنٹرول تھا۔رعایا اس کے خلاف نہیں جا سکتی تھی۔ادھر غریب نواز کے ساتھ جو جماعت تھی وہ ہر طرح کے ظاہری ساز وسامان سے خالی تھی۔ان کے پاس کھانے، پینے کا بھی ذخیرہ نہیں تھا۔رہنے کے لیے کوئی محفوظ مکان بھی نہیں تھا۔درخت کے سائے میں یہ جماعت پناہ لیے ہوئے تھی۔تاریخ انسانی نے ایسی جنگ شاید کبھی نہ دیکھی ہوگی۔لیکن حیرت اس بات پہ سر نوچتی ہے کہ یہ چالیس افراد پہ مشتمل جماعت ہر فکر سے بے نیاز ہے۔پورا اجمیر آتش فشاں بنا ہوا ہے۔حکومت پہ کپکپی طاری ہے۔تمام طاقت وقوت کے باوجود حکومت سمجھوتے کی کوشش کر رہی ہے۔آپ سے یہ اپیل کی جا رہی ہے کہ شہر چھوڑ دیں مگر آپ شہر چھوڑنے کے لیے کسی بھی حال میں تیار نہیں ہیں۔آپ فرماتے ہیں کہ فقیر حکومت کے لیے نہیں آیا ہے، اقتدار کے لیے نہیں آیا ہے۔دولت کے لیے نہیں آیا ہے۔فقیر کفر کی شاخوں کو جڑ سے اُکھیڑنے کے لیے آیا ہے۔آپ جہاں بیٹھے تھے وہاں سے آپ کو اُٹھا دیا گیا۔آپ آسانی کے ساتھ اُٹھ گئے۔خوراک کی آمد ورفت آپ پر بند کر دی گئی۔آپ کی پیشانی شکن آلود نہیں ہوئی۔آپ پر پانی بند کر دیا گیا پھر بھی آپ کی زبان پہ کوئی حرفِ شکایت نہیں آیا۔ جب رفقا نے شدتِ پیاس کی شکایت کی تو آپ نے اپنے ایک خادم کو اپنا ایک چھوٹا سا کوزا دیا اور فرمایا کہ جا کر آنا ساگر سے کہنا کہ تمہیں معین الدین حسن نے بلایا ہے خادم

آناساگر کے قریب گیا اور غریب نواز کا حکم سنایا، حکم سنتے ہی آناساگر کا سارا پانی اس چھوٹے سے کوزے میں سمٹ آیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ پورے اجمیر کا پانی کوزے میں سمٹ آیا تھا اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ پورے ہندوستان کا پانی آپ کے کوزے میں سمٹ آیا تھا۔ کوزے میں پانی کا سمٹنا تھا کہ حکومت محاصرے میں آ گئی۔ پورا شہر شدتِ پیاس سے تڑپنے لگا۔ مخلوقِ خدا کا ایک ہجوم آپ کی بارگاہ میں فریادی ہوا۔ پانی کا کوزہ اُلٹ دیا، پورا شہر حسبِ سابق پانی سے جل تھل ہو گیا۔ آپ کے عزم و استقلال کے سامنے حکومت قدم قدم پر شکست کھاتی رہی۔ پھر بھی حکومت ہوش کے ناخن نہیں لے رہی تھی۔ اب مخلوقِ خدا آپ کی سمت رجوع ہونے لگی۔ کفر و شرک کی دیواریں متزلزل ہونے لگیں۔ باطل خداؤں کا سحر ٹوٹنے لگا۔ اور ایک وقت ایسا آیا کہ پورا شہر آپ کے قدموں میں سمٹ آیا۔ یہ کیسی جنگ تھی۔ تلواریں نہیں اٹھیں۔ کوئی سر جسم سے الگ نہیں ہوا۔ خون کا ایک قطرہ زمین پر نہیں گرا اور غریب نواز نے جنگ جیت لی۔ جو لوگ یہ الزام لگاتے ہیں کہ اسلام کا فروغ دولت کی بنیاد پر ہوا ہے، طاقت کی بیناد پر ہوا ہے اور تلواروں کے زور پر ہوا ہے۔ ان کے دعوے کے بطلان کے لیے یہی ایک تاریخ کافی ہے۔

حضور غریب نواز نے ہر محاذ پہ حکومت کو شکست دی۔ آخر حکومت کے شکست کے وجوہات کیا تھے؟ اور غریب نواز کی فتح مندیوں کے اسباب کیا تھے؟ حکومت کی شکست کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس کردار نہیں تھا۔ اور غریب نواز کی جیت کی بنیاد ان کا اعلیٰ اخلاق و کردار تھا۔ جیت کے بعد غریب نواز کو حکومت پہ قابض ہو جانا چاہیے تھا لیکن آپ نے حکومت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ آپ ہندوستان حکومت کے لیے نہیں آئے تھے، بلکہ آپ دلوں کو جیتنے کے لیے آئے تھے۔ کفر و شرک کو مٹانے کے لیے آئے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ آپ نے اپنے اخلاق و کردار کی تلوار سے نوّے لاکھ کفر و شرک کے سروں کو اس کے جسم سے الگ کر دیا اور انہیں ایمان و یقین کی روشنی عطا فرمائی۔ آپ نے اجمیر کی فتح کے بعد محلوں کو اپنی قیام گاہ نہیں بنایا بلکہ آپ تا حیات ایک جھوپڑی میں قیام پذیر رہے۔ آپ کی

دعاؤں سے ہزاروں ہزار جھوپڑا باشی محلوں میں پہنچ گئے۔ یہی وہ کردار ہے جس کی بنیاد پر اسلام پھیلا، پھیل رہا ہے اور پھیلتا رہے گا۔

اسلام کی تبلیغ کے بنیادی ذرائع علما: دعوت وتبلیغ کے مختلف ذرائع ہیں۔ ان میں تحریر، تدریس اور تقریر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اور یہ تینوں شعبے علما اور صوفیا سے متعلق ہیں۔ تحریر، تدریس اور تقریر میں سب سے کٹھن اور دشوار شعبہ تحریر کا ہے۔ برسوں کی محنت کے بعد ایک جامع تحریر سامنے آتی ہے۔ تفاسیر میں تفسیر زاہدی کی خاص اہمیت ہے۔ حضرت امام زاہد جو صاحب کشف وکرامات بھی تھے، انھیں تفسیر زاہدی کی تکمیل میں سولہ سال کا طویل عرصہ دینا پڑا۔ دنیا میں جتنی بھی جامع ترین کتابیں ہیں ان کی تاریخ بھی تفسیر زاہدی سے مختلف نہیں ہے۔ مدارس چاہے دینی ہو یا عصری علوم وفنون کے سرچشمے ہوتے ہیں۔ سارے علوم وفنون کا رشتہ مدارس ہی سے ملتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایک اچھا مدرس ہی ایک اچھا محرر اور مقرر ہوتا ہے۔ اس کے باوجود درس وتدریس کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے۔ دنیا میں ہمیشہ ایسے لوگ کم پائے گئے ہیں جو دعوت وتبلیغ کے تمام شعبوں پر بیک وقت حاوی ہوں۔ ایک شخص تحریر میں بڑی مہارت رکھتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ تدریس اور تقریر میں بھی ماہر ہو۔ ایک شخص بہت اچھا مدرّس ہے لیکن تحریر وتقریر کے میدان میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسی طرح ایک شخص تقریر کے میدان میں اپنی مضبوط گرفت رکھتا ہے لیکن تحریر اور تدریس کے شعبے اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ یعنی جن پر ہر فن مولا کی تعریف صادق آتی ہو ایسے لوگ ہمیشہ کمیاب رہے ہیں۔ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے۔۔۔۔ تب جا کر کوئی امام احمد رضا پیدا ہوتا ہے۔

مدارس انسان سازی کے کارخانے ہیں: مدارسِ اسلامیہ انسان سازی اور انسانیت نوازی کے ٹھوس کارخانے ہیں۔ مدارسِ اسلامیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اسلام کو ہر طرح کے مبلغین فراہم کرتے ہیں جو لوگ مدارس کو دہشت گردی کا اڈّہ قرار دیتے ہیں وہ دونوں آنکھوں سے اندھے ہیں۔ کسی دہشت گرد کا تعلق کسی دینی ادارہ سے رہا ہو پوری اسلامی تاریخ میں ایسی

ایک بھی مثال نہیں ملتی۔ آج جو دہشت گرد بظاہر اسلامی وضع قطع میں دیکھے جاتے ہیں ان کا ایک مخصوص فرقے سے تعلق ہے۔ اور اسلام سے اس فرقے کا کوئی رشتہ کبھی نہیں رہا۔ مدارس میں انسان ڈھالے جاتے ہیں۔ ''انسان'' اُنس سے بنا ہے اور اُنس کے معنی محبت کے ہے۔ دنیا کو محبت کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت صرف مدارسِ اسلامیہ پوری کرتے ہیں۔ مدارس سے علاقائی، ضلعی، صوبائی اور عالمی ہر طرح کے مبلغین پیدا ہوتے ہیں۔ انھیں مبلغین میں سید اولادِ رسول قدسؔی کا شمار ہوتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلامی مبلغین کی صف میں ان کی حیثیت کیا ہے؟ دین و شریعت کے حوالے سے ان کے کارنامے کیا ہیں؟ ان کی خدمات کیا ہیں؟ ان کی ترجیحات کیا ہیں؟ اور دین و ملّت پر ان کے اثرات کیا ہیں؟ ان ساری باتوں کو سمجھنے کے لیے ان کی حیات و خدمات اور کارناموں پر ایک اجمالی بحث ذیل میں ملاحظہ کریں۔

حیاتِ قدسی کی بکھری کرنیں: سید اولادِ رسول قدسؔی کی ولادت ۱۹۶۳ء میں بھدرک اُڑیسہ کے ایک روحانیت پسند علمی خانوادے میں ہوئی۔ ان کا تعلق سادات گھرانے سے ہے۔ ان کے جدّ اعلیٰ حضرت سید دیوان شاہ دریا آج سے قریب قریب پانچ سو سال پہلے بغداد معلیٰ سے نقل مکانی کر کے ظفر آباد جونپور تشریف فرما ہوئے۔ پھر اشارۂ غیبی پا کر جونپور سے کٹک ہوتے ہوئے بھدرک آئے اور مستقل طور پر بھدرک ہی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ بھدرک ہی میں وصال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کے مزار سے عوامی عقیدتیں وابستہ ہیں۔

سید اولادِ رسول قدسؔی کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی سید عبد القدوس حبیبی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے وقت کے جید علما میں شمار ہوتا ہے۔ مختلف دینی علوم و فنون پر ان کی گہری نظر تھی۔ تقویٰ و طہارت، حلم و بردباری اور انسان دوستی میں اپنی مثال آپ تھے۔ حبیبی درس گاہ کے تربیت یافتہ افراد میں ان کی امتیازی حیثیت ہے۔ ان کے استاد، مرشدِ اجازت و خلافت اور مربی حضور مجاہد ملت حضرت مولانا مفتی محمد حبیب الرحمٰن قادری رحمۃ اللہ علیہ کو ان پہ بڑا ناز تھا۔ ان کی ذات میں بے شمار خوبیاں تھیں۔ وہ حقیقی معنوں میں مومن تھے۔ آپ کو مفتی اعظم

اڑیسہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ۱۴۱۶ھ۔ ۱۹۹۵ء میں آپ کا وصال ہوا۔ اور بھدرک میں مدفون ہوئے۔

سید اولادِ رسول قدسیؔ نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد مفتی اعظم اڑیسہ حضرت مولانا مفتی سید عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ گھریلو تعلیم و تربیت سے فراغت کے بعد آپ بھدرک کے ایک پرائمری اسکول میں داخل کیے گئے۔ ۱۹۷۹ء میں آپ نے امتیازی نمبر سے میٹرک پاس کیا۔ ۱۹۸۲ء میں بی اے کیا اور ۱۹۸۵ء میں ریونشا کالجیٹ کٹک سے انگریزی میں ایم اے کیا۔ عصری علوم و فنون سے فراغت کے بعد آپ نے مزید دینی علوم و فنون کی تحصیل کے لیے والد ماجد کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ دینی علوم و فنون کا غالب حصّہ آپ نے اپنے والد سے حاصل کیا۔ رسمی طور پر بحکم والد آپ ۱۹۸۸ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے اور ۱۹۹۲ء میں سندِ فضیلت و دستارِ فضیلت حاصل کی۔

سید اولادِ رسول قدسیؔ نے حصولِ علم کے دوران ہی شعر و سخن، تحریر و تقریر، درس و تدریس اور فتویٰ نویسی کا آغاز کر دیا تھا۔ آپ کو ابتدائی عمر ہی سے تحریر و تقریر اور شعر و سخن سے گہرا ذوق تھا۔ آپ کے نعتیہ و غزلیہ کلام اور مضامین و مقالات معیاری دینی و ادبی رسائل میں چھپتے رہے ہیں۔ آپ کا تقریری شعور شروع سے ہی پختہ تھا۔ اس لیے جلد ہی اس میدان میں بھی آپ نے اپنی جداگانہ شناخت بنالی۔ ملک کا بہت کم ایسا خطّہ ہوگا جہاں آپ کی تقریر کا چرچا نہ ہو۔ آپ دلائل کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ آپ کی تقریر سے ہر طبقہ محظوظ ہوتا ہے۔ جامعہ اشرفیہ میں تعلیم کے دوران آپ نے کچھ دنوں تک معین المدرسین کے فرائض بھی انجام دیے۔ اسی زمانے میں علمِ فرائض اور انگریزی ادب سے ذوق رکھنے والے طلبہ آپ سے استفادہ کرتے رہے۔ جامعہ اشرفیہ کے دارالافتا میں فرائض سے متعلق جو سوالات آتے، آپ کو دیئے جاتے اور آپ ان کے جوابات دلائل کی روشنی میں دیتے۔ بیعت و اِرادت کی بھی آپ نے بساط بچھا رکھی ہے۔ بیعت و اِرادت سے بھی آپ کا مقصود دینی قدروں کا فروغ ہے۔ آپ کی دینی و ملّی خدمات کا دائرہ قریب قریب چار دہائیوں پر محیط ہے۔ ان چار

دہائیوں کو اگر تحریر کا قالب دیا جائے تو کئی مجلدات تیار ہو جائیں۔ علوم وفنون کی مختلف شاخوں پہ آپ کی گہری نظر ہے۔ علمِ فرائض میں اپنے معاصرین کے درمیان ہر جہت سے ممتاز ہیں۔ انگریزی زبان وادب میں بھی معاصرین میں کوئی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ علوم وفنون کی جن شاخوں تک ان کی رسائی ہے ان کے معاصرین میں بہت کم لوگوں کی ان شاخوں تک رسائی ہوگی۔ ان کی کتابِ حیات کا ہر ورق محققانہ و ناقدانہ گفتگو کا متقاضی ہے۔ انھوں نے نعتیہ وغزلیہ شاعری کو فن کے اعتبار سے جو عروج بخشا ہے یہ انھیں کا حصّہ ہے۔ اب تک ان کے ایک درجن سے زائد نعتیہ وغزلیہ شعری دواوین زیورِ اشاعت سے آراستہ ہو کر علمی دنیا سے دادِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔ ان کے نعتیہ وغزلیہ فن پہ گفتگو آگے آرہی ہے۔ ذیل میں ان کے نعتیہ وغزلیہ دبستان کے اسماء پیش کیے جاتے ہیں:

قدسی کے شعری دواوین:

انوارِ قدسی سن اشاعت ۱۹۸۶ء ناشر حبیبی کتاب گھر، بھدرک اڑیسہ
گلہائے قدسی سن اشاعت ۱۹۸۵ء دینی کتاب گھر، سورو بالاسور، اڑیسہ
گل ولالہ سن اشاعت ۱۹۹۶ء سید اولادِ رسول قدسی
لب ولہجہ سن اشاعت ۲۰۰۰ء رضا دار المطالعہ، پوکھریرا سیتامڑھی، بہار
لوحِ محفوظ سن اشاعت ۲۰۰۵ء رضا دار المطالعہ، پوکھریرا سیتامڑھی، بہار
خدا نہ خدا سے جدا سن اشاعت ۲۰۱۰ء رضا دار المطالعہ، پوکھریرا سیتامڑھی، بہار
فکرِ مسلسل سن اشاعت ۲۰۱۳ء رضا دار المطالعہ، پوکھریرا سیتامڑھی، بہار
سیرتِ سرورِ دو جہاں منظوم سن اشاعت ۲۰۱۳ء رضا دار المطالعہ، پوکھریرا سیتامڑھی، بہار
رفتہ رفتہ غزلیہ مجموعہ سن اشاعت ۲۰۰۳ء رضا دار المطالعہ، پوکھریرا سیتامڑھی، بہار
تر وتازہ غزلیہ مجموعہ سن اشاعت ۲۰۱۰ء رضا دار المطالعہ، پوکھریرا سیتامڑھی، بہار
لمحہ لمحہ نظموں کا مجموعہ سن اشاعت ۲۰۱۰ء رضا دار المطالعہ، پوکھریرا سیتامڑھی، بہار

سید اولادِ رسول قدسی نے یوں تو تمام اصنافِ شعر وسخن پہ طبع آزمائی کی ہے اور انھیں نئ

نئی جہتوں سے آشنا کیا ہے۔لیکن ان کے شعری دواوین میں جن اصناف کے نمونے بآسانی مل جاتے ہیں، ذیل میں ان کی ایک فہرست ملاحظہ کریں:

قدسی اور اصنافِ شعری:

(۱)حمد (۲)آزادحمد (۳)نعت (۴)غزل (۵)آزادغزل(۶)ہائیکو حمد (۷)ہائیکونعت (۸)ہائیکوغزل (۹)دوہاحمد (۱۰)دوہانعت (۱۱)دوہاغزل (۱۲)منقبت (۱۳)نظم (۱۴)آزادنظم (۱۵)رباعی (۱۶)تکونی (۱۷)مسدّس (۱۸)مخمس۔

مذکورہ اصنافِ شعروسخن کے نمونے یہاں پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن نمونۂ کلام سے مقالہ کافی طویل ہوجائے گا۔جن کو نمونۂ کلام دیکھنے کی خواہش ہو، وہ ان کے شعری دواوین کی طرف رجوع کریں۔ان کے اکثر شعری دواوین مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔جو شعری دیوان مارکیٹ میں نہ مل سکے تو اس کے لیے راقم الحروف سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

قدسی کے نثری فن پارے: سیداولادِرسول قدسیؔ نے جہاں اصنافِ شعروسخن کو اپنی فکری تابشوں سے اعتبار ووقار بخشا ہے وہیں انھوں نے نثری ادب کے میدان میں بھی اپنی موجودگی کا احساس دلایا ہے۔ان کے زیادہ تر نثری شہ پارے ابھی زیورِاشاعت سے آراستہ نہیں ہوئے ہیں۔ان کے خطابات عموماً اردو وانگریزی میں ہوتے ہیں، جو خطباتِ قدسیؔ کے نام سے جلد ہی اشاعت پذیر ہوں گے۔الفاظِ قرآنیہ کی تشریحات کے حوالے سے بھی آپ کئی سالوں سے کام کررہے ہیں۔یہ خالص علمی نوعیت کا کام ہے۔یہ کام بھی کئی جلدوں میں پھیلا ہوا ہے۔الفاظِ قرآنیہ کی تشریحات کے کچھ نمونے ان کے مقالات کا مجموعہ ’’قلم آشنا‘‘ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔آپ ایک ساتھ بہت سارے کام کا آغاز کردیتے ہیں۔نتیجے کے طور پر اکثر تشنۂ تکمیل رہ جاتے ہیں یا تکمیل دیر سے ہوتی ہے نتیجہ میں ان کے قارئین کو انتظار کا کرب جھیلنا پڑتا ہے۔ذیل میں ان کی نثری نگارشات کے اسماء ملاحظہ کریں:

(۱) حیاتِ مفتی اعظم اڑیسہ(قسط اوّل) (۲)حضور مجاہد ملت کا گوشۂ حیات (۳)حضور مجاہد ملت کی استقامت وکرامت (۴)حضرت مفتی اعظم اڑیسہ اپنی کرامات

کے اُجالے میں (۵)علمِ غیب مصطفیٰ (۶) فضائل رمضان المبارک (۷)قلم آشنا (۸) مفتیِ اعظم اڑیسہ اور مسلک اعلیٰ حضرت (۹) بس یہی ہے راہِ جنت (۱۰) دعوت عمل۔

قدسی کی دینی وعصری علوم سے فراغت: سید اولادِ رسول قدسی کی ولادت ۱۹۶۳ء میں ہوئی اور ۱۹۹۲ء میں دینی وعصری علوم سے انھوں نے فراغت حاصل کی۔اس طرح ان کے حصولِ علم کا زمانہ مجموعی اعتبار سے ۲۵،۲۶/سالوں پر محیط ہے۔عصری علوم سے فراغت کے بعد آپ دینی علوم کی طرف متوجہ ہوئے۔آپ ابتدا ہی سے انتہائی ذہین وفطین تھے۔آپ کی ذہانت وفطانت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عام طور پر مروّجہ دینی علوم و فنون کی تکمیل کے لیے کم از کم دس سال کی مدّت درکار ہوتی ہے لیکن آپ نے علومِ دین کی تکمیل صرف چھ سال میں کی ہے یعنی ۱۹۸۸ء میں دینی درس گاہ میں داخل ہوئے اور ۱۹۹۲ء میں آپ سندِ فراغ سے نوازے گئے۔آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جس فن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں بہت کم مدت میں اس فن پہ حاوی ہوجاتے ہیں۔آپ کی زندگی میں اس طرح کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔بعض مشکل علوم کے حصول میں آج بھی آپ کوشاں ہیں۔آپ کے حصولِ علم کا جذبہ کبھی کم نہیں ہوا۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی کے آنگن میں جن علوم وفنون کے چراغ جل رہے ہیں ان کی روشنی کبھی مدھم نہیں ہوئی بلکہ ان کی روشنی میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔آپ مطالعہ میں زیادہ وقت نہیں دیتے مگر جو مطالعہ کرتے ہیں دماغ اسے محفوظ کرلیتا ہے۔درسیات اور دوسرے اضافی علوم وفنون میں آپ کی مہارت کو دیکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کے علوم وفنون کسبی نہیں وہبی ہیں۔آپ کے لیے کوئی موضوع مشکل نہیں ہوتا۔جن علوم وفنون پر آپ کی گہری نظر ہے ذیل میں ان کی ایک فہرست ملاحظہ کریں۔

قدسی کے علوم: (۱)قرآن (۲)تفسیر (۳)حدیث (۴)اُصولِ حدیث (۵) فقہ (۶)اُصولِ فقہ (۷)منطق (۸)فلسفہ (۹)علمِ فرائض (۱۰)علمِ تقابلِ ادیان (۱۱) علمِ توقیت (۱۲)علمِ تصوّف (۱۳) سیرت وسوانح (۱۴) انگریزی ادب (۱۵) حساب (۱۶)شاعری (۱۷)ہندی ادب (۱۸)فارسی ادب (۱۹) علمِ اسماءالرجال (۲۰)اردو

ادب(۲۱) اڑیہ (۲۲) گجراتی۔

قدسی شخص اور شاعر کا موضوعاتی اشاریہ: سید اولادِ رسول قدسیؔ کی شخصیت میں بڑی وسعت و گہرائی ہے۔انھوں نے اپنے دینی،علمی اور لسانی فن پاروں سے اپنے عہد کو متاثر کیا ہے۔انھوں نے تحریر،تدریس،تقریر اور شاعری کے میدان میں اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ان کی حیات و خدمات کی بکھری کڑیوں کو سمیٹنے کے لیے راقم الحروف نے قریب قریب چھ سو صفحات پر مشتمل ''قدسی شخص اور شاعر'' کے عنوان سے ایک کتاب ترتیب دی تھی۔باب قدسیات میں یہ کتاب سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ذیل میں کتاب کا موضوعاتی اشاریہ ملاحظہ کریں:

(۱) مٹھی بھر حروف ۔ محمد رحمت اللہ صدیقی
(۲) قدسی شخص اور شاعر ۔ محمد رحمت اللہ صدیقی
(۳) قدسیؔ کے جدِ اعلیٰ ۔ محمد رحمت اللہ صدیقی
(۴) قدسی کے اظہارات۔ سید آلِ رسول حسنین میاں نظمیؔ
(۵) قدسیؔ کی نعتیہ شاعری کے تشکیلی عناصر ۔ سید محمد اشرف مارہروی
(۶) قدسیؔ کی روایت پسندی ۔ ڈاکٹر کرامت علی کرامتؔ
(۷) جناب قدسیؔ اور ان کی شاعری ۔ مولانا بدر القادری
(۸) قدسیؔ کی نعتیہ شاعری میں تلمیحات ۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
(۹) قدسیؔ کی نعتیہ شاعری ایک تنقیدی مطالعہ ۔ مولانا ملک الظفر سہسرامی
(۱۰) قدسیؔ کی نعتیہ شاعری اکابر ادب کی نظر میں ۔ محمد رحمت اللہ صدیقی
(۱۱) ماورائیت کا نمائندہ قدسیؔ ۔ ڈاکٹر ساحل شہسرامی
(۱۲) قدسیؔ کی نعت نگاری ۔ ڈاکٹر کرامت علی کرامتؔ
(۱۳) گہری بصیرت کا شاعر ۔ ڈاکٹر مفتی مکرّم احمد
(۱۴) علامہ قدسیؔ اور لوحِ محفوظ ۔ مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

(۱۵) قدسی اپنی نعتیہ شاعری کے آئینے میں ۔ مولانا عبدالمالک مصباحی
(۱۶) قدسی کے تخیل کا اظہار نرالا ہے ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری
(۱۷) علامہ قدسی ایک کامیاب شاعر ۔ ڈاکٹر امجد رضا امجد
(۱۸) قدسی بحیثیت ناعتِ رسول ۔ محمد رحمت اللہ صدیقی
(۱۹) قدسی کی نعتیہ شاعری میں تردیدی عناصر ۔ مولانا عبدالمالک مصباحی
(۲۰) قدسی کی نعتیہ شاعری میں حضرت حسن رضا.....۔ مولانا محمد قمرالزماں مصباحی ایم اے
(۲۱) قدسی کی نعت گوئی احادیث کی روشنی میں ۔ محمد رحمت اللہ صدیقی
(۲۲) قدسی کا لب ولہجہ ۔ محمد رحمت اللہ صدیقی
(۲۳) مابعد جدیدیت کا ایک مشکل پسند غزل گو۔ڈاکٹر کرامت علی کرامت
(۲۴) مابعد جدیدیت کا جدید شاعر۔عبدالمتین جامی
(۲۵) قدسی کا رنگِ سخن۔ڈاکٹر طلحہ رضوی برق
(۲۶) سید اولادِ رسول قدسی فکر وفن کے تناظر میں۔مفتی محمد شمشاد حسین رضوی
(۲۷) مہجری آواز کی بازگشت میں تاریخ اور صداقت۔ڈاکٹر خواجہ اکرام
(۲۸) جدید رجحانات کا شاعر قدسی۔ڈاکٹر حفیظ اللہ نیولپوری
(۲۹) فکری مظہریات کا شاعر۔خاور نقیب

قدسی کے شعری دواوین پر ناقدین کے تاثرات: سید اولادِ رسول قدسی کے ایک درزن سے زائد نعتیہ اور غزلیہ دواوین زیورِ اشاعت سے آراستہ ہو کر علما و مشائخ اور ناقدین زبان وادب سے اپنی جداگانہ فنی ولسانی حیثیت منوا چکے ہیں۔ یہاں ان کے شعری دواوین پر جن اہلِ زبان وادب نے تبصراتی نقطۂ نگاہ سے ان کی فنی عظمتوں کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے، ان کی ایک نامکمل فہرست ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

(۱) رفتہ رفتہ ____________ یوسف ناظم

(۲) رفتہ رفتہ ____________ حاذق ضیائی سہسرامی
(۳) رفتہ رفتہ ____________ ندیم صدیقی
(۴) رفتہ رفتہ ____________ پروفیسر محمد سمیع اللہ اسدؔ
(۵) رفتہ رفتہ ____________ محمد عبداللہ رضوی مصباحی
(۶) لوحِ محفوظ ____________ ڈاکٹر ابواللیث جاوید
(۷) لب ولہجہ ____________ ڈاکٹر سراج احمد بستوی
(۸) لوحِ محفوظ ____________ مولانا عبدالمالک مصباحی
(۹) گل ولالہ ____________ محمد رحمت اللہ صدیقی
(۱۰) خدا نہ خدا سے جدا ____________ وصیل خان
(۱۱) فکرِ مسلسل ____________ وصیل خان
(۱۲) تروتازہ ____________ وصیل خان
(۱۳) لمحہ لمحہ ____________ وصیل خان
(۱۴) سیرتِ سرورِ دوجہاں ____________ وصیل خان
(۱۵) سیرتِ سرورِ دوجہاں ____________ مولانا عبدالرزاق پیکر

قدسیؔ کے دواوین کا موضوعاتی اشاریہ:

سید اولادِ رسول قدسیؔ کے شعری دواوین کا ایک موضوعاتی اشاریہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) **گل ولالہ** ____________ صفحات ۲۰۰

تقریظ: سیّد آلِ رسول حسنین میاں نظمی، تعارف ڈاکٹر حفیظ اللہ نیو لپوری
پیش لفظ کرامت علی کرامت، تاثرات علی سردار جعفری ڈاکٹر عنوان چشتی کالی داس گپتا رضا، یوسف جمال، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

(۲) **رفتہ رفتہ** ____________ صفحات ۲۸۸

(۱) مابعد جدیدیت کا ایک مشکل پسند غزل گو، ڈاکٹر کرامت علی کرامت

(۲) عہدِ سب رنگ کا ممتاز شاعر قدسیؔ ۔ ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی
(۳) فکرِ مسلسل ایک تاریخی پیش رفت ۔ سید عطا محی الدین حبیبی
(۴) نعت،غزل اور نظم کا قابلِ توجہ شاعر قدسیؔ ۔ کوثر چشتی، نیو یارک امریکہ
(۵) نئی جہتوں کا نمائندہ شاعر قدسیؔ ۔ امان خاں دل، نیو یارک،امریکہ

سیرتِ سرورِدوجہاں ______________ صفحات ۴۴۴

(۱) سیرت نگاری کے باب میں ایک حسین اضافہ ۔ محمد رحمت اللہ صدیقی
(۲) مقدمہ ۔ ڈاکٹر کرامت علی کرامت
(۳) منظوم سیرتِ سرورِ دوجہاں ۔ شمیم طارق
(۴) عہدِ جدید کا شاعر۔ایک تاثر ۔ ڈاکٹر غلام زرقانی،امریکہ

قدسیؔ کے ساتھ ادبی دنیا کا سلوک: سید اولادِ رسول قدسیؔ ۱۹۸۰ء سے شعر و سخن کے تپتے ہوئے صحرا میں آبلہ پائی کر رہے ہیں۔رواں سال ۲۰۱۵ء میں ان کی شاعری کی عمر قریب قریب پینتیس ۳۵ رسال ہو جاتی ہے۔پینتیس سالوں میں انھوں نے علمی، مذہبی اور ادبی دنیا کو پندرہ ۱۵ شعری بوستان دیے ہیں۔جن میں منظوم سیرت ''سیرتِ سرورِ دوجہاں'' بھی شامل ہے۔''سیرتِ سرورِ دوجہاں'' آزاد نظم کے فارم میں سیرت کے باب میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔اس کتاب پر ان کو جو پذیرائی ملنی چاہیے وہ اب تک نہیں مل سکی ہے۔اس کے کئی بنیادی اسباب ہیں۔یہاں ان کا ذکر مناسب نہیں سمجھتا۔اس تعلق سے ہم ادبی دنیا کے سامنے ایک تفصیلی مضمون پیش کرنے کے لیے ذہن بنا رہے ہیں۔فی الوقت ڈاکٹر وزیر آغا کے ایک مضمون سے دو اقتباس پیش کر کے گزر جانا چاہتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

وزیر آغا کے خیالات

''پچھلے دنوں ایک نجی محفل میں ایک بزرگ نقاد نے کسی تازہ کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔۔۔''میرے لیے اس کتاب کو پسند کرنا ناممکن ہے۔اس لیے کہ یہ تو میرے عقائد ہی کے خلاف ہے۔''اور میں سوچنے لگا

کہ ادب کی پرکھ کے سلسلے میں اگر عقیدہ کو کسوٹی مقرر کیا جائے تو اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔''

اپنے مضمون کے اخیر میں انھوں نے لکھا ہے کہ

''اگر نقاد اپنے کسی عقیدے کے تحت ادب کو پرکھنے کی کوشش کرے اور ہر اس ادب پارے کو گردن زدنی قرار دے دے جو اس کے عقیدے کے مطابق نہیں تو پھر ادب کا خدا ہی حافظ ہے۔''

(تنقید واحتساب۔ ماخوذ پیغامِ رضا، امام احمد رضا نمبر ۱۹۹۶، ص ۱۵۴)

ڈاکٹر امجد رضا کے خیالات:

''بدقسمتی سے ہمارے مؤرخین وناقدین ادب بھی اردو ادب کی تاریخ مرتب کرتے وقت عصبیت کا شکار ہو گئے اور انھوں نے عقیدے کی عینک لگا کر اردو ادب کی تاریخ لکھی۔ اس سنگین جرم سے جہاں تحقیق وتنقید اور تاریخ نویسی کا دامن مجروح ہوا وہیں ہماری ادبی تاریخ بھی مشکوک ہوگئی۔ نتیجتاً تحقیقی اُصول وضوابط کی روشنی میں اب نئے سرے سے اردو کی ادبی تاریخ پر نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے۔ فن کوئی بھی ہو اس کے مقتضیات کی پاسداری ضروری ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو فنکار کا وہ تخلیقی عمل گردن زدنی ہوگا۔ تاریخ نویسی بھی ایک فن ہے جو انصاف ودیانت کا متقاضی ہے اور یہ تقاضا اس وقت اور بھی شدید ہو جاتا ہے جب مؤرخ کے سامنے اس کے مخالف وحریف کی شخصیت ہوتی ہے اور اسے نفس کے اُبھرتے جذبات کو دبا کر فنی اور اخلاقی قدروں کو بحال کرنا ہوتا ہے۔''

(پیغام رضا، امام احمد رضا نمبر ۱۹۹۶ء، ص ۱۵۵)

سیرت سرور دو جہاں، یہ بکثرت اہل زبان وقلم اور ناقدین زبان وادب کے مثبت خیالات وتاثرات آئے ہیں جو سیرت سرور دو جہاں ایک مطالعہ کے نام بہت جلد زیور اشاعت سے

آراستہ ہوکر منظر عام پر آنے والے ہیں ذیل میں کچھ دانشوروں کے تاثرات ملاحظہ کریں۔

حضرت مولانا قمرالحسن بستوی، ہیوسٹن امریکہ

سیرتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتسلیم پر ہر دَور میں لکھا جاتا رہا ہے اور لکھا جاتا رہے گا۔ نظم ونثر دونوں میں کام ہوا ہے اور ہر متمدن زبان میں ہوا ہے۔ اردو کی عمر دیگر زبانوں کی بہ نسبت چونکہ کم ہے اس لیے اس میں اسی لحاظ سے کام ہوا ہے۔ تاہم اگر تناسب کا جائزہ لیا جائے تو میری دانست میں اردو میں کام کی رفتار بہت تیز ہے۔ نظم میں ابوالاثر حفیظ اثرؔ جالندھری صاحب نے ''یادِ ایام'' المعروف بہ ''شاہ نامۂ اسلام'' جیسی یادگار نشانی چھوڑی۔ اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اس کو جتنی پذیرائی ملی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ رزم و بزم ہر جگہ اس کا غلغلہ بلند ہوا۔ مگر حفیظ جالندھری صاحب نے اس کو قدیم طرزِ سخن پر پابند نظم میں بحرِ ہزج مثمن سالم میں رقم کیا ہے۔ یقیناً یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

مولانا سید اولادِ رسول قدسیؔ ایک طبع زاد شاعر ہیں۔ تقریباً تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پوری سیرتِ طیبہ کو آزاد نظم میں رقم کرنے کا عزم رکھتے ہیں، سیرت سرورِ دوجہاں اس کا پہلا حصہ ہے۔ حفیظ جالندھری صاحب نے صرف حضور کی حیات کے ان گوشوں کو نظمایہ ہے جو غزوات وسرایا سے متعلق ہیں۔ اسی وجہ سے ''شاہ نامہ اسلام'' حصہ چہارم جو غزوۂ احزاب (خندق) تک ہے صرف رقم کیا جاسکا ہے۔ مگر قدسی صاحب نے حیاتِ اقدس کے تمام گوشوں کا اِحتوا کرنے کا عزم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اِس حسنِ ظن کو عملی جامہ پہنادے۔

آزاد نظم کے اسلوب میں اسوۂ حسنہ کا یہ شعری سفر مترنم، مسلسل، مربوط اور رواں دواں بھی ہے۔ جیسے کوئی خوب صورت آبشار سنگلاخ چٹانوں سے پھوٹ کر نکلتا ہے اور لذتیات کی پوری توانائی کے ساتھ بہتا رہتا ہے۔ اس مخصوص اسلوب میں رقم کیا جانے والا میری دانست میں قدسی صاحب کا یہ پہلا شاہ کار ہوگا۔ اور یہ آزاد نظم میں سیرتِ نبوی رقم کرنے والوں کے

میرِ کارواں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ قدسی صاحب کو اس کا اجر عطا فرمائے اور اس کاوش کو مقبولیت عامہ عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

پروفیسر انوار احمد زئی پاکستان۔

اب تھوڑی سی بات نظم کی بھی ہو جائے اور اس ضمن میں ''فکر مسلسل'' میں قدسی کی نظموں کے مسودے ''لمحہ لمحہ'' پر نہایت خوبصورت اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی نے اُردو نظم کی اساسی منزل کا ذکر کیا ہے۔ مگر میرے سامنے اس وقت قدسی صاحب کی منظوم سیرت ہے ''سیرت سرورِ دو جہاں'' جو دراصل پابند نظم کی محدودات سے ماوریٰ نظم معریٰ یا نظم غیر پابند یا نظم آزاد میں ہے یقیناً نثری نظم میں نہیں ہے۔ قدسی صاحب نے اس صنف کو جس خوبی سے برتا ہے اسے دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ سیرت نگاری کے لئے جس فکری، ایمانی، تاریخی اور محاکاتی بہاؤ کی ضرورت تھی وہ اس اسلوب سے پوری ہو سکتی تھی۔ تاہم جو بات ہمارے پیش نظر رہنی چاہئے وہ یہ ہے کہ یہ تاثر شاید درست نہیں کہ اُردو ادب میں صنف نظم کا ملنا ''مغربی ادب سے آئی ہے۔ یہ تاثر دراصل نظم کے اتحادِ ثلاثہ یا شعری مثلث کے حامل تین شاعروں کے حوالے سے پیدا ہوا ہے یعنی الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی اور محمد حسین آزاد۔۔۔۔۔۔۔ ان تینوں کو اُردو نظم کا سرخیل مثلث کہا جاتا ہے اور یہ بھی اس لئے کہ ان تینوں سے بیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی عشرے میں گورنمنٹ پنجاب بک ڈپو کے تحت مرتب ہونے والے مغربی ادب کے خزینوں کے اُردو تراجم کی زبان کی درستی کرتے ہوئے ان کی فکر سے یہی کشید کیا تھا اس لئے انہوں نے اُردو شعری مزاج کو رنگِ نو دینے اور انتقادی اصولوں کو وضع کرنے کے لئے مقدمہ شعر و شاعری، شعر العجم اور آبِ حیات کی تخلیقات کے سامان کئے تھے جبکہ سچ یہ ہے کہ ان کی نظم گوئی سے بہت پہلے نظیر اکبر آبادی نے اُردو کے خزینے میں اپنی بے پناہ نظموں کے نمونے ڈال دیئے تھے اس طرح وہ اپنے رنگ کے موجد بھی تھے اور خاتم بھی۔ آدمی نامہ اور بنجارہ نامہ، برسات کی بہاریں اس کا ثبوت ہیں اس لئے ہم اس صنف کے مقلد بننے کی بجائے موجد کہلوائیں تو مناسب ہے۔

قدسی صاحب کا اصل مزاج غزل کا ہے۔مگر جب ایمانیات کی مقناطیسیت کے سامنے آئے تو قدرت نے ان سے منظوم سیرت نگاری کا وہ کام لے لیا جس کی مثال اس اہتمام کے ساتھ پہلے نہیں ملی۔

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی، مالیگاؤں:

منظوم سیرت نگاری کے میدان میں قدسؔی سے پہلے بھی کئی شعرا نے اپنا نقش مرتب کیا ہے۔ اُن کی یہ کاوشیں پابند شاعری پر مبنی ہیں ، جب کہ قدسؔی نے ''سیرتِ سرورِ دوجہاں'' میں آزاد نظم کی ہیئت کو استعمال کر کے سیرت نگاری کے باب میں ایک بالکل نیا اور منفرد اضافہ کیا ہے۔اس مقام پر یہ کہنا بے جا معلوم نہیں ہوتا کہ آزاد نظم کی ہیئت اور ٹیکنک میں منظوم سیرت نگاروں میں اولیت کا سہرا قدسؔی کے سر ہی سجایا جائے گا۔

قدسؔی کی یہ کاوشِ جمیل ''سیرتِ سرورِ دوجہاں'' (اول) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ طیبہ سے لے کر جنگ خندق تک کے اہم واقعات کو محیط ہے۔ ۴۴۴ رصفحات پر پھیلے ہوئے سیرتِ طیبہ کے اس منظوم گلدستے کے مطالعہ کے بعد کہیں بھی تشنگی کا احساس نہیں ہوتا۔قدسؔی نے بعض دیگر سیرت نگاروں کی طرح سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمودہ اختیارات وتصرفات کو بیان کرنے سے گریز نہیں کیا ہے۔ بلکہ انھوں نے مبدءِ فیاض کے بخشے ہوئے اپنے علم وعمل اور عشق کو مخلصانہ انداز میں استعمال کرتے ہوئے ''سیرتِ سرورِ دوجہاں'' کو عقیدے وعقیدت دونوں کا مکمل طور پر آئینہ دار بنایا ہے۔ قدسؔی نے اس بات کا بھر پور خیال رکھا ہے کہ ''سیرتِ سرورِ دوجہاں'' کا مطالعہ کرنے والا کسی بھی مقام پر شک وریب میں مبتلا نہ ہو،جیسا کہ بعض سیرت نگاروں کی کتب پڑھنے کے بعد ہوتا ہے۔قدسؔی نے نعت نگاری کے اہم موضوع یعنی دشمنانِ رسول (ﷺ) کی مذمت و ہجو سے بھی اپنی کتاب کو سجایا ہے جو آپ کی خوش عقیدگی کا مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی گہری مسلکی وابستگی و پیوستگی کا اظہار یہ بھی ہے۔جاننا چاہیے کہ حضرت حسان ابن ثابت رضی

اللہ عنہ کی ''نعت گوئی کے نقطۂ آغاز'' کا پس منظر ''دشمنانِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ہجو یہ اشعار '' کا جواب دینا ہی تھا۔ اس اعتبار سے قدسؔی نے سیرت کے بیان میں ''سنتِ حسان'' کو اچھوتے انداز میں برتنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

قدسؔی کے کلام کا اجمالی اشاریہ: ادبی دنیا ہو یا مذہبی دنیا ہر جگہ تعصب، تنگ نظر اور اقربا پروری کی جڑیں بہت گہری ہو چکی ہیں۔ اس لیے کسی بھی فن، فن کار اور فن پارے کو اس کا جائز حق نہیں مل پا رہا ہے۔ قدسؔی کی شعری، فنی اور لسانی عظمتوں کو سمجھنے کے لیے ان کے کلام کا ایک اجمالی اشاریہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) انوارِ قدسی--------- نعتیں ۵۰ / عدد

(۲) گلہائے قدسی------ نعتیں ۵۰ / عدد

(۳) گل و لالہ-------- نعتیں ۱۰۰، حمد ۲، مناقب ۱۸، نظمیں ۱۰، رباعیات ۴

--------- نعتیہ ہائیکو ۱۵، سلام ۳

(۴) لوحِ محفوظ------- نعتیں ۱۰۵، حمد ۱، نعتیہ ہائیکو ۴۶

(۵) لب ولہجہ--------- نعتیں ۹۵، حمد ۱، نعتیہ ہائیکو ۲۲، منقبت ۱

(۶) خدا نہ خدا سے جدا-------- نعتیں ۱۰۰ / عدد

(۷) فکرِ مسلسل--------- نعتیں ۴۰، حمد ۱، مناجات ۱، دوہا نعت ۴، نعتیہ نظم ۱

(۸) رفتہ رفتہ (غزلیہ مجموعہ)--------- غزل ۱۳۱، حمد ۲، نعت ۱، آزاد غزل ۲،

--------- غزلیہ ہائیکو ۲۰، تکونی ۱

(۹) تر و تازہ--------- غزل ۵۱، دوہا غزلیں ۱۹، دوہا حمد ۱

(۱۰) لمحہ لمحہ (نظموں کا مجموعہ آزاد و پابند)--------- آزاد و پابند نظمیں ۵۸

(۱۱) سیرتِ سرورِ دو جہاں (منظوم جلد اوّل)--------- ۱۰۴ / عناوین

حمد، ہائیکو حمد، دوہا حمد، مناجات، نعت، دوہا نعت، ہائیکو نعت، غزل، آزاد غزل، آزاد نظم، پابند نظم، رباعیات اور تکونی وغیرہ کی مجموعی تعداد قریب قریب ۸۵۳ / ہوتی ہے۔ اگر

اس میں سیرتِ سرورِ دو جہاں کے عناوین بھی شامل کر دیے جاتے ہیں تو کلام کی تعداد ہزار کے قریب ہو جاتی ہے۔ قدسی کے چار شعری مجموعے زیر ترتیب ہیں بلکہ ترتیب کے مراحل طے کر چکے ہیں، منتظر اشاعت ہیں۔ ان چار مجموعوں میں کلام کی تعداد ۵۰۰ر سے زائد ہے۔ اس طرح ان کے کلام کی ٹوٹل تعداد ۱۵۰۰ر تک ہو جاتی ہے۔ ۱۵۰۰ر کو اگر دس سے ضرب دیں تو اشعار کی تعداد ۱۵۰۰۰ر ہو جاتی ہے اور مزید امکانات روشن ہیں۔

سید اولادرسول قدسی کے نثری و شعری فن پارے انہیں اہل زبان وقلم کی بھیڑ میں امتیاز وانفرادعطا کرتے ہیں ان کے ہاں لفظوں کے برتنے کا جو شعور ہے آج کی اردو بستیوں میں اس کی مثال بہت کم نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری کا ہر پلا اپنے اندر جدت وانفرادیت لئے ہوتا ہے۔ زورگوئی میں بھی وہ لفظ ومعنیٰ کے چہرے پر کسی طرح کا گردوغبار آنے نہیں دیتے اردو زبان وادب کے مستند جادو بیان ان کی شعری عظمت ورفعت اور فنی ولسان بلندی کے معترف ہیں ذیل میں حقانی القاسمی اور ڈاکٹر کرامت علی کے تاثرات پیش ہیں۔

قدسی کے کلام کی فنی ولسانی حیثیت:

''اردو کی غزلیہ شاعری جن مخصوص لفظیات وفکریات میں محصور ہے قدسی کی شاعری محصوریت کے اس احساس سے باہر نکالتی ہے کیوں کہ ان کی غزل میں لفظیات کو برتنے کی تکنیک یا منطق عمومیت سے ماوراہے۔ لفظوں کے لمسی حصار میں قید رہنے والے ان کی شاعری کے مفہوم سے ناآشنا رہیں گے یا اس کے خارجی مفہوم میں ہی اُلجھ کر رہ جائیں گے۔ داخلی مفاہیم تک ان کی رسائی نہیں ہو پائے گی کہ قدسی نے لفظوں کی داخلیت پر اپنی فکر کو مرکوز کیا ہے اور لفظوں کی داخلی منطق میں معانی اور مفاہیم کی نئی جہتیں تلاش کی ہیں۔ قدسی کی تخلیقی انفرادیت کے لیے کسی ناقد کی گواہی کی ضرورت نہیں۔ تخلیق ثبوت کے لیے کافی ہے کہ ان کی تخلیق میں انفرادیت کے سارے نقوش و رُموز روشن ہیں۔ ان کے موضوعات میں بھی انفرادیت ہے جو روزمرّہ کے

ہوتے ہوئے بھی مختلف جہتیں لیے ہوئے ہیں۔''

قدسی کی شاعری کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ Cryptomnesia سے پاک ہے۔ دوسروں کے خیالات کو شعوری طور پر من وعن نہ انھوں نے قبول کیا اور نہ ہی اس پر اپنی فکر کی عمارت کھڑی کی، جبکہ آج کی شاعری میں یہ وبا عام ہے۔

قدسی کی شاعری میں ایک بڑی بات یہ بھی ہے کہ ان کے ہاں جستجو کا عنصر زندہ ہے۔ وہ اپنی شاعری میں ''مقامِ شوق'' کی تلاش میں مضطرب نظر آتے ہیں۔ ممکناتِ زندگی کی جستجو، جہاں کے جوہر مضمر کی تلاش کی وجہ سے قدسی کی لے بھی الگ ہوگئی ہے اور نے بھی۔

سید اولادِ رسول قدسی نے شاعری میں اپنے تخیلات کو نئی سمتیں عطا کی ہیں اور یہی نئی سمتیں ان کا تخلیقی شناخت نامہ ہیں۔''

(تر وتازہ، ص ۲۳، رضا دار المطالعہ، پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار ۲۰۱۰ء)

قدسی کی غزلیہ شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر کرامت علی کرامت لکھتے ہیں:

اکثر دیکھا گیا ہے کہ غالب کی طرح جس شاعر کی شاعری کا آغاز پیچیدہ اور ژولیدہ اندازِ بیان سے ہوتا ہے، زندگی کے پختہ تجربات کے ساتھ ساتھ اس کے شعر میں وارفتگی، سبک روی اور سادگیِ بیان پیدا ہو جاتی ہے۔ قدسی کی غزلیہ شاعری بھی اپنے ابتدائی دور کی پیچیدہ علامتی طرزِ اظہار کے حصار سے نکل کر زیرِ نظر مجموعۂ کلام میں سادگیِ اظہار، والہانہ پن اور ازخود رفتگی کی کھلی فضا میں سانسیں لیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ امر بذاتِ خود موصوف کی ذہنی بیداری کا پتہ دیتے ہوئے ان کی فکری وفنی ارتقا پر دلالت کرتا ہے۔ اس مجموعے میں جو چیز میرے لیے خاص طور پر مرکزِ توجہ بنی، وہ ہے ''دوہا غزل'' کا تجربہ۔ قدسی کے صنفِ دوہا کے اختلافِ بحور واوزان سے اپنے آپ

کو دور رکھ کر اس صنف کے مقبولِ عام وزن ''فعلن فعلن فاعلن ، فعلن فعلن فاع'' کو اپنی دوہا غزلوں کے لیے اپنایا ہے۔ ان کی دوہا غزل کا مطلع تو بہر حال دوہا ہی ہوتا ہے لیکن دیگر اشعار دوہا کے وزن میں کہے گئے غزل کے شعر ہوتے ہیں۔ گزشتہ چند سالوں میں اردو اور ہندی کے متعدد شاعروں نے دوہا غزل پر طبع آزمائی کی ہے لیکن قدسؔی کی دوہا غزلوں میں ان کی ایک نرالی آواز سنائی دیتی ہے، جو سب سے الگ تھلگ ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ان کی دوہا غزلوں کا رنگ و آہنگ ان کی دیگر غزلوں کے رنگ و آہنگ سے قدرے مختلف ہے۔ ان دوہا غزلوں میں موضوع کا تنوع ہے اور عمرِ گریزاں کے وسیع تجربات کا نچوڑ بھی۔ میں قدسؔی کے زیرِ نظر دیوان کو اس کے چونکانے والے تیور کی وجہ سے اردو شاعری کے سرمائے میں ایک قابلِ قدر اضافہ سمجھتا ہوں۔ امید ہے کہ ادبی حلقوں میں اس کتاب کی جائز پذیرائی ہوگی۔''

(تر و تازہ، ص ۱۳، ۱۴، رضا دار المطالعہ، پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار ۲۰۱۰ء)

قدسؔی پر مذہبی و ادبی رسائل کے گوشے: سید اولادِ رسول قدسؔی کے نثری و شعری فن پارے ہند و پاک کے معیاری مذہبی و ادبی رسائل کی زینت بنتے رہے ہیں۔ امریکہ اور کناڈا کے اخبار و رسائل میں بھی وہ چھپے ہیں اور چھپ رہے ہیں۔ ممبئی کی سرزمین پر ۲۰۰۵ء میں ان کی مذہبی و ادبی حیثیت کے اعتراف میں ایک سیمینار بھی ہو چکا ہے، جس میں ملک کے مشاہیر اہلِ زبان و قلم نے شرکت کی تھی اور اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ سیمینار میں جو مقالات پیش کیے گئے تھے ان کی کتابی شکل میں اشاعت ہو چکی ہے۔ ملک کے کچھ معیاری رسائل میں ان پہ خصوصی گوشے کی بھی اشاعت ہوئی ہے۔ جن رسائل میں ان پہ گوشے چھپے ہیں ذیل میں ان کے اجمالی اشاریے ملاحظہ کریں:

پیغامِ رضا، ممبئی

پیغامِ رضا ممبئی، خصوصی شمارہ ۲۰۰۵ء، مدیر اعلیٰ محمد رحمت اللہ صدیقی

نعت پاک--------------------سید اولادِ رسول قدسیؔ
غزل----------------------سید اولادِ رسول قدسیؔ
تاثرات--------------------- شمس الرحمٰن فاروقی، علقمہ شبلی، ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ، ڈاکٹر مفتی مکرم احمد، مولانا شمس الہدیٰ مصباحی، مولانا ظفر قادری، حفظ الاسلام صدیقی
مقالات----------------------
قدسی شخص اور شاعر-------------- محمد رحمت اللہ صدیقی
مابعد جدیدیت کا ایک مشکل پسند غزل گو------------ڈاکٹر کرامت علی کرامتؔ
قدسیؔ کی نعتیہ شاعری کے تشکیلی عناصر ------------ سید محمد اشرف
قدسیؔ کی نظم نگاری------------ عبد المتین جامیؔ
ماورایت کا نمائندہ قدسیؔ------------ڈاکٹر ساحل سہسرامی علیگ
قدسیؔ اپنی نعتیہ شاعری کے آئینے میں------------ مولانا عبد المالک مصباحی
قدسیؔ کی نعتیہ شاعری میں حسن رضا بریلوی کا فکری جمال---------مولانا محمد قمر الزماں مصباحی
قدسیؔ کی نعتیہ شاعری میں فکرِ رضا کی شعاعیں------------ محمد رحمت اللہ صدیقی
فکری مظہریات کا شاعر قدسیؔ------------ خاور نقیب
تبصرے ------------
یوسف ناظم، محمد رحمت اللہ صدیقی، ڈاکٹر سراج احمد بستوی، محمد عبد اللہ رضوی مصباحی، خاور نقیب، مولانا محمد قمر الزماں مصباحی

پیغامِ رضا کا یہ خصوصی شمارہ عالمِ اسلام کی آفاقی شخصیت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ اور ترجمانِ مسلکِ اعلیٰ حضرت سید اولادِ رسول قدسیؔ کی دینی، ملّی اور شعری خدمات پر تحقیقی پیش کش کے عنوان سے آیا تھا۔

اس شمارے میں راقم الحروف نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ

اور سید اولادِ رسول قدسیؔ کی دینی، ملّی اور شعری خدمات کے اعتراف میں جو خیالات پیش کیے ہیں، اس کی ایک جھلک ذیل میں ملاحظہ کریں:

''پیغامِ رضا کا یہ خصوصی شمارہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ اور ترجمانِ مسلکِ اعلیٰ حضرت سید اولادِ رسول قدسیؔ کی دینی، ملّی اور شعری خدمات کے اہم گوشوں پر مشتمل ہے۔ اردو نعت نگاروں میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کو امام کا درجہ حاصل ہے۔ آپ نے نعتیہ ادب کو ہر اعتبار سے وقار بخشا ہے۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ جو تحریکیں فنِ نعت کے فروغ میں مصروف ہیں وہ مسلسل امام احمد رضا بریلوی کو نظر انداز کر رہی ہیں۔ ان کی اس روش کو کسی بھی زمانے میں سندِ اعتبار نہ مل سکے گی۔ ان تحریکات کو اپنے ترتیب شدہ منصوبے پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی بھی فن کار کے فن کو عقیدے اور مسلک کی بنیاد پر پرکھنا غیر اُصولی عمل ہے۔ ایسے عمل کی پُر زور طریقے سے حوصلہ شکنی کی جانی چاہیے۔

ترجمانِ مسلکِ اعلیٰ حضرت سید اولادِ رسول قدسیؔ کا علمی قد بہت بلند ہے۔ انھوں نے شعر و سخن کے میدان میں اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ ناقدین زبان و ادب نے انھیں ادبی دنیا کا قیمتی سرمایہ قرار دیا ہے۔ نعتیہ اور غزلیہ ادب میں ان کی پیش رفت محمود و مستحسن ہے جسے ہر زمانے اور ہر عہد میں سندِ قبولیت ملتی رہے گی۔ قدسیؔ نے نعت گوئی کا بالغ شعور امام احمد رضا بریلوی سے حاصل کیا ہے۔ ان کے نعتیہ سرمائے پر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے افکار کا عکس بہت گہرا ہے۔ قدسیؔ کے شعری اظہارات کا اگر سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو نصف سے زائد حصّے پر فکرِ رضا کی پاکیزہ شعاعیں موتیوں کی طرح بکھری ہوئی ملیں گی۔ وادیِ نعت میں انھوں نے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کو چراغِ راہ بنایا ہے۔ خود فرماتے ہیں:

قدسیؔ ہوں اس رضا کے درِ پاک کا گدا ۔۔۔ سیکھی ہے جس نے نعت خدا کی کتاب سے

رضا کے فیض و کرم سے کلامِ قدسیؔ میں ۔۔۔ بلند و بالا خیالات دیکھتے رہیے

پیغامِ رضا کی خصوصی اشاعت اور اس میں گوشۂ قدسیؔ کی شمولیت پر حضرت مولانا عبدالمالک مصباحی کا ایک تاثراتی خط ذیل میں ملاحظہ کریں:

ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گذرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

اعلیٰ حضرت مجد دِدین وملت امام اہلِ سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی آفاقی شخصیت کے تعارف کا دل کش مجموعہ ''پیغامِ رضا'' فردوسِ نظر بنا۔مجلہ صوری ومعنوی ہر دو اعتبار سے آپ کی بے پناہ کدوکاوش اور جدوجہد کا بین ثبوت ہے۔''افکارِ رضا'' کی نشرو اشاعت میں آپ جس دل جمعی سے لگے ہیں یہ آپ ہی کا نصیبہ ہے۔اور میں تو اسے بارگاہِ رضا میں قبولیت کی علامت سمجھتا ہوں۔مولیٰ کرے شوقِ طلب اور ہوزیادہ۔

نیز اس مجلہ میں آپ نے جو جدید پیش کش کی ہے وہ آپ کی کشادہ ظرفی اور بالغ نظری کی دلیل ہے۔اس سے میرا اشارہ سیاحِ یورپ وایشیا مفکرِ ملت حضرت علامہ سید اولادِ رسول قدسیؔ مصباحی کے تعارفی گوشہ کی طرف ہے۔اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ عصرِ حاضر میں علامہ قدسی ملک و بیرونِ ملک ہر جگہ مسلکِ رضا کی ترویج واشاعت میں ہمہ تن مصروف ہیں بلکہ ان کی تقریر وتحریر اور شب و روز سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلکِ رضا کا فروغ ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔مختلف انداز وزبان میں تعلیماتِ رضا کی تشہیر ان کا مقصدِ حیات ہے۔اس اعتبار سے قدسیؔ اس دور میں بڑے مہتم بالشان اور لائق توجہ ہیں۔ویسے بھی ان کی شخصیت بڑی جامع اور تہہ دار ہے۔وہ اپنی ذات میں وحدت میں کثرت کا بہترین نمونہ اور اپنے آپ میں ایک ہشت پہلو انجمن ہیں۔ان کی سدا بہار شخصیت مایوسیوں کے اس دور میں صبحِ اُمید کی ایک نور افشاں کرن ہے۔ایسے افراد کی شخصیت اور ان کی خدمات کو اُجاگر کرنا اور پھر امام احمد رضا کے حوالے سے ان کا تعارف کرانا اہلسنّت و جماعت میں احسان شناسی کی ایک جدید داغ بیل ڈالنا ہے اور اس کا مشکبار سہرا آپ کے سر جاتا ہے۔

مرنے کے بعد قبر کو سنگِ مرمر کا حسین مرقع بنانا تو عام روش ہے لیکن زندگی میں اعتراف وخدمات کے طور پر کسی کو شیش محل عطا کرنا شاذ و نادر ہے۔آپ نے زندگی ہی میں شیش محل عطا کرنے کا فریضہ انجام دیا ہے۔جو یقینا لائق ستائش اور قابلِ مبارک باد

ہے۔ جماعتی اعتبار سے آپ کی یہ پیش قدمی بڑی گراں قدر اور روشن مستقبل کی غمّاز ہے۔ جمود و تعطل اور نفسا نفسی کے ماحول میں اس قسم کے تجربات ایک بار تو دردِ سر بنتے ہیں مگر ایسی کلفتیں درحقیقت ایک حسین اور باوقار مستقبل کی خشتِ اوّل ثابت ہوتی ہیں۔

مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں آپ کو حوصلہ اور استقامت عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین

ادبی مجلہ ترویج کٹک کا گوشہ:

ترویج ترتیب وار ادبی مجلّہ کٹک اڑیسہ ستمبر ۲۰۰۸ء مدیر: خاور نقیب

پیغامات: ڈاکٹر حفیظ اللہ نیو لپوری ۔ سعید رحمانی ایڈیٹر اخبار اڑیسہ کٹک

تعارفی خاکہ : مرتب خاور نقیب

ثنائے الٰہی : سید اولادِ رسول قدسیؔ

حمد باری تعالیٰ : سید اولادِ رسول قدسیؔ

نعتیں------------- سید اولادِ رسول قدسیؔ

نعتیہ ہائیکو ------------- سید اولادِ رسول قدسیؔ

ایک لفظی نعت------------- سید اولادِ رسول قدسیؔ

ایک رکنی نعت ------------- سید اولادِ رسول قدسیؔ

عکس تحریر ------------- سید اولادِ رسول قدسیؔ

قدسیؔ کی نعتیہ شاعری پر مشاہیر کی آرا:

علی سردار جعفری، کالی داس گپتا رضا، ڈاکٹر کرامت علی کرامتؔ، پروفیسر عنوان چشتی، ڈاکٹر مفتی مکرم احمد، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، ڈاکٹر ابواللیث جاوید، مولانا ملک الظفر سہسرامی، علامہ بدر القادری، ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ، مفتی محمد شمشاد حسین رضوی، سید آلِ رسول حسنین میاں نظمی، افتخار امام صدیقی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، مولانا قمر الزماں مصباحی، محمد رحمت اللہ صدیقی، سید عطا محی الدین حبیبی۔

قدسیؔ سے مدیر ترویج کا مکالمہ۔ یہ مکالمہ مختصر بھی ہے اور دل چسپ بھی۔ قارئین کے استفادے کے لیے پورا مکالمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

خاور نقیب: آپ کی شاعری کا آغاز کس شعر سے ہوا؟

اولادِ رسول قدسیؔ: میری شاعری کی شروعات نعت پاک سے ہوئی۔ پہلی نعت کا مطلع ملاحظہ فرمایئے ؎

بڑی دل کشی ہے نبی کی گلی میں
کہ جنت سجی ہے نبی کی گلی میں

خاور: بعد ازاں آپ نے غزل کی طرف توجہ دی ہوگی؟

قدسیؔ: جی ہاں! نعت سے شروعات بڑی بابرکت ثابت ہوئی۔ گویا میری شاعری کو ایک شاہراہ مل گئی، جس پہ قدم جمانا بڑی جرأت کا کام تھا۔ تاہم میں نے غزل اور نعت جیسی مقبول اصناف کے سہارے اپنے شعری سفر کا آغاز کیا۔ میری پہلی غزل کا ایک شعر ملاحظہ فرمالیں:

بے قراری میں گزرتا ہے ہر اِک لمحہ مرا
سوچتا ہوں کیا ترا بھی حال ایسا تو نہیں

خاور: آپ کی نعتیہ شاعری کس تحریک اور ماحول کے زیر اثر ہوئی؟

قدسی: نعتیہ ادب سے شغف، ہمارے خاندان کی خصوصیت رہی ہے۔ میرے والد بزرگوار مفتیِ اعظم اڑیسہ مولانا مفتی سید عبدالقدوس اور والدہ مکرمہ کو احکام شرعیہ کا بڑا پاس و لحاظ تھا۔ گھر میں نعتیہ محافل ومجالس کا اکثر انعقاد ہوتا۔ اپنے گھر کے علاوہ دیگر مقامات میں منعقد ہونے والی میلاد وتقاریر کی محافل میں شرکت کا بڑا پختہ اثر میری طبیعت نے قبول کیا۔ لہٰذا نعت میرے تخلیقی اظہار کا پہلا زینہ بنی۔

خاور: آپ نے نثر نگاری بھی کی ہے؟

قدسی: میری نثر مذہبی اور ادبی موضوعات کو محیط ہے۔ میرے کئی مضامین شائع ہوچکے ہیں۔ پہلا مضمون ''اخلاق کی خوشبو'' ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی یوپی سے شائع ہوا تھا۔ اسی طرح میں نے کئی افسانے بھی لکھے۔ میرا پہلا افسانہ ''درد کا پہاڑ'' سہارا (بھونیشور) میں شائع ہوا تھا۔

خاور: آپ نے کن اساتذۂ سخن سے اکتسابِ فیض کیا ہے؟

قدسی: جب میں نے پہلی نعت کہی تو والد بزرگوار کے مشورے کے مطابق علامہ مشتاق احمد نظامی (جو والد صاحب کے شاگرد تھے) سے رابطہ قائم کیا اور ان سے اپنی پہلی نعت پر اصلاح لی۔ بعدازاں احباب ودیگر حضرات نے جناب اوج اعظمی سے اصلاحی تعلق قائم کرنے کی رائے دی۔ لہٰذا میں نے کوشش کی، لیکن مجھے افسوس ناک مایوسی ہوئی۔ اس لیے کہ اوج صاحب فی غزل ۵۰/روپے اُجرت کے طالب تھے اور وہ زمانہ میری طالب علمی کا

تھا۔ فی غزل پچاس روپے کی ادائیگی میرے بس کی بات نہیں تھی۔

بہرحال ایک خیرخواہ نے ڈاکٹر کرامت علی کرامتؔ سے ملنے کا مشورہ دیا۔ اور جب میں اردو کے اس عظیم صاحبِ قلم سے ملا تو ایک دو ملاقات کے بعد ہی مجھے موصوف کی شاگردی کا موقع فراہم ہوا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ شاعری کے رُموز و نکات، رجحانات و دیگر فنّی لوازم کی آگاہی مجھے اپنے استاد ڈاکٹر کرامت علی کرامتؔ سے حاصل ہوئی۔ یہ اُن ہی کی گہری ادب نگاہی ہے کہ آج شعر و سخن کی دنیا میں مدھم مدھم سی میری آواز سنائی دیتی ہے۔

خاور: آپ کے معاصر شعرا جن کی شاعری نے آپ کو متاثر کیا؟

قدسی: جہاں تک اُڑیسہ کے ہم عصر اردو شعرا کا تعلق ہے میں عبدالمتین جامی، خاور نقیب، عبدالحق بیتاب اور نیر دانش کی شاعری سے متاثر ہوں۔

خاور: انسانیت کے خلاف ادب کی تخلیق میں کون سا جذبہ کارفرما رہا ہے؟

قدسی: انسانیت کے خلاف ادب کی تخلیق کا واحد مقصد لادینیت اور نسلی امتیاز کو فروغ دینا ہوتا ہے اور ایسا ادب (جو ادب نہیں ہوتا) کی تخلیق کے پیچھے یہودی لابی کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ اسلام دشمنی کو استحکام بخشنے میں یہودی لابی ہمیشہ پیش پیش رہی ہے۔

خاور: کیا شاعر و ادیب کے لیے کسی ادبی رجحان یا اِزم کی پابندی ضروری ہے؟

قدسی: شاعر و ادیب کے اپنے خیالات ہوتے ہیں۔ لیکن شاعر اپنے عہد کا ترجمان ہوتا ہے۔ معاصر عہد کے تغیر و تبدّل، انقلابات، واقعات و دیگر عوامل و محرکات ہی رجحان کی شکل اختیار کرتے ہیں اور طرز و اسلوب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ لہٰذا اپنے عہد کے حاوی رجحان سے شاعر و ادیب خود کو الگ نہیں رکھ سکتا۔ لیکن یہ اور بات ہے کہ شاعر و ادیب پر کسی مخصوص رجحان یا نظریے کی آمریت مسلّط نہیں کی جاسکتی۔

خاور: اردو میں اصلاحِ سخن کی ضرورت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن بعضوں نے اس کی تردید بھی کی ہے۔ کیا بغیر کسی استاد کے نومشق شاعر، شاعری کے رموز و نکات سے پوری طرح باخبر ہوسکتا ہے؟

قدسی: کوئی بھی فن اور علم کا حصول استاد کے بغیر جامع نہیں ہوسکتا۔ جہاں تک اردو شاعری اور اصلاحِ سخن کی روایت کا تعلق ہے ہر دَور میں اس کی ضرورت اور افادیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ہمارے بعض اساتذۂ سخن کو درجۂ اعتبار حاصل ہوا ہے۔

خاور: علم العروض ایک مستقل علم ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر شاعر عروض داں بھی ہو؟ آپ کا کیا خیال ہے؟

قدسی: عروضی جانکاری کے بغیر شاعری ممکن ہے۔ اس لیے کہ طبیعت میں موزونیت ہو تو شعر وزن و آہنگ کے مطابق ہی ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ عروض سے ناواقفیت کی بنا پر شاعر ٹھوکر بھی کھا سکتا ہے۔ میرے خیال میں شاعر کو عروض سے متعلق کچھ نہ کچھ جانکاری ضرور ہونی چاہیے۔

خاور: آپ نے آزاد غزلیں بھی کہی ہیں۔ لیکن یہ تجربہ اینٹی غزل ہونے کے سبب آج بھی بہتوں کے نزدیک اچھوت ہے؟

قدسی: میں آزاد غزل کو ایک جائز صنف سمجھتا ہوں۔ اگر اردو میں نثری شاعری کو قبول کیا جا رہا ہے تو آزاد غزل کو کیوں نہیں۔ حالانکہ اس میں ردیف و قوافی کی پابندی ہوتی ہے۔ صرف مصرعے بڑے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اس سے بھلا کیا فرق پڑتا ہے۔

خاور: آج نثری نظمیں خوب لکھی جا رہی ہیں۔ آپ کے استاد محترم ڈاکٹر کرامت علی کرامت نے بھی کئی نثری نظمیں لکھی ہیں۔ لیکن آپ کے کسی بھی مجموعے میں نثری شاعری نہیں ملتی؟

قدسی: میں نثری نظم کا قائل نہیں ہوں۔ نثر اور نظم دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ لہٰذا یہ میری طبیعت سے میل نہیں کھاتی۔ جہاں تک کرامت صاحب کی بات ہے، وہ اس سلسلے میں آزاد ہیں۔

خاور: آپ نے عالمی ادبیات کا مطالعہ کیا ہے۔ آپ کی طبیعت نے کن شاہکار تصانیف کا اثر قبول کیا؟

قدسی: میں نے میٹا فزیکل شاعری کا بطورِ خاص گہرا مطالعہ کیا ہے اور اس کے اثرات

میرے ذہن و شعور پر مرتب ہوئے ہیں۔ ٹینیسن کی ایک طویل نظم In Memorium اور ٹی ایس ایلیٹ کی تنقید سے میں متاثر ہوا ہوں۔

خاور: ''رفتہ رفتہ'' (شعری مجموعہ) کو آپ نے اپنی رفیقۂ حیات کے نام منسوب کیا ہے۔ کیا آپ کی اہلیہ کو بھی شعر گوئی سے لگاؤ ہے؟ اس پر کچھ روشنی ڈالیے۔

قدسی: میری رفیقۂ حیات سیدہ سنجیدہ قدسیؔ انتہائی ذی شعور اور سلیقہ مند خاتون ہیں۔ ان کو ادب سے بے انتہا لگاؤ ہے۔ انھوں نے شعری و ادبی سفر میں میری ہمیشہ معاونت کی ہے۔ اور دوسرے دینی و ملّی سفر میں بھی ان کے مشورے چراغ کا کام دیتے ہیں۔ خاص بات تو یہ ہے کہ سنجیدہ خود شعر بھی کہتی ہیں۔ چند اشعار جو مجھے یاد ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

بنے ہیں دو عالم نبی کی بدولت سبھوں کے لیے بن کے آئے وہ رحمت
بتایا خدا نے یہ قرآں میں لوگو اطاعت نبی کی ہے میری اطاعت

ہائیکو------------سید اولادِ رسول قدسیؔ

ماہنامہ شاعر ممبئی کا گوشہ

ماہ نامہ شاعر ممبئی، مدیر افتخار امام صدیقی، سن ۲۰۰۹ء

سید اولادِ رسول قدسیؔ ایک نظر میں ------------افتخار امام صدیقی
سید اولادِ رسول قدسیؔ سے ادبی مکالمہ ------------افتخار امام صدیقی
قدسیؔ کی روایت پسندی ------------ڈاکٹر کرامت علی کرامتؔ
قدسیؔ کی غزل ------------ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی
قدسیؔ کا لب و لہجہ ------------محمد رحمت اللہ صدیقی
رفتہ رفتہ ------------محمد سمیع اللہ اسدؔ
سید اولادِ رسول قدسیؔ اردو عالم کے ممدوح ------------

یوسف ناظم، علقمہ شبلی، مخمور سعیدی، علامہ بدر القادری، ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، ڈاکٹر خواجہ اکرام، حفیظ اللہ نیو لپوری، خاور نقیب، عبد المتین جامی، علامہ آلِ رسول حسنین میاں نظمیؔ

نعت پاک غزلیہ ہائیکو،نظم ٹمٹما تا چراغ،نظم نظام جہاں،غزلیں،آزادغزل،ایک لفظی نعت،ہائیکو،ایک رکنی نعت،تکونی،آگ(پانی سے)مبصر۔

جناب افتخار امام صدیقی نے سیداولادِرسول قدسیؔ سے طویل مکالمہ کیا ہے جوقریب قریب ۸۰/سوالات و جوابات پر مشتمل ہے۔مکالمے میں کچھ دلچسپ سوالات ہوئے ہیں اوران کے پُرلطف جوابات بھی دیے گئے ہیں۔پورامکالمہ قدسی کے مقالات کا مجموعہ"قلم آشنا،، میں دے دیا گیا ہے باذوق قارئین قلم آشنا سے رجوع کریں۔اس لیے سوالات و جوابات کے نمونے سے یہاں گریز کیا گیا ہے

قدسیؔ اپنے والد کے سچے جانشین: سیداولادِرسول قدسیؔ کا تعلق بھدرک اڑیسہ کے ایک مذہبی گھرانے سے ہے۔دینی وروحانی ماحول میں پیدا ہوئے اوراسی ماحول میں تربیت پائی۔آپ کے والد ماجد اپنے وقت کے زبردست عالم اورصوفی تھے۔علم نوازی،نیک مزاجی اورتصوف دوستی ان کو اپنے خاندانی بزرگوں سے ورثے میں ملی تھی۔اوریہی چیزیں وہ اپنے تلامذہ،مریدین،معتقدین اوراپنے بچوں میں منتقل کرنا چاہتے تھے۔قدسیؔ میں اپنے والد ماجد کی خوبیاں زیادہ پائی جاتی ہیں۔انھیں والد کا قرب بھی زیادہ ملا ہے۔قدسیؔ دینی،علمی اورفکری ہراعتبار سے اپنے والد کے جانشین ہیں۔قدسیؔ کے والد بعض علوم میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے اورقدسیؔ بھی بعض علوم میں اپنے ہم عصروں میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔

والد ماجد کی صحبت کی برکتیں: والد ماجد کی صحبت کی برکتیں ہمیشہ قدسیؔ کے ساتھ رہیں۔یہی وجہ ہے کہ انھوں نے زندگی کے کسی موڑ پر اپنی اسلامی شناخت کو داغدار ہونے نہیں دیا۔ان کے علم کی بھوک اورعمل کا جذبہ کبھی سرد نہیں ہوا۔عموماً بچے ابتدا میں مذہبی اُصولوں کی رعایت نہیں کرتے۔لیکن قدسیؔ کا بچپن عام بچوں سے یکسر مختلف تھا۔ان کے زیادہ تر اوقات اسکول اورکالج میں گذرے ہیں۔اسکول اورکالج کا ماحول کیسا ہوتا ہے،یہ بتانے کی

ضرورت نہیں۔لیکن قدسیؔ نے اسکول،کالج کا غیر اسلامی اثر کبھی قبول نہیں کیا بلکہ انھوں نے ہمیشہ اپنے اسلامی رنگ و آہنگ سے دوسرے بچوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی۔ان کے ہم عمر ساتھی بتاتے ہیں کہ وہ کالج بھی اسلامی لباس میں جاتے تھے۔بچے مذاق اُڑاتے مگر بچوں کے مذاق کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔مذہب و مسلک سے ان کی گہری وابستگی کو اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ عصری تعلیم سے فراغت کے بعد انھوں نے مذہبی درس گاہوں کا رُخ کیا۔ ابتدا ہی سے عمل اور دعوتِ عمل کے اسرار ان پہ واضح ہو چکے تھے۔

قدسیؔ کی حیات کے ترجیحی عناوین: عمل اور دعوتِ عمل قدسیؔ کی زندگی کے ترجیحی عناوین ہیں اور انھیں دونوں عناوین میں ان کی اب تک کی زندگی محصور نظر آتی ہے۔ان دونوں عناوین میں جو وسعت و گہرائی ہے اسے اہلِ بصیرت سمجھ سکتے ہیں۔ایمان درخت ہے اور عمل اس کی شاخیں۔اور درخت اپنی شاخوں سے پہچانا جاتا ہے۔عمل سے انسان خود سنورتا ہے اور دعوتِ عمل سے دوسروں کے لیے سنورنے کی راہیں کھولتا ہے۔خود سنورنا اگر مشکل ہے تو دوسروں کو سنوارنا مشکل تر ہے۔عمل آسان ہے، دعوتِ عمل مشکل ہے۔دعوت کی راہ کانٹوں بھری راہ ہوتی ہے۔اس میں پاؤں ہی لہولہان نہیں ہوتے بلکہ کبھی کبھی جگر بھی چھلنی ہوتا ہے۔اس میں وقت ہی کی قربانی نہیں دینی پڑتی ہے بلکہ کبھی جان کی قربانی کا وقت بھی آن پڑتا ہے۔کربلا دعوت ہی کے نتیجے میں برپا ہوا تھا۔قدسیؔ نے ابتدا میں عمل اور دعوتِ عمل کے میدان میں جو قدم رکھا تھا وہ آج بھی اسی میدان میں سرگرم عمل ہیں۔

دعوت و تبلیغ کے بنیادی ذرائع: دعوت و تبلیغ کے کچھ بنیادی ذرائع ہیں۔ہر داعی و مبلغ کی کچھ ترجیحات ہوتی ہیں۔وہ اپنی ترجیحات کی روشنی میں ذرائع کا انتخاب کرتا ہے۔درس و تدریس، تحریر و تقریر اور شعر و سخن قدسیؔ کی ترجیحات ہیں۔دورانِ تعلیم ہی درس و تدریس، تحریر و تقریر اور شعر و سخن کے میدان میں انھوں نے چلنا شروع کر دیا تھا۔شعور میں جیسے جیسے پختگی آتی گئی مذکورہ ذرائع پہ قدرت میں اضافہ ہوتا رہا۔

دعوت وتبلیغ کے میدان میں تحریر کی اہمیت: قدسی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جس میدان میں انھوں نے قدم رکھا، پلٹ کر کبھی پیچھے نہیں دیکھا۔ دعوت وتبلیغ کے میدان میں تحریر کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ دنیا میں جتنے انقلابات آئے ہیں سب تحریر ہی کی کوکھ سے اُبھرے ہیں۔ نیزے کا زخم بھر جاتا ہے لیکن تحریر کا زخم کبھی نہیں بھرتا۔ عرب کی وہ سنگلاخ زمین جس کی سنگلاخی کے اثر نے باشندگانِ عرب کو بھی اس طرح متاثر کر رکھا تھا کہ ان کے قلوب سے حدت ٹپکتی اور شدت جھلکتی تھی، مگر یہ تحریر کی تسخیری قوت ہے کہ ان پتھر دلوں کو بھی تحریر نے موم کی طرح پگھلنے پر مجبور کر دیا۔ تحریر سے انسانی معاشرہ بنتا بھی ہے اور بگڑتا بھی ہے۔ تحریر سے تہذیب بنتی بھی ہے اور بگڑتی بھی ہے۔ تحریر سے قومیں اُبھرتی بھی ہیں اور تحریر سے قومیں ڈوبتی بھی ہیں۔ تحریر نے بڑی بڑی بادشاہتوں کے تخت وتاج اُلٹ پلٹ کر رکھ دیے ہیں۔ تحریر اپنے دیرپا اثرات رکھتی ہے۔ تحریر نے خوش عقیدگی کو بھی فروغ دیا ہے اور بدعقیدگی کو بھی ہوا دی ہے۔ یعنی اچھی تحریر اچھے اثرات چھوڑتی ہے اور بُری تحریر مہلک جراثیم پھیلاتی ہے۔ جب جب انسانی معاشرہ فکری و اعتقادی زوال کا شکار ہوا ہے، اسلامی مبلغین کی تحریروں نے اسے زوال کی دلدل سے نکال کر خوش فکری وخوش اعتقادی کی دہلیز پہ لا کھڑا کیا ہے۔ سید اولادِ رسول قدسی نے بھی اپنے اکابر و اسلاف کی سنتوں پہ عمل کرتے ہوئے اپنے نثری وشعری ادب پاروں کے ذریعے خوش فکری وخوش عقیدگی کو فروغ دینے کی بھرپور کوششیں کی ہیں۔ جس طرح ان کے شعری فن پارے ادب پاروں میں اپنی ایک شناخت رکھتے ہیں، اسی طرح ان کے نثری فن پاروں کی بھی کچھ ممتاز خصوصیات ہیں۔ ان کے نثری فن پاروں میں سیرت نگاری بھی ہے۔ انشا پردازی بھی ہے۔ خاکہ نگاری بھی ہے اور فتویٰ نویسی بھی ہے۔ قدسی کے کچھ نثری نمونے ذیل میں ملاحظہ کریں۔

قدسی کے تحریری نمونے:

نمونۂ اوّل

عربی زبان میں روشنی کے لیے نور کے ساتھ ساتھ ضو کا بھی استعمال ہوتا ہے مگر دونوں میں اہم فرق یہ ہے کہ نور ایسی خفیف روشنی کو کہتے ہیں جو آنکھوں کو خیرہ نہ کرے بلکہ تسکین فراہم کرے جبکہ ضو اس روشنی کو کہتے ہیں جو انتہائی تیز ہو اور آنکھوں کو چکا چوند کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مقدس نے آفتاب کی روشنی کو ضیا اور ماہتاب کی روشنی کو نور سے تعبیر فرمایا ہے۔ خداوندِ قدوس نے قرآنِ مقدس میں کئی ایک مقامات پر رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور سے یاد فرمایا ہے مثلاً ''یاایھا الناس قَدْ جَاءَکُمْ برھان من ربکم وانزلنا الیکم نوراً مبیناً''، ''قَدْ جَاءَکُمْ مِنَ اللہِ نُور وکتاب المبین'' یہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں یعنی آپ کی روشنی آفتاب کی طرح پُر حدت اور پُر جلال نہیں جو آنکھوں کو خیرہ کر دے بلکہ اس قدر لطافت سے لبریز ہوتی ہے کہ آنکھوں کو ٹھنڈک فراہم کرتی ہے اور دیکھنے والوں کو طمانیت میسر آتی ہے۔ آپ کے نور کا فیضان پوری کائنات پر محیط ہے۔

نمونۂ دوم

ان تمام حقائق کے باوجود ہمارے اندر نہ خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے اور نہ ہم عذابِ جہنم سے رستگاری کے لیے اعمالِ حسنہ کی جانب راغب ہوتے ہیں۔ وہ حضرات جن کے شب و روز خداوندِ قدوس کی رضا جوئی میں گذرے اور جن کی مقدس زندگی کا لمحہ لمحہ رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کے سائے میں گذرا مزید برآں یہ وہ تقدس مآب ہستیاں ہیں کہ جن کے جنتی ہونے میں شک وشبہ کرنا بعینہٖ ایسے ہے جیسے بھری دوپہر میں سورج کی روشنی کا انکار کر بیٹھنا مگر اس کے باوجود وہ ہر لمحہ خوفِ خدا سے لرزہ براندم رہتے اور عذابِ جہنم سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگتے۔ چنانچہ جب حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں یہ روایت آئی کہ ایک شخص جہنم سے ایک ہزار سال بعد نکالا جائے گا تو آپ اشک بار ہو گئے اور آپ کے اندر ایسی اضطرابی کیفیات طاری ہوئیں کہ بے ساختہ بول پڑے کہ کاش وہ

شخص حسن ہو۔ کسی نے ایک مرتبہ آپ کو ایک گوشے میں روتا ہوا دیکھ کر پوچھا کہ حضور! آپ کیوں رو رہے ہیں جب کہ آپ کو ربِّ کائنات نے اپنے تقرب سے بہرہ ور فرمایا ہے اور آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ شریعت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ جنت الفردوس آپ کی راہوں میں پلکیں بچھائے ہوئے ہے۔ آپ نے لرزتے ہوئے جواب دیا کیا پتہ مجھے تو اس بات کا ہمیشہ خدشہ رہتا ہے کہ کہیں بے نیاز پروردگار مجھے جہنم میں نہ ڈال دے۔ حضرت احمد بن حرب علیہ الرحمۃ والرضوان کا قول بڑا درس خیز اور سبق آموز ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم دھوپ پر سائے کو ترجیح دیتے ہیں مگر جہنم پر جنت کو ترجیح نہیں دیتے۔ یہ قول کوئی معمولی قول نہیں ہے۔ اس کے اندر مفاہیم و مطالب اور مصالح و حکم کے بحر ناپیدا کنار سمائے ہوئے ہیں۔ اس کا ایک ایک حرف ہمیں حسنِ عمل کی دعوتِ بلیغ دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ میں تو کہتا ہوں اگر مذکورہ قولِ زرّیں پر انسان غور کر لے تو پھر ذوقِ شر شوقِ خیر سے، خیالِ گناہ جمالِ ثواب سے، فتورِ نیت نورِ رحمت سے، محبتِ دنیا فکرِ عقبیٰ سے اور پیرویٔ شیطان اطاعتِ رحمان سے بدل جائے گا۔

نمونۂ سوم

مذکورہ جزءِ آیتِ مقدسہ میں لفظ یَمُدُ باب نصر ینصر سے ہے اور فعل مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس کی وجہ اشتقاق سے متعلق دو قول ملتے ہیں یا تو یہ مدٌّ سے بنا ہے یا پھر مَدَدٌ سے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ مدٌّ سے مشتق ہے تو بھی اس کے لغوی معنی کی مطابقت یمد کا مفہوم واضح ہے۔ وہ اس طرح کہ مدٌّ کا معنیٰ ہے مہلت دینا، ڈھیل دینا تو اب آیت میں یہ مدھم کا معنیٰ ہوگا کہ ربِّ قدیر منافقوں کو مہلت دیئے ہوئے ہے یعنی وہ پے در پے گونا گوں شرمناک جرائم کا ارتکاب کرتے جاتے ہیں مگر پھر بھی وہ ربِّ کائنات کی پکڑ سے محفوظ و مامون ''اسپ بے لگام'' کی طرح گھوم پھر رہے ہیں اور اگر مددٌ سے مشتق مانا جائے تو بھی اس کا مفہوم لغوی معنی کے تناظر میں ظاہر ہے۔ مددٌ کا معنیٰ ہے بڑھانا، قوت دینا، اصلاح کرنا۔ آیت میں مذکورہ یمدھم کا معنیٰ یہ ہوگا کہ ربِّ کائنات منافقوں کی

سرکشی وگمراہی کو زیادہ فرما کر قوی بنا دیتا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری ہزار ہا سرکشیوں کے باوجود ہمارے مال واولاد میں روز بروز اضافہ ہوا جا رہا ہے گویا خدا ہمارے منافقانہ کردار سے راضی ہے۔ ورنہ پھر ان انعامات سے ہمیں کیوں نوازا جاتا مگر منافقین اس امرِ حقیقت سے بالکلیہ نابلد تھے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''ان بطش ربک لشدید'' یعنی بلاشبہ تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے اور ہوا بھی ایسا جیسا کہ طبرانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص جمعۂ مبارک کے دن مجمعِ عام میں ''اخرج یا فلاں فانک منافق'' یعنی نکل جا اے فلاں تو منافق ہے کہہ کر ایک ایک منافق کو نماز سے پہلے مسجد سے نکال دیا اور وہ سارے کے سارے ایسے بے نقاب ہوئے کہ پھر کہیں منہ دکھانے کے قابل ہی نہ رہے۔

نمونۂ چہارم

میرے ایک وعظ میں ایک نفیس نکتہ مجھ پر القا ہوا تھا اسے یاد رکھو کہ جملہ فضائل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے معیارِ کامل ہیں وہ یہ کہ کسی منعم کا دوسرے کو کوئی نعمت نہ دینا چار ہی طور پر ہوتا ہے یا تو دینے والے کو اس نعمت پر دسترس نہیں یا دے سکتا ہے مگر بخل مانع ہے یا جسے نہ دی وہ اس کا اہل نہ تھا یا وہ اہل بھی ہے مگر اس سے زائد کوئی اور محبوب ہے اس کے لیے بچا رکھی ہے۔ الوہیت ہی وہ کمال ہے کہ زیرِ قدرتِ ربّانی نہیں باقی کمالات تحتِ قدرتِ الٰہی ہیں اور اللہ تعالیٰ اکرم الاکرمین ہر جواد سے بڑھ کر جواد اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر فضل وکمال کے اہل اور حضور سے زائد اللہ عزوجل کو کوئی محبوب نہیں لازم ہے کہ الوہیت کے نیچے جتنے فضائل، جس قدر کمالات، جتنی نعمتیں، جس قدر برکات ہیں مولیٰ عزوجل نے سب علیٰ وجہ کمال حضور کو عطا فرمائیں۔ اگر الوہیت عطا فرمانا بھی زیرِ قدرت ہوتا ضرور یہ بھی عطا فرماتا۔ جیسے ارشاد ہوا: ''لو اردنا ان نتخذ لھواً لاتخذنا من لّدنّا ان کنّا فاعلین'' اگر ہم بیٹا چاہتے تو ضرور اپنے پاس سے اگر ہمیں کرنا ہوتا گویا ارشاد ہوتا اے نصرانیو! تم مسیح کو اور یہودیو تم عزیر کو اور عرب کے مشرکو تم ملائکہ کو ہماری اولاد ٹھہراتے ہو ہمیں اگر اپنے لیے بیٹا بنانا ہوتا تو

انہیں کو نہ بناتے جو سب سے زیادہ ہمارے مقرب ہیں یعنی محمد ﷺ۔

نمونۂ پنجم

مدینہ میں چاروں طرف مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ رہی ہے۔تمام گلیاں دلہن کی طرح سجادی گئی ہیں۔مدینہ کا ذرہ ذرہ آفتاب عالمتاب سے زیادہ روشن نظر آ رہا ہے۔ہر چہار جانب جوش و خروش کی کیفیات نظر آ رہی ہیں۔مدینے کا ہر فرد شوقِ انتظار میں اس طرح بے تاب و بے قرار نظر آ رہا ہے کہ اس کے لیے ہر پل ایک صدی جیسا معلوم ہوتا ہے، الغرض مدینہ والوں کی امنگیں دیکھ کر ہر زبان برملا کہتی ہے کہ ایسا جوش مدینہ کی دھرتی پر اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔فدائیوں کی یہ کیفیت تھی کہ صبح سے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر کھڑے ہو کر روزانہ اس نوری پیکر کا انتظار کرتے کہ جس کی آمد کی خبر پورے مدینے میں ہواؤں کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔جب سورج گرم ہو جاتا، دھوپ کی حدّت بڑھ جاتی اور ان کی آنکھوں کے سامنے مایوسی کے تاریک بادل چھا جاتے تو وہ تھکے ہارے مسافروں کی طرح اپنے گھر واپس ہو جاتے۔روزانہ ان کا یہی معمول تھا۔

مگر ایک دن اچانک دور سے ایک یہودی کی نگاہ سرکار پر مرکوز ہو جاتی ہے اور اسے سرکار کی آمد کا یقین ہو گیا تو اس نے فرطِ جذبات میں شیدائیوں کو آواز دی کہ وہ دیکھو! تمھارے مقصد و مقصود کی نوری شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔اتنا سنتے ہی سارے مشتاقانِ دید جوق در جوق سرورِ عالم ﷺ کے استقبالِ اجلال کے لیے پروانہ وار چل پڑے اور مرحبا اھلاً وسھلاً کی فلک شگاف آواز فضا میں گونجنے لگی۔ہر فرد خواہ جوان ہو کہ بوڑھا، عورت ہو کہ مرد، چھوٹا ہو کہ بڑا بیک زبان کہنے لگا: جاء رسول اللہ و جاء نبی اللہ۔

نمونۂ ششم

(۱) ایک مرتبہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے مدرسہ سبحانیہ میں حضور مجاہد ملت کے نام فرائض کا ایک ایسا استفتا ارسال فرمایا جس میں تقریباً بارہ بطن تھے اور آخر میں ایک ہی وارث بچتا تھا وہ استفتا بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا۔آپ نے اس کا شافی جواب لکھ کر حضرت

کی بارگاہ میں پیش کر دیا۔حضرت نے اس پر الجواب صحیح لکھ کر حضور حافظ ملت کے پاس بھیج دیا جب آپ نے جواب دیکھا اور نیچے حضور مفتیِ اعظم اُڑیسہ کا نام ملاحظہ فرمایا تو بے حد مسرور ہوئے اور انہوں نے آپ کے نام تہنیت کا خط روانہ کیا۔

(۲)حضور مجاہد ملت کی بارگاہ میں آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ترمذی شریف کا درس لے رہے تھے اثناء درس قول رسول علیہ السلام میں لفظ لَعَلَّ آیا تو آپ نے لَعَلَّ کا ترجمہ یقین کے کیا پھر حضرت نے دیگر طلبہ سے دریافت فرمایا تو سبھوں نے شاید کا معنیٰ بتایا۔حضرت نے آپ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کیا بات ہے سارے طلبہ شاید کا معنیٰ کر رہے ہیں لیکن تم یقین کا۔آپ نے برجستہ فرمایا حضرت! شروح اربعہ میں لکھا ہے کہ اللہ اور رسول کے کلام میں جب لَعَلَّ کا لفظ استعمال ہو تو اس کا معنیٰ یقین کے کیا جائے گا، شاید کا نہیں کیونکہ اللہ اور رسول کے کلام میں شک وارتیاب کا پایا جانا ناممکن ہے۔اس جواب سے حضرت اس قدر خوش ہوئے کہ کئی منٹ تک آپ کو دعائیہ کلمات سے نوازتے رہے۔

دعوت و تبلیغ کے دو اہم مراکز: درس گاہیں اور خانقاہیں اسلامی قدروں کی ترویج، تبلیغ اور تشہیر کے دو اہم مراکز ہیں۔درس گاہوں میں انسانی ذہن وفکر کی تعمیر ہوتی ہے اور خانقاہوں میں انسانی ذہن وفکر کی تزئین ہوتی ہے۔درس گاہوں میں انسان ڈھالے جاتے ہیں اور خانقاہوں میں انسان کو بندگی کے اسرار سے آگاہ کیا جاتا ہے۔درس گاہوں میں پڑھایا جاتا ہے اور خانقاہوں میں پلایا جاتا ہے۔درس گاہوں کی تربیت جہاں ختم ہوتی ہے خانقاہوں کی تربیت کی وہاں سے ابتدا ہوتی ہے۔لیکن اب خانقاہوں کا رول ختم ہو رہا ہے، خانقاہی نظام اپنی افادیت کھو رہا ہے، بلکہ اکثر خانقاہوں میں آج جو ہو رہا ہے اسلام اس کی قطعی اجازت نہیں دیتا۔یہی وجہ ہے کہ خانقاہ مخالف جذبات میں روز بروز شدّت پیدا ہو رہی ہے۔علما کی ایک جماعت اصلاحی جدوجہد میں مصروف ہے لیکن ان کی تمام تر اصلاحی کوششیں بے اثر ثابت ہو رہی ہیں۔مگر درس گاہیں کل بھی بااثر تھیں اور آج بھی بااثر ہیں بلکہ اہلِ درس گاہ پر یہ دباؤ بڑھ رہا ہے کہ وہ درس گاہوں کے رول کو مزید موثر بنائیں۔آج اسلامی

قدروں کو جو تحفظ مدارسِ دینیہ فراہم کررہے ہیں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔ پوری دنیا میں اسلامی مبلغین جو مصروفِ عمل ہیں یہ مدارسِ دینیہ کی رہینِ منّت ہیں۔ اہلِ مدارس پل پل بدلتے ہوئے حالات پہ نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ وسائل کی کمی ان کے مقاصد کی تکمیل میں حائل ہیں پھر بھی ان کے عزائم اور حوصلے جوان ہیں۔

قدسی میدانِ درس وتدریس میں: سیّد اولادرسول قدسی کی خوش بختی یہ ہے کہ انہیں ابتدا ہی سے درس گاہی اور خانقاہی ماحول ملا۔ ان کے والد ماجد درس گاہ کے بالغ نظر مدرس بھی تھے اور خانقاہ کے صاحبِ حال وقال صوفی بھی تھے۔ انہوں نے ابتدا ہی میں قدسی کو تجربات کی بھٹّی میں ڈال دیا تھا۔ تجربات اور مشاہدات سے گذارنے کے بعد انہیں سندِ فراغ سے نوازا گیا۔ یہاں سندِ فراغ سے مراد اطمینانِ قلبی ہے۔ کسی ماہر استاد کا اپنے کسی شاگرد کی صلاحیتوں پہ اطمینان سند ہی کا درجہ رکھتا ہے۔ یوں بھی ماضی میں سند دینے دلانے کا رواج نہیں تھا۔ حضرت امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعد پچیس ہزار تلامذہ چھوڑے لیکن انہوں نے اپنے کسی شاگرد کو تحریری سند دی ہو، تاریخ اس بات پہ خاموش ہے۔ قدسی کے والد ماجد کے پاس علوم وفنون کا اتنا سرمایہ تھا کہ قدسی کو کسی دوسری درس گاہ میں جانے کی ضرورت نہ تھی لیکن حالات اور تقاضے نے انہیں دوسری درس گاہوں کی طرف رخ کرنے پہ مجبور کیا، خود اس میں ان کے والد کا مشورہ بھی شامل تھا۔

قدسی کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ جہاں انہوں نے دوسرے اساتذہ سے علمی استفادہ کیا وہیں دورانِ تعلیم اپنے تجربات ومشاہدات سے تشنگانِ علوم کو مستفیض بھی کیا۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں علمِ فرائض، انگریزی ادب اور شعر وسخن سے ذوق رکھنے والے طلبہ کی ایک جماعت ہمیشہ ان کے قریب دیکھی گئی۔ دورانِ تعلیم انہوں نے معین المدرسین کے فرائض بھی انجام دیئے اور اپنی فقہی بصیرت سے دارالافتا کے وقار میں اضافہ بھی کیا۔ انہوں نے فقہ وافتا کا شعور اپنے والد ماجد سے حاصل کیا تھا۔ دورانِ تعلیم جزوی طور پر درس و تدریس اور افتا سے ان کی وابستگی رہی۔ دینی تعلیم وتربیت کی تکمیل کے بعد انہوں نے

باضابطہ طور پر درس وتدریس اور افتا کی مسند بچھائی۔ ہندوستان کے کئی ایک مرکزی اداروں میں مسندِ درس وافتا پہ بیٹھ کر انہوں نے اپنے علمی وفقہی فیضان سے طالبانِ علومِ نبوی ﷺ کو سیراب کیا ہے۔ ان کے تلامذہ اور مستفیدین کی ایک بڑی تعداد ملک وبیرونِ ملک خدمتِ دینی میں مصروف ہے۔ آج وہ امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں عارضی طور پر قیام پذیر ہیں لیکن دینی قدروں کی ترویج وتشہیر کے جتنے مشہور شعبے ہیں ان تمام شعبوں سے آپ عملی طور پر وابستہ ہیں۔ آپ کی نجی قیام گاہ میں یہ قول جلی حروف میں آویزاں ہے کہ ''زمین کے اوپر کام اور زمین کے نیچے آرام'' آپ کی ہمہ جہتی مصروفیات سے مذکورہ قول کی بھرپور تائید ہوتی ہے۔

آپ نے جن درس گاہوں میں درس وتدریس اور فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیے ہیں ذیل میں ان کی ایک فہرست ملاحظہ کریں۔

اپنے گھر پہ اپنے والد ماجد کے زیر سایہ فتویٰ نویسی کی مشق کرتے رہے۔ دورانِ تعلیم جامعہ اشرفیہ مبارک پور، دورانِ درس وتدریس مدرسہ جامع العلوم شریف جلال پور سیوان، نور الاسلام ہائی اسکول گوونڈی ممبئی، دارالعلوم محبوبِ سبحانی کرلا ممبئی، دارالعلوم مخدومیہ جوگیشوری ممبئی، دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن کرلا ممبئی

قدسی کے معاصر علما ومشائخ

☆ امین شریعت حضرت مولانا مفتی سبطین رضا خاں بریلوی ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶
☆ حضرت مولانا مفتی سید حسینی میاں مصباحی، دارالعلوم امجدیہ، ناگپور
☆ حضرت مولانا مفتی معصوم رضا صاحب حشمتی، خانقاہِ حشمتیہ، پیلی بھیت شریف
☆ حضرت مولانا مفتی وصی احمد وسیم صدیقی، جامعہ اسلامیہ، روناہی
☆ حضرت مولانا مفتی عزیر عالم رضوی، شیخ الحدیث دارالعلوم تنویر الاسلام، امروڈبھا
☆ حجرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفی نجم القادری دارالعلوم حبیبیہ رضویہ کٹک اڑیسہ
☆ حضرت مولانا مفتی مطیع الرحمن صاحب رضوی، بانی وسربراہ جامعۃ الخضریٰ، مظفر پور

☆ سراجِ ملت حضرت مولانا حافظ وقاری سید سراج اظہر صاحب، دارالعلوم فیضانِ مفتی اعظم ممبئی
☆ حضرت مولانا مفتی مسیح احمد رضوی، دارالعلوم انوارالقرآن، بلرام پور
☆ حضرت مولانا مفتی شفیق احمد شریفی، دارالعلوم غریب نواز، الہٰ آباد
☆ حضرت مولانا مفتی اشرف رضا قادری مصباحی، ادارۂ شرعیہ، مہاراشٹر
☆ حضرت مولانا مفتی ناظر اشرف صاحب، دارالعلوم اعلیٰ حضرت، ناگپور
☆ حضرت مولانا مفتی محمود اختر رضوی، رضوی امجدی دارالافتاء، ممبئی
☆ حضرت مولانا مفتی ولی محمد رضوی، سربراہ سنّی تبلیغی جماعت، باسنی، ناگور
☆ حضرت مولانا مفتی سید اصغر امام صاحب، پرنسپل جامعہ فاروقیہ، بنارس
☆ حضرت مولانا مفتی حسن رضا رضوی، ادارہ شرعیہ، بہار
☆ حضرت مولانا مفتی ذکاء اللہ صاحب، سیتامڑھی، بہار
☆ حضرت مولانا مفتی عبدالسلام صاحب، بلرام پور
☆ حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ صاحب، نائب قاضی ادارہ شرعیہ، پٹنہ بہار
☆ حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ رضوی، مظہرالعلوم، گرسہائے گنج، قنوج، یوپی
☆ حضرت مولانا محمود عالم رشیدی، خطیب وامام ہری مسجد، گونڈی، ممبئی
☆ حضرت مولانا مفتی مجاہد حسین رضوی، دارالعلوم غریب نواز، الہٰ آباد
☆ حضرت مولانا مفتی اختر حسین قادری، صدر مفتی دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی
☆ حضرت مولانا ملک الظفر صاحب، دارالعلوم خیریہ نظامیہ، سہسرام
☆ حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی، پرنسپل مدرسہ شمس العلوم، بدایوں
☆ حضرت مولانا محمد قمر الزماں مصباحی، پرنسپل الجامعۃ الرضویہ، پٹنہ سٹی
☆ حضرت مولانا محمد عبدالرزاق پیکر، الجامعۃ الرضویہ، پٹنہ سٹی
☆ حضرت مولانا مفتی قاضی شہید عالم رضوی، جامعہ نوریہ، بریلی شریف

☆ حضرت مولانا محمد اسلم رضوی دارالعلوم غوثیہ رضویہ مغیا چک سیتامڑھی

قدسؔی کی فتویٰ نویسی: سید اولادِ رسول قدسؔی عصری تعلیم کی تکمیل کے بعد دینی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ انھوں نے دینی علوم کی تحصیل کے لیے سب سے پہلے اپنے والد ماجد مفتی اعظم اڑیسہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس حبیبی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہہ کیا اور بہت کم مدت میں انھوں نے علومِ دین کی بیش تر منزلیں طے کرلیں۔ فتویٰ نویسی کا عرفان بھی انھوں نے اپنے والد ماجد سے حاصل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جہاں بھی رہے فتویٰ نویسی کے اضافی فرائض انجام دیتے رہے۔ جب آپ دینی تعلیم سے فارغ ہوئے تو باضابطہ طور پر فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دینے لگے۔ آپ جب تک ہندوستان میں قیام پذیر رہے اردو زبان میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ لیکن جب سے آپ امریکہ میں قیام پذیر ہیں اردو کے ساتھ انگریزی میں بھی فتویٰ دیا کرتے ہیں۔ آپ کے اردو اور انگریزی فتاوے کی ترتیب کا کام چل رہا ہے۔ جلد ہی ان کی کتابی شکل میں اشاعت ہونے والی ہے۔ ذیل میں ان کے اردو اور انگریزی فتاوے کے کچھ نمونے ملاحظہ کریں:

فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل میں کہ زید کی بیوی کی تولید کے زمانے میں زید اپنی سالی کو اپنے گھر لے آیا اور ایک ہفتہ رکھا، پھر وہ اپنی سالی کو دلّی لے گیا۔ دو مہینے کے بعد زید کا والد دلّی گیا تو لوگوں سے معلوم ہوا کہ زید نے اپنی سالی سے نکاح کرلیا ہے اور آج سالی کی طرف سے اس کی دو اولاد بھی ہے۔ واضح رہے کہ زوجۂ اولیٰ آج بھی زید کے نکاح میں ہے اور زید آج بھی زوجۂ اولیٰ کے پاس آتا ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں نکاح میں کون سا نکاح درست ہے؟ سالی کی جانب سے اولاد شرعاً حلال ہوگی یا حرام اور زید کے اس فعلِ قبیح پر شرعاً کونسا حکم عائد ہوتا ہے؟

المستفتی: رفیع الدین انصاری

لکھنورہ، سیوان، بہار

الجواب بعون الوہاب

صورتِ مسئولہ میں زید کا اپنی سالی سے نکاح کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ہے: ''تاحیاتِ زوجہ جب تک اسے طلاق ہوکر عدّت نہ گذر جائے اس کی بہن سے جو اس کے باپ کے نطفے یا ماں کے پیٹ سے یا دودھ شریک ہوتو نکاح حرام ہے۔ لقولہٖ تعالیٰ وان تجمعو بین الاختین الخ''

فتاویٰ عالم گیری میں ہے: ''وان تزوجهما في عقدتين فنكاح الاخير فاسدة يجب عليه ان يفارقها۔ فتاویٰ رضویہ میں یہ بھی مرقوم ہے کہ بموجودگئ زوجہ سالی سے نکاح حرام ہے اوراس پر فرض ہے کہ اسے ہاتھ نہ لگائے اور فوراً چھوڑ دے اور اگر سالی سے بعد نکاح جماع کرلیا تو اب زوجہ سے جماع حرام ہوگیا۔ یہاں تک کہ سالی کو چھوڑ دے اور اس کی عدت گذر جائے۔ ردالمحتار میں ہے: نكاح امرأة على اختها الثاني باطل ولو وطئ الاولى الا ان يطأ الثانية فتحرم الاولىٰ۔

لہٰذا اس صورت میں جب کہ زوجہ نکاح میں ہے، سالی سے نکاح کیا یہ فعل حرام ہے اور سالی سے جو اولاد ہوئی وہ ولدحرام کہلائے گی۔ اسی طرح سالی سے بعد نکاح جماع کیا، پھر زوجۂ اولیٰ سے جماع کیا، یہ بھی حرام ہے اور اگر زوجۂ اولیٰ سے اولاد پیدا ہوئی تو وہ بھی حرام ہوگی۔ زید کو چاہیے کہ سالی کو چھوڑ دے اور اس کی عدّت گذر جانے کے بعد بیوی سے ملے اور اگر سالی ہی کو رکھنا چاہتا ہے تو بیوی کو طلاق دے اور عدّت گذر جانے کے بعد سالی سے نکاح کرے۔ زید پر توبہ لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سید اولادِ رسول قدسیؔ

فتویٰ

۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل میں کہ زید نے اپنی

بیوی کو تین سال تک کھانا، کپڑا، سکنیٰ اور حقِ زوجیت سے محروم رکھا اور اس کی بیوی ابھی تک اپنے میکے میں ہے۔ کیا ایسی صورت میں زید کی بیوی زید کے نکاح میں ہے یا خارج ہو چکی ہے، اور اگر خارج ہو چکی ہے تو رجعت کی کیا صورت ہوگی۔ ہاں اس درمیان زید نے کئی مرتبہ دوسروں کو اپنی بیوی کو بلانے کے لیے بھیجا، لیکن اس نے آنے سے انکار کر دیا کہ جب تک زید نہ آئے گا میں نہیں جاؤں گی۔

۲) کیا اب بھی کوئی شرعی مسئلہ ہے کہ شوہر اگر اپنی بیوی سے ایک سال تک یا مزید ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لے تو اس کی بیوی خارج عن العقد سمجھی جائے گی اور اگر خارج نہیں ہوئی تو پھر جس نے ایسا مسئلہ بیان کیا کہ جس نے اپنی بیوی سے ایک سال تک قطع تعلق کر لیا تو اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہو گئی اور دلیل میں بلا حوالہ امام اعظم کا قول بیان کیا۔

۳) زید کہتا ہے کہ غیر مفتی اگر چہ عالم ہو مگر پھر بھی فتویٰ نویسی نہیں کر سکتا۔ وضاحت فرمائیں۔ المستفتی: غلام مصطفیٰ،
کشن پورہ، بہار

الجواب بعون الوھّاب

۱) زید کا اپنی بیوی کو تین سال تک کھانا، کپڑا وغیرہ سے محروم کرنے سے طلاق نہیں ہوگی۔ دراصل طلاق کہتے ہیں نکاح سے جو عورت شوہر کی پابند ہو جاتی ہے، اسی پابندی کے اٹھانے کو۔ زید نے کوئی لفظِ طلاق صراحۃً نہ کنایۃً، نہ تقریراً اور نہ تحریراً استعمال کیا تو پھر طلاق کیسے واقع ہو سکتی ہے؟۔ البتہ تین سال تک حقِ زوجیت سے محروم رکھنا سخت گناہ اور حقوق العباد کے خلاف۔ نیز ایک مسلمان خاتون کو ایذا پہنچانا ہے۔ کسی مسلمان کو بلا وجہ ظلماً ایذا پہنچانا غلط ہے آقائے کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''من اذی مسلماً فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ۔ جس نے کسی مسلم کو ایذا پہونچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا پہونچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی۔

۲) جس شخص نے ایک سال کے قطع تعلق کو خارج عن العقد بتایا اور اسے امام اعظم کی طرف منسوب کیا، چاہیے کہ وہ دلیل پیش کرے ورنہ بغیر علم و تحقیق کے فتویٰ دینا جائز نہیں اور ایسا شخص سخت گنہ گار ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے: من افتیٰ بغیر علمٍ فلیتبوا مقعدہ من النار۔ شخص مذکور کے قول کی کوئی اصل نہیں۔

۳) زید کا کہنا سراسر غلط ہے کہ عالم فتویٰ نہیں دے سکتا۔ بھلا عالم فتویٰ نہ دے تو کیا جاہل! البتہ اتنا ضرور ہے کہ وہ واقعی عالم ہو۔ کتاب فہمی رکھتا ہو اور کتابوں سے مسئلہ کا استخراج کر سکتا ہو۔ ورنہ اگر وہ محض نام کا عالم ہے تو پھر وہ فتویٰ نویسی کی کبھی جرأت نہ کرے ورنہ وہ بھی وعیدِ مذکور کا مستحق ہوگا۔ اور ایسا شخص ملائکہ کی لعنتوں کا بھی مستحق قرار پائے گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: من افتیٰ بغیر علمٍ لعنتہ ملائکۃ السماء و الارض۔ فتویٰ دینے کے لیے علم چاہیے نہ کہ مفتی کی محض ڈگری۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض حضرات سند یافتہ مفتی ہیں مگر فتویٰ نویسی سے بالکلیہ بے بہرہ نظر آتے ہیں۔ المختصر جو شخص واقعۃً صحیح معنوں میں عالم ہو اور استخراجِ مسائل کی قدرت رکھتا ہو تو فتویٰ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ برخلاف اس کے جو علم سے عاری ہو اور قدرت نہ رکھتا ہو محض اردو و فارسی کی چند کتابیں دیکھ کر مسائل بتائے اور قرآن و حدیث کا صحیح مطلب بیان نہ کر سکتا ہو نہ سمجھ سکتا ہو۔ ایسا شخص فتویٰ دینے کی جرات نہ کرے۔ حدیث پاک میں ہے:

اجرائکم علی الفتیا اجرأکم علی النار۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سید اولادِ رسول قدسیؔ

فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل میں کہ غیر مذہب ہندو نے منت مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو میلاد شریف پڑھواؤں گا اور اس کی منت پوری ہوگئی اور مسلمانوں نے ہندو سے روپیہ لے کر ہندو کی طرف سے میلاد شریف پڑھا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

فقط المستفتی: زاہد عالم

ابولدی، راجستھان

الجواب بعون الوھاب

صورتِ مسئولہ میں مسلمانوں کو ہندو کا مال اگر اس کی رضامندی سے بلا عذر و بدعہدی کے مل جائے تو مباح ہے۔ کیوں کہ ہندوستان کے ہندو ذمّی نہیں بلکہ حربی ہیں۔ حربی کا مال مسلمانوں کے لیے مباح ہے۔ جیسا کہ تفسیراتِ احمدیہ ص ۲۶۳ میں ہے: یا ایھا المؤمنون هل فی هو الزمان ذمی تفکروا ان هم الّا حربی و ما یعقلها الا العلمون۔ اسی طرح درمختار ص ۲۶۰ میں ہے: فلا باس بان یاخذ منهم اموالهم بطیب انفسهم بای وجه کان وانه اخذ مال الحربی مباح عرائه علٰی وجه عریٰ عن الفدر فیکون ذالک طیبا له۔

ہندو نے اپنی رضامندی سے مسلمانوں کو روپے دیئے، یہ تو جائز ہے لیکن ہندو کی طرف سے میلاد شریف پڑھنا قطعی صحیح و درست نہیں۔ کیوں کہ کافر کی جانب نہ تقرب جائز ہے، نہ اس کی کوئی نیاز اور نہ اس کا کوئی عمل قابلِ قبول ہے۔ نہ ہرگز اس پر کوئی ثواب مرتب ہوتا ہے اور نہ ایصالِ ثواب ممکن۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وقدمنا الی ماعملو من عمل فجعلناه هباء منثورا۔ (پ ۱۹، رکوع ۱) یعنی اور جو کچھ انھوں نے کام کیے تھے ہم نے قصد فرما کر انھیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرّے کر دیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔

اس کی صورت تو یہ تھی کہ مسلمان ہندو سے پیسے لے لیتے اور اس سے یہ بھی کہہ دیتے کہ ہمیں اجازت دے دو کہ ہم تمہارے روپیوں سے اپنی جانب سے میلاد شریف کرا دیں۔

لہٰذا جن مسلمانوں نے ایسا کیا ان پر توبہ فرض ہے بلکہ تجدیدِ اسلام و نکاح بھی چاہیے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سید اولادِ رسول قدسیؔ

فــــرائض

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس وراثت کے مسئلہ میں کہ زید نے اپنے پیچھے زوجہ زاہدہ، دو حمید وا کبر اور تین لڑکیوں شہیدہ، رشیدہ اور حمیدہ کو چھوڑا۔ پھر حمید نے انتقال کیا تو زوجہ بشیرہ، دو لڑکوں نوشاد اور شمشاد اور تین لڑکیوں افروزہ، سائرہ اور سلمہ اور ایک بھائی اور تین بہنوں کو چھوڑا۔

لہٰذا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے ترکے سے جملہ وارثین کو کتنا حصہ ملے گا۔ بینوا و توجروا

المستفتی: نوشاد عالم
چھپرہ، بہار

الجواب بعون الوھاب

زید مسئلہ من ۸ x ۷ = ۵٦

زوجہ زاہدہ ابن حمید ابن اکبر ابن شہیدہ بنت رشیدہ بنت حمیدہ

۱) ۲/۱۴ ۲/۱۴ ۱/۷ ۱/۷ ۱/۷

زاہدہ مسئلہ نمبر ۷ بینھما تداخل مع ۱

حمید ابن اکبر ابن شہیدہ بنت رشیدہ بنت حمیدہ

۲ ۲ ۱ ۱ ۱

حمید مسئلہ نمبر ۸ بینھما تداخل مع ۲

زوجہ بشیرہ ابن نوشاد ابن شمشاد بنت سائرہ بنت افروزہ بنت سلمہ بنت اخ ام احد احد احد

۱/۲ ۲/۴ ۲/۴ ۱/۲ ۱/۲ م م م م م

لاحساہ ۵٦

اسماءوارثین	سہام	پائی	آنہ
اکبر	۱۶	۶_۳/۷	۴
شہیدہ	۸	۲_۳/۷	۲
رشیدہ	۸	۳_۳/۷	۲
حمیدہ	۸	۳_۷/۳	۲
بشیرہ	۲	۶_۶/۷	x
نوشاد	۴	۱_۵/۷	۱
شمشاد	۴	۱_۵/۷	۱
سائرہ	۲	۶_۶/۷	x
افروزہ	۲	۶_۶/۷	x
سلمہ	۲	۶_۶/۷	x
	۵۶	۱۲+۴۱۶=	

بعد تقدم من الارث زید مورثِ اعلیٰ کا ترکہ مبلغ ۵۶ ؍ سے بٹ کر مذکورہ بالا نقشہ کے اعتبار سے وارثین کو سہام اور پائی ملیں گی۔ و اللہ خیرالوارثین

فرائض

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے انتقال کے وقت ایک بیوی، پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔ پھر اس کی بیوی کا انتقال ہوا تو اس نے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑے۔ لہٰذا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مورثِ اعلیٰ یعنی زید کے ترکے سے کسے کتنا حصّہ ملے گا۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد طاہر حسین رضوی، پورنیہ، بہار

الجواب بعون الوھاب

زید مسئلہ ۸x۱۲ =۹۶

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت
۱۲/۱	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷

زوجہ مسئلہ نمبر ۱۲: بینہما تماثل نمبر ۱۲

ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت
۲	۲	۲	۲	۱	۱	۱

الاحسا ۹۶

اسماء وارثین	سہام	پائی	آنہ
ابن	۱۶	۸	۲
ابن	۱۶	۸	۲
ابن	۱۶	۸	۲
ابن	۱۶	۸	۲
ابن	۱۶	۸	۲
بنت	۸	۴	۱
بنت	۸	۴	۱
		۱۲ x ۴ =۱۶	

بعد تقدم من الارث زید مورثِ اعلیٰ کا کل ترکہ ۹۶ سے منقسم ہو کر مذکورہ بالا نقشہ کے مطابق سہام اور آنہ پائی ملیں گی۔ واللہ خیر الوارثین۔

سید اولادِ رسول قدسی

سید اولادِ رسول قدسی کے چند انگریزی فتاوے

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ دوسروں کے لیے رضی اللہ عنہ کا استعمال کیسا ہے؟

Is it allowed to write Radiyallahu anhu for other than Sahaba (Prophet's Companions), like for Auliya Allah and Ulama-e-Kiraam?

Sayed Sadruddin, Houston, Texas

Bismihi Ta'ala. Al jawab bi aunil wahhaab.

The Word Radiyallahu anhu is not peculiarized and specified for Sahaba (Prophet's Companions). The holy Qur'an says: "Radiyallahu anhum wa radu anhu zalika liman khasheya rabbahu." (Para 30, Surah Bayyeenah) Means Radiyallahu anhum wa radu anhu is for those people who fear Allahu Subhanahu Ta'ala. This quite illustrated that Khashiyat-e-Ilaahi (Fear of Allah) is not only found in Sahaba but also in other Allah's beloved servants who are not Sahaba. Secondly, the holy Qura'n says: "Innama yakhshallahu min ibadihil walama." Means, those who fear Allah are none but walama. Hazrat Imam Fakhruddin Raazi mentions in his book "Tafseer-e-Kabeer" V.8, p.460 in the commentary of the above ayah. "Fadallat haazihil ayatu alaa anmal A'alima yakoonu saahibal khashiyah". Means, this Ayah well proves that the alim is Sahibe Khasiyat i.e. the alim fears Allah ta'ala. No doubt, the Ulama are not Sahaba but according to the Holy Qura'n Radiyallahu Anhu can be used for them. In addition, it is stated in "Durre Mukhtaar Ma'Shami" V.5, p.480 "Yastahibbu taraddi lissahaabati wattarahhum litabieen wa mim ba'dihim minal walama wal ibaad wa sairil akhyaar wa kaza yajoozu aksuhu wa huwat tarahhum lissahaabati wa taraddi littaabieen wa mim badihim". Means, to use Radiyallahu Anhu for Sahaba is mustahab and its opposite i.e. to use Rahmatullahi Alaihi for Sahaba and Radiyallahu anhu for tabaeen, Ulama and Mashaikh is also jaaiz (permissible). Apart from this, amongst our ancestors, the great scholars of Islam have also used

Radiyallahu Anhu for non-Sahaba. As for example: Hazrat Allama Ibne Aabideen Shami has used Radiyallahu anhu in six places for Imaame Azam and seven places for Imam Shafai in his book. Likewise, Allama Alauddin Muhammad bin Ali, Hazrat Allama Fakhruddin Raazi, Allama Sayed Ahmed Tahtawi, Allama Muhammmed Shazli, Hazrat Allama Ibne Hajar Asqalaani have used Radiyallahu Anhu for Imame Azam and Imam Shafai in their well known books though both of them are not Sahabi.
Wallahu aalam bis-sawaab

Sayed Aulade Rasool Qudsi

Hazrat with your kind permission, I have one question, pertaining to celebration of Milaad un Nabi (Sallal lahu alaihi wasallam) Today due to the fitna created by the Hypocrites, Munafiqeen, Bad-deen, Bad Mazhab, Gustakh people with diseased heart, majority of the innocent Ummah have been confused by these hypocrites and diseased heart people they have one question pertaining to celebration of Milaad un Nabi (Sallal lahu alaihi wasallam) or the Sahaba's celebrate Eide Milaadun Nabi (Sallal lahu alaihi wasallam)?

Sajjad Shah, Sante clara, California

Bismihi Ta'ala. Al jawabu bi aunil wahhab.
To celebrate and rejoice the holy birthday of Rasoolullah Sallal lahu alaihi wasallam is undoubtedly proved by the holy Qur'an and the holy Hadith. Allah Subhanahu Ta'ala says in the holy Qur'an in Surah Yunus: "Qul bi-fadhlihi wa birahmatihi fabi-zalika fal-yafrahu huwa khairum mimma yajmaoon". It means that "Say you only Allah's grace and only His mercy on it therefore let them rejoice it. That is better than all their wealth." In this Aayah the word yafrahu is derived from the word "farh". Farh means to rejoice after having the dear thing. So the Aayah means that the believers should rejoice having Allah's grace and mercy. Hazrat

Ibne Abbas, Hazrat Hasan and Hazrat Qatada Radiyallahu Ta'ala Anhum say here: 'Fazl' means Islam and 'Rahmat' means Ahadith. So the holy Qur'an illustrates that we should rejoice for having Islam, Qur'an and Ahadith then it became more adequate that we should rejoice and show pleasure for the holy birthday of our beloved Prophet Sallal lahu alaihi wasallam because our Prophet is the founder of Islam, Sahibe Qur'an and his saying, deed and silence are hadith. Apart from this Allah the Almighty says in the Hadith-e-Qudsi "O my beloved Prophet! If you are not created then I would neither create the heaven nor the earth. It means the whole Universe and its beauty is due to our beloved Prophet. Secondly Rasoole Paak Sallal lahu alaihi wasallam is the greatest mercy and grace of Allah Ta'ala. So it is proved the holy Qur'an that to rejoice at the time of Miladun nabi is the commandment of Allah the Almighty. That is why the Muslims of the whole world whose hearts are filled with Imaan and the fathomless love of Rasoolullah Sallal lahu alaihi wasallam remember, observe, discuss and celebrate the advent of the birth of the most beloved prophet Hazrat Muhammed Mustafa Sallal lahu alaihi wasallam.

Wallahu aalam bis-sawaab
Sayed Aulade Rasool Qudsi

کونسا فرقہ حق پر ہے؟

All claim their Sect or Firqa will go to Janah. Please, explain this puzzle! Hazrat with your kind permission, I have one question, pertaining different Sects (Firqah) in Islam. All claim that they are the true Muslims and the sect or firqa they belong to will go to Jannah! Please help us all understand the different Sects, its brief history, who started the sect, what are the aqaids of that sect, how are they different from each other, and what is the basic rule to find which is the only Sect that is on Haq and will In sha Allah, go to Jannah! Below is the list of some of the Sects I have put here that I can think of please add if I have missed

any.
1. Wahabi, 2. Ithna Ashri 3. Najdi 4. Shia 5. Salafi 6. Qadiyani 7. Deobandi 8. Tableeghi 9. Ahle Hadith 10. Ahle Qur'an 11. Ahle Kitab 12. Jamaate Islami 13. Maudoodi 14. Bahai 15. Kharji 16. Sunni 17. Bareilvi 18. Sufis 19. Fakirs 20. Ahle Sunnat 21. Ahle Bid'at 22. Ahlul Ahwaa 23. Bohri 24. Mu'tazli 25. Ash'ari 26. Ismaili 27. Zaidi 28. Maturidi 29. Zahiri

Sharif Khan, San francisco, U.S.A.

Answer:

Bismihi Ta'ala al jawabu bi awnil wahhab

Every Sect's claim to go to Jannah is quite wrong according to Hadith. As the beloved Prophet Sallal lahu alaihi wasallam said, "Wa inna bani Israaila tafarraqat a'la thinataine wa sab'eena millatan wa taftariqu ummati a'la thalasium wa sab'eena millatan kullahum finnaari illa wahidah qaalu man hiya ya Rasoolallah. Qaala ma ana a'laihi wa- ashaabi." (Tirmizi, Mishkaat)
It means, "undoubtedly Bani Israail were scattered into seventy two sects and my ummah will be distributed into seventy three sects. All will go to Jahannam except one. The companions of the Prophet (Sallal lahu alaihi wasallam) asked who that sect is? The Prophet (sallal lahu alaihi wasallam) replied, those who are on my and companions path." The prominent scholars of Islam say that in this Hadith ma ana alaihi wa-ashaabi means "Ahle Sunnat wal Jamaat" The follower of every Sect can claim that we are the followers of the Prophet (Sallal lahu alaihi wasallam) and his companions. Only claim can never be enough rather every claim needs evidences. In this regard we have to investigate. Which Sect is the true follower of this Hadith. First of all we have to see the beliefs (Aqeedah) of Sahaba-e-Kiraam about our holy Prophet (Sallal lahu alaihi wasallam). It is because Sahaba are the ideal and true model for all the muslims. As the beloved Prophet (Sallal lahu alaihi wasallam) says: "ashaabi kan-nujoom bi-ayyihi iqtadaitum ihtidaitum." It means All my companions are like Stars, whomsoever you

follow, you will be on right path. I will list some of Sahaba e Kiram Radiyallahu ta'ala anhum.

"They all were believing that our Prophet (Sallal lahu alaihi wasallam) is alive and not dead (Hayatun Nabi). Our Prophet (Sallal lahu alaihi wasallam) is the knower of the unseen (Aalime Ghaib). He is bestowed the sole power by Allah (Subhanahu Ta'ala) the almighty (Ikhtiyaare Kulli). All of them were seeking the Prophet (Sallal lahu alaihi wasallam)'s waseela (intercession) in his worldly life and even after his leaving this world. All of them believed that our Prophet (Sallal lahu alaihi wasallam) is Noor of Allah Subhanahu Ta'ala.

No one can bring a single evidence of any one Sahabi whose belief was contrary to those listed above. Apart from this the above qualities of our Prophet (Sallal lahu alaihi wasallam) are proved by the holy Qur'an and the sacred ahadith. Hazrat Shah Abdul Haq muhaddith dehlavi (Rahmatullah alaih) says in his well known book "Ash' atul lam'aat" at "in the chapter named "Babul e'etesaam" after imitating the saying of the author of "Kitabe Mawaqif": "Only ahle sunnat wal jamaat will get salvation and will go to Jannah." that if one objects how can we know that only Ahle Sunnah wal Jamaat will go to Jannah then the answer is; we became confident after going through Ahadith and the believes, sayings and the deeds of Sahaba Kiram, Taabein, Tabe Taabein, Muhaddiseen, Aimma, the Hanafi, Shafai, Maaliki and Hambali fuqaha, the Aimma of usoole kalaam like Ash'ara and Maturidiya and our all other pious ancestors that our beliefs are just like their beliefs. All of them were firm on the Mazhabe Ahle Sunnat and they all were orthodox Ahle Sunnat. The ses whose names you mentioned in the question most beliefs are totally against Sahaba and their true followers. In addition to this their scholars have insulted our Prophet (Sallal lahu alaihi wasallam). They wrote and said such thing $ which were not written or heard of before. This is the reason the communicator and knower of the unseen Rasoolullah Sallal lahu alaihi

wasallam said fourteen hundred years ago "Yakunu fi aakhiriz zamaani Dajjaloona Kajjabuna yatunakum minal ahadith bima lam tasmawu antum wa laa aabaokum fa iyyakum wa iyyahum la yudillinakum wala yaftinunakum", (Muslim, Mishkat) means there will be a group of deceivers and liars and they will say such things which neither you will have heard nor your father and forefathers. Keep yourself, your family and all those you love away from them otherwise they will attack your beliefs and snatch your imaan from you. Those kazzab (liars) and Dajjals are the founders of the most of the sects which you have listed in your question. If you want to know their disbelieving, deviating, insulting and filthy sentences about the holy Prophet (Sallal lahu alaihi wasallam) I will list a few examples for your reference which are written by the founders of this sects here. Book "Hifzul Iman" page 8 written by Ashraf Ali Thanvi, "Tehzeerun Naas" page 3, written by Qasim Nanotvi. "Barahine Qaatiya" page 51, written by Khalil Ahmed Ambethwi. "Taqwiyatul Iman" page 79, written by Ismail Dehlvi, "Risala yakrozi" page 145, written by Ismail Dehlvi.
Similarly the founder of Jamaate Islami Abul Ala Maudoodi in his book "Khutbaat", "Tafhimaat", "Tanqihaat" and Muhammed ibn Abdul Wahhab Najdi in his book "At-Tawheed" have insulted our Prophet Sallal lahu alaihi wasallam
If you want to know in depth and detail about these bad-deen, Gumrah, Bad mazhab, Kazzab and antagonists of Islam then read the book "Husamul Harmain" and "As-swarimul Hindiya".
Remember a minor disrespect/insult (tauheen of Rasoolullah Sallal lahu alaihi wasallam is kufr. Hazrat Imam Abu Yusuf radiyallahu anhu says in his book "Kitabul Khiraj", "Ayyuma rajulin sabba Rasoolullahi wasallam au kazzabahu au tanaqqasahu faqad kafara billahi ta'ala wa banat minhumraatahu." Means, whosoever after reciting Kalima abuses and insults the Prophet (Sallal lahu alaihi wasallam) associate lies towards him, searches for defects in him, surely, such a

person has become disbeliever towards Allah (Subhanahu Ta'ala) and his marriage is nullified and his wife is no more his wife and their marriage is broken.
You have included Bareilvy in most of the other refuted baatil sects. First thing is that Bareily is not any sect, it is the name of a village in India U.P. to which Imam Ahmed Raza Khan Bareilvy (Rahmatullah alaih) belongs. He is the Mujaddid of 14th Century and was called as Ala Hazrat and this is how the term Maslak e Ala Hazrat came into existence. Rather in current age Maslake Ala Hazrat is the real identification of Mazhabe Ahle Sunnat. In other words Maslake Ala Hazrat is the same to Mazhabe Ahle Sunnat. As Ala Hazrat Imam Ahmed Raza Khan Bareily (Rahmatullah alaih) saved our Iman and made us cautious from all the baatil sects and from the decoits of Imaan and Islam that is why in this crucial age the true believers regard themselves as the follower of Maslake Ala Hazrat. I openly challenge any one who can provide authentic proof on any Single Belief of our Mujaddid Imam Ahmed Raza Khan Bareily (Rahmatullah alaih) and Maslake Ala Hazrat which is against the Qur'an and Sunnah.
Wallahu Aalam Bis-sawaab.

Sayyed Aulade Rasool Qudsi

سید اولادِ رسول قدسیؔ نے جہاں اردو زبان و ادب کو اپنے افکار کی تابشوں سے اُجالا بخشا ہے، وہیں انگریزی زبان و ادب کو بھی اپنی خصوصی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ جس طرح انہوں نے اردو زبان و ادب کو نئے نئے آفاق سے آشنا کیا ہے، اسی طرح انگریزی زبان و ادب کو بھی نئی نئی جہتیں دی ہیں۔ انگریزی نثر اور نظم دونوں پر انھیں یکساں قدرت حاصل ہے۔ انگریزی نثر میں ان کی کئی معرکہ آرا کتابیں منظر عام پر آ کر اہلِ علم و ہنر سے ڈھیر ساری داد و صول کر چکی۔ اِدھر کچھ سالوں سے وہ انگریزی میں حمد گوئی و نعت گوئی پر توجہ دے رہے ہیں۔ ان کی یہ کوشش اپنی نوعیت کی منفرد کوشش ہوگی۔ انگریزی زبان بولنے والوں میں

اکثریت عیسائیوں کی ہے، لیکن انگریزی کے کسی شاعر نے اب تک خدائے واحد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدح وستائش پر اپنے فن کی بنیاد نہیں رکھی ہے۔عربی، فارسی اور اردو میں جس طرح نعت گو شعرا کی فہرست لمبی ہے، انگریزی ادب میں ایسا نہیں ہے۔ یہ بات حقیقت ہے کہ کسی زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور اِس پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہوتی۔اس لیے قدسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خدائے واحد اور آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر انگریزی میں حمد ونعت لکھ کر انگریزی ادب کی دو قابلِ ذکر کمی کو پورا کر سکیں۔عربی، اردو اور انگریزی کے علاوہ بھی قدسیؔ نے دنیا میں بولی جانے والی دوسری زبانوں میں بھی شاعری کی ہے۔ان کی تفصیلی سوانح میں ان کے نمونے پیش کیے جائیں گے۔انگریزی نثر ونظم کے کچھ نمونے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

FORTY UNIQUE ATTRIBUTES OF HAZRAT MOHAMMED

Sallal lahu A'laihi wasallam

1. Hazrat Mohammed Sallal lahu a'laihi wasallam is Awwalul Ambiya, i.e. he is the first and foremost prophet as it is mentioned in the Hadith that the Messenger of Allah, Sallal lahu A'laihi wasallam said, "Kuntu Nabiyan wa Adamu bainar Ruh wal Jasad", It means I was the prophet at that time when Hazrat Adam A'laihis Salam was between body and soul, i.e. under creation. (Zurqani Alal Mawahib, Vol.5, p.242)

2. He is the last Prophet as the Holy Qur'an says. Hazrat Mohammed Sallal lahu a'laihi wasallam is not a father of you people, but he is the last one among all the Prophets. (Surah 33, Ayat 40). The beloved Prophet Sallal lahu a'laihi wasallam said in the Hadith, "I am the last Prophet, no prophet will come after me. (Mishkat, p.465)

3. All the creatures are created from him. The Prophet Sallal lahu a'laihi wasallam said, "awwalu maa Khaaqallahu Noori wa kullul Khalaiqi min Noori wa ana min-Noorillah", means, first Allah Subhanahu Ta'ala created my light and all the creatures

are from my light and I am the light of Allah Ta'ala.

4. His sacred name is mentioned in the foreheads of paradise and Arsh (the top of the seventh heaven).

5. All the heavenly books gave glad tidings of gracing with his presence (arrival).

6. All the idols fell down at the time of his Holy Birth

7. As per the will of Allah Subhanahu Ta'ala his shaqqe Sadr (heart was split by Jibreal Alaihis Salam) took place twice.

8. He was bestowed the dignity of Me'raj (bodily ascension), i.e. he saw Allah Ta'ala with his own eyes in the state of awareness and watchfulness and the Divine transport, i.e. unicorn (Buraq) was given to him for traveling. Hazrat Mulla Jivan said in his book (Tafseerate Ahmadiya, pg.330) the fact is that Hazrat Mohammed Sallal lahu a'laihi wasallam's ascension took place with body and soul. The person who says that the ascension took place with soul only or in his dream, he is anti Islam, deviated, deviator and a transgressor. The Beloved Prophet Sallal lahu a'laihi wasallam said in the Hadith that the unicorn, which was brought to me, was a white animal and it was higher than a donkey and lower than a mule in height. (Muslim)

9. The Holy Qur'an, which was descended on him, was kept safe from any type of alteration and transposition and Allah ta'ala himself took responsibility of its protection, eternity and perpetuation till the Day of Judgement. The holy Qura'n says, "No doubt we have sent down this Qur'an and we will assuredly guard it from corruption. (Surah 15, Ayat 9)

10. He was bestowed Ayatal Kursi (the oneness of Allah is depicted in it and a lot of its dignities are described in different traditions.

11. He was given the keys of the treasures of the whole earth. The Holy Prophet Sallal lahu a'laihi wasallam says, "I was bestowed the keys of the whole earth's treasures when I was sleeping." (Mishkat, pg. 512)

12. He was dignified by the miracle of Jawamiul Kalim

(eloquence of words) it means one or few words containing a lot of meanings and interpretations.
13. He is made unique by the bestowal of general Prophet hood. Means Hazrat Mohammed Sallal lahu a'laihi wasallam came to earth being a Prophet of all creatures and his Prophet hood will last till the Day of Judgment. Allah Subhanahu Ta'ala says in the Holy Qur'an, "O beloved; we sent not you but with messages enricling the entire mankind as a bearer of glad tidings and a Warner, but most of the people do not know. (Surah 34, ayat 28)
14. The miracle of Shaqqe Qamar (splitting of the moon) was exposed for the confirmation of his prophet hood. The Qur'an says, "The hour of judgment came close the moon was split. (Surah 37, Ayat 11) It was mentioned in the hadith that Hazrat Anas, the well-known companion of the Prophet Sallal lahu a'laihi wasallam asked him to show any miracle. The Prophet Sallal lahu a'laihi wasallam split the moon; consequently the people of Mecca saw the cave of Hira between the two pieces of the moon. (Bukhari, Muslim, Mishkat p.529)
15. Allah Subhanahu Ta'ala made the booty (Maale Ghanimat) halal (lawful) for his ummah.
16. Allah ta'ala made the entire earth the mosque and the contents of purification (Tayammum) for him.

From The Book "ZIKR-E-RAZA"

Surely All saw the splendid and sparkling signs of greatness that were glittering from the very outset of the Holy life of A'ala Hazrat. These amazing signs were his matchless memory, stunning intelligence, lovable innocent face and natural attraction towards learning and shariyat etc.
To Quote his Father's saying on the calibre of his early student life, "I don't teach you but you teach me."
As evidence the following miraculous events are presented.
(a) He mastered the whole Holy Qur'an when he was only 4 years old.

(b) He wrote the book, "Sharhe Hidayatun Nauh", in arabic at the age of 8.
(c) He gave his first Fatwa when he was 13.
(d) He completed his arabic education when he was 13 years and ten days old.
(e) He memorised the Holy Qur'an within a month.
(f) It is he on whom Khatimul Akabir Hadrat Sayed Shah Aale Rasool Marehravi bestowed Khilafat, permission of all Salaasil and accepted him as the most beloved disciple just after a glance in the first meeting,
(g) It is he about whom Hadrat Khatimul Akaabir said, "If Allah asks me on the day of Judgment what have you brought. I will put forth Ahmed Raza."
A'ala Hadrat himself reveals, "When I was three and a half years old, I was standing near the door of a mosque. A person white in complexion and dressed as an arab suddenly appeared before me and talked to me in arabic. I too replied in eloquent and elegant arabic."
As we all know, the greatness of a person does not depend on his worldly posessions or his good looks On the contrary, it solely depends on his strong religious belief steadfast love for Allah and his beloved Prophet (Peace be upon him), following the rules of Islam, Sunnah, the footprints of Sahaba-e-Kiram etc. All these qualities were the qualities of A'ala Hadrat.

TO CITE A FEW EXAMPLES....

(1) His strong belief in the righteousness of Hadith:

During an epidemic of plague in Bareilly, he was invited for a meal. As it is sunnah to accept an invitation, he accepted and partook in the meal. He was offered a beef based meal and so as not to offend the host he ate the beef (which he never did before). Consequently he was taken ill and a doctor confirmed that it was the plague. A'ala Hadrat refused any medicine and declared that he had already prayed the Dua prescribed by the

Holy Prophet (Peace be upon him).

The Dua is: "Alhamdu Lillahil-lazi A'afaani mim-mabtalaaka bihi wafaddalani ala katheerim mimman khalaqa tafdeela."

When the severe pain continued he further prayed.

"Alla-humma Saddiqil Habeeba wa kazzibit Tabeeb."

"O Allah! confirm the Holy saying of your beloved Prophet (Peace be upon him) and reject the view of the doctor.

The People were amazed to see that without any medicine he got rid of the pain and recovered.

(2) His extreme love for Allah and his Prophet

A'ala Hadrat's heart was full of the sacred love for Allah and his Prophet (Peace be upon him) and the love was so strong that he could not tolerate even a small disrespect towards the Prophet. His following statement says clearly:

"Anyone who defames the honour of our Prophet (Peace be upon him) must be thrown just as you remove a dead fly from fresh milk. Whether he be your dearest freind, relative or he be as well respected person in your community."

Ignorant people have taken objection by saying that A'ala Hadrat was an extremist and orthodox. They should be reminded that our Sahaba-e-Kiram were also like that They were severe and orthodox in belief, not in worldly affairs, on the contrary such severity is the result of true love of the Prophet (Peace be upon him) Hadrat Umar (Allah be pleased with him) is well known in this regard.

Allama Hidayatullah Muhajir madni said, "A'ala Hadrat is all the time deeply absorbed in the enchantment of our Holy Prophet's love and affection."

Whatever A'ala Hadrat wrote or said it was due to his profound knowledge of Islam and his immense love for Islam's founder.

Allama Ibrahim Farooqi says, "A'ala Hadrat's research works shall forever remain as beacon for those who transver faith."

Malik Ghulam Ali Naib Ameer Jamaate Islami says, "Love and affection for the Holy Prophet over flows from his pen in every line he writes."

HAMD

Praise to Allah the Almighty

I am though nothing but your servant, Allah!

I do call you every moment, Allah!

You are absolute independent unique

The whole world is your dependent, Allah!

Each and every thing is your lordship's sign

You have made flower fragrant, Allah!

You are all powerful you are also creator

Nothing is before your resistant, Allah!

To compose Naat in the English is my motive

May you make me in this efficient, Allah!

You make Ahle Sunnat strong and healthy

You save us from every ailment, Allah!

We admit our sins us forgiveness

You save us from your punishment, Allah!

Be acceptable this dua of Qudsi

Make him a Madina resident, Allah!

NAAT-E-PAAK

Praise to the loved Prophet

Sallal lahu Alaihi wasallam

Greater Greater Prophet Muhammed

For us well wisher Prophet Muhammed

Dua to Prophet heaven earth created

Be loved to Creator Prophet Muhammed

You cannot see powerful as he is

For each thing's owner Prophet Muhammed

Difficult to have this instance

Prophet Master Prophet Muhammed

He is every moment remaining with us

To us so closer Prophet Muhammed

We do not care of anyone's torment

Grievance Remover Prophet Muhammed

Pray with devotion Salaami O Qudsi

Salaami Receiver Prophet Muhammed

PRAISE TO ALLAH AND HIS PROPHET AND THE TEMPORARY WORLD

The All Powerful and worthy of worship is he,

Who brought everything into existence by just saying "Be"

Further he mentioned the order of death for all,

Eternity infact is specified for his being, not one and all

In the garden of this world each flower gives evidence of his creation,

May, every leaf directs us to his recognition

Pearls of praise be showered on his mercy continously

His blessingsand bounties are countless undoubtedly

He made the blessing of knowledge most excellent

Our sense is yearning for that knowledge which is esteemed and full of adornment

Upon whom he bestowed such dignity with this great blessing

He also made them continnue the Prophet's task with verve and zing

In it he has placed the power of his recognition

and upon whom he bestows it, it brightens his destination

Islamic Knowledge has been bestowed with such honour and reverence

That he had made it matchless and with unique preference

He made Shaahe Taiba The most Superior to all

and also made him the most perfect and most respectable of all

The blessings of Allah on our Prophet were so complete

This excellent reward bestowed on him was everlasting or concrete

His status was so elevated that Allah called him his beloved

and gave him everything with his power and control, how blessed

The importance of his remembrance is repeated to the Qur'an "Rafa'ana"

He is the greatest of all the chiefs of the world, Allahu Subhana

Surah 'Nashrah' describes the broadness of his illuminated heart

To him everything in the universe became manifest part by part

All the Prophets are proud of his sacred being

and the saints desire the consent of the King's king

In his company the soul of Ruhul Quds became cheerful and glad

To Kaleem Subhan pleasure and happiness with every word that was said

His head was covered by an Amamah of diploma in Islamic education

The cry of barakallah came from every direction

With the sound of Takbeer the Whole function echoed

everywhere goodwill, love and affection were being shown poured

He acquired the Ilme Ma'aqool from his Father

No doubt both of the Imam fulfilled the right of research rather

The competent teacher and student side by side

through this learned duo religious splendour spread far and wide

He managed the task of ifta as per his father's orders

and kept himself involved in strengthening the islamic borders

towards the last six months of the end of the thirteen Century

The religious guide departed for Marehra, famous for it's spirituality

Khaatimul Akabir Hadrat Sayed Shah Ale Rasool was zebe Sajjada that time

Being his disciple he inherited the crown of greatness in his prime

Having seen his capacity and his strong will

Khatimul akabir give him the caliphate and the permission of all Salasil

It was through his efficiency that he attained tareeqat's ocean and his charm

that he became so generous that the increased his spiritual realm

with the blessings of Allah and the favour of our Prophet

he attained a diploma in hadith his favourite subject

Description of his arrival at Harmain Sharifain, How honourable Ulema, reverant Muftian and Aimma presented a warm welcome and paid homage to him, the noteworthy recognition of one Shafai Imam about A'ala Hadrat and his mode of showing respect and the description of Sharh-e- Risaalate-e-Hajj (the innotation of the Book of Hajj)

After one year both Father and Son

Set out for arab with great gusto ad passion

All ahle Ifta of both the Holy Haram

worthy of noble quality and knowledge said welcome

His efficiency and competency had such a great impact

each young and old gave him in expressible honour and respect

he offered his maghrib Salaat near that eminent place

which is towards the door of the holy Ka'aba full of grace

while there by chance an exalted and ambitious man made his salaams

He was a learned person, an Imam of scholars and Imam of Imams

(Zikre Raza, page 13, 14, 15)

قدسیؔ کا فنِ خطابت: سیّد اولاد رسول قدسیؔ نے دینی قدروں کے فروغ کے لیے جن ذرائع کو وسیلہ بنایا ہے ان میں ایک ذریعہ تقریر بھی ہے۔ تقریر ایک ایسا ذریعہ تبلیغ ہے جس سے ہر طبقے کے لوگ مستفیض ہوتے ہیں۔ سماج میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے پاس دینی مسائل کی تعلیم و تفہیم کے لیے وقت نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن جمعہ، عیدین اور دینی قدروں کے فروغ کے نام پر وعظ و تقریر کی جو محافل و مجالس سجتی ہیں ان میں شرکت کے لیے وہ کسی نہ کسی طرح وقت نکال لیتے ہیں۔ چونکہ عام طور پر دینی محافل و مجالس فرصت کے اوقات میں رکھی جاتی ہیں تاکہ ہر طبقے کے لوگ آسانی کے ساتھ ان میں شریک ہو کر اپنی مذہبی پیاس بجھا سکیں۔ دینی محافل و مجالس کے جو اشتہارات چھپتے ہیں ان میں ہر طبقے سے شرکت کی اپیل کی جاتی ہے۔ لیکن ان محافل و مجالس کے شرکا میں بڑی تعداد عوام کی ہوتی ہے اور انہیں سے ان محافل و مجالس کا وقار بھی قائم ہے۔ جہاں تک خواص کا تعلق ہے تو یہ طبقہ ہر معاملے میں خود کو آسودہ سمجھتا رہا ہے۔ خواص کی شرکت کسی مجبوری یا مفاد کے تحت ہوتی ہے۔ الّا ماشاءاللہ۔ مقرر اگر ذی علم، ذی صلاحیت اور زبان و بیان پہ قدرت رکھتا ہے تو اس کی تقریر میں جادوئی اثر ہوتا ہے۔ عوامی جذبات و احساسات اس کے کنٹرول میں ہوتے ہیں وہ جب چاہتا ہے عوامی سوچ کا قبلہ بدل دیتا ہے۔ اس صلاحیت اور خوبی کے خطبا ہر زمانے میں دستیاب رہے ہیں لیکن کمیاب رہے ہیں۔

دینی محافل و مجالس میں شرکت سے فکر و خیال کو پاکیزگی ملتی ہے اور خوف و خشیت کے نور سے قلوب روشن ہوتے ہیں۔ اسی لیے صوفیا ذکر و فکر کی محافل سجاتے رہے ہیں۔ صوفیا کا ذکر اب کتابوں میں تو ملتا ہے نگاہیں انہیں دیکھنے سے محروم ہیں۔ آج جو لوگ خود کو جماعتِ صوفیا میں شمار کرتے ہیں ان کے کردار و عمل سے کتابی صوفیا کی پاکیزگی مشکوک ہو جاتی ہے۔ آج صوفیا کے لبادے میں گورکن ملتے ہیں اللہ ایسے قزاقوں سے جماعت اہلِ سنّت کو محفوظ و مامون رکھے۔ آمین۔

جس زمانے میں سیّد اولاد رسول قدسیؔ حصولِ علم میں مصروف تھے اسی زمانے میں

تقریر کو انہوں نے اپنا وسیلۂ اظہار بنایا۔ مذہبی ماحول میں پلنے اور بڑھنے کے سبب مسائل سے واقفیت اور زبان و بیان پہ تھوڑی بہت قدرت مل گئی تھی۔ والد ماجد کی صحبت سے عوام و خواص سے مخاطب ہونے کا سلیقہ بھی آ گیا تھا۔ عمر کا کارواں جیسے جیسے آگے بڑھتا رہا زبان میں شفافیت اور انداز میں نکھار آتا رہا۔ عصری علوم کا سرمایہ پہلے ہی سے تھا دینی علوم سے فراغت کے وقت ان کا شمار کہنہ مشق خطبا میں ہونے لگا تھا۔ دینی و عصری علوم کے امتزاج کے باعث صفِ خطبا میں انہوں نے اپنی جداگانہ پہچان بنالی تھی۔ دینی و عصری علوم میں مہارت، قابلِ توجہ شکل و شباہت اور نسبی وجاہت نے انھیں عوام و خواص کی عقیدتوں کا قبلہ بنا دیا تھا۔ اور ان کی یہ حیثیت آج بھی محفوظ ہے بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ زمینی بُعد سے عقیدتیں کمزور نہیں ہوئی ہیں اور چاہتوں میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ ملک کے جن شہروں میں ان کا خطاب ہو چکا ہے وہاں کی زمینیں آج بھی انہیں آواز دے رہی ہیں۔ آج مارکیٹ میں جو خطبا سکۂ رائج الوقت کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں اکثریت ایسوں کی ہے جن کے املے درست ہیں نہ جملے درست ہیں۔ عوام کا ذوقِ سماعت دن بدن بگڑتا جا رہا ہے۔ اکثر خطبا نے اپنی فیس متعین کر رکھی ہے متعینہ فیس میں اگر سو پچاس کم ہے تو آپس میں تکرار شروع ہو جاتی ہے۔ خطبا کی اکثریت نے اپنی جو روش بنا رکھی ہے، اس سے مذہبی روایات کی شفافیت داغدار ہو رہی ہے۔ قدسیؔ اس طرح کی ذہنیت کے سخت مخالف ہیں ان کا کہنا ہے کہ خطبا کو ایسی روش سے گریز کرنا چاہیے شریعت میں جس کی گنجائش نہ ہو۔ علما کی حیثیت وارثینِ انبیا کی ہے انبیا کرام علیہم السلام کے وارثین کے پیشِ نگاہ ہر وقت انبیا کرام کی سیرت ہونی چاہیے۔ جو شخص انبیا کرام کی وراثت کا احترام نہ کرے وہ انبیا کرام کا وارث نہیں ہو سکتا۔

سیّد اولادرسول قدسیؔ نے تقریری دنیا میں بازاری فکر کو کبھی قبول نہیں کیا اور نہ بازاری طرزِ گفتگو کی کبھی حمایت کی۔ ان کی تقریر کا ہر پیراگراف دلائل سے مزین ہوتا ہے۔ ان کی ہر گفتگو کا ایک عنوان ہوتا ہے۔ وہ دورانِ گفتگو عنوان سے کبھی ہٹتے نہیں ہیں۔ کبھی کبھی قرآن و

احادیث سے جب دلائل پیش کرنے پہ آتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کے تیس پارے ان کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور احادیث کی ساری کتابیں ان کے ذہن میں محفوظ ہیں یعنی ان کی ہر تقریر عوام وخواص کے لیے سامانِ عبرت وبصیرت ہوتی ہے۔ ان کے خطبات کی تدوین وترتیب کا کام چل رہا ہے۔ ''خطباتِ قدسی'' کے عنوان سے جلد ہی اس کی اشاعت ہونے والی ہے۔ ''خطباتِ قدسی'' کی جب اشاعت ہوگی تو قارئین کو ہمارے دعوے کی صداقت کا عرفان ہو جائے گا۔

نعت اصنافِ نعت

نعت اصنافِ ادب کی سب سے مقدس ومحترم اور پاکیزہ صنف ہے۔ لفظِ نعت اپنی ابتدائے آفرینش سے تا حال صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف وخصائل، شمائل وفضائل اور مدح وتوصیف کے اظہار کے لیے مختص ہے۔ نعت کا شمار دیگر اصنافِ سخن میں ایک معتبر ومحترم اور تقدس مآب صنف کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ ہر چند کہ نعت ہر زبان میں کہی جا رہی ہے لیکن بعض ناقدین کے نزدیک نعت اب بھی صنفِ سخن کا درجہ نہیں پا سکی۔ بہ قول اُن کے وجہ صرف اتنی ہے کہ نعت کی کوئی متعین ہیئت نہیں ہے۔ جب کہ صنفی شناخت کے لیے صرف ہیئت معیار نہیں بلکہ موضوع بھی بہت اہم کردار ادا کرتا ہے اور موضوعی اہمیت کے

لحاظ سے نعت وہ مہتم بالشان صنف ہے کہ دوسری کوئی صنف اس کے پاسنگ برابر بھی نہیں۔ نعت ہماری شاعری کی سب سے زیادہ محبوب، طاقت ور، مؤثر، پاکیزہ، تنوع اور مقدار و معیار کے اعتبار سے نمایاں اور ممتاز صنف ہے۔ اس ضمن میں اربابِ علم وفن کی گراں قدر آرا نشانِ خاطر ہوں:

ظہیر غازی پوری:

''نعت بلا شبہ ایک اہم اور قابلِ توجہ صنفِ سخن ہے۔ اردو نعت نے جب ایک مستقل صنف کا درجہ حاصل کر لیا ہے تو اس کے فنّی حسن و قبح پر بے باکانہ انداز میں گفتگو ہونی چاہیے تاکہ قارئین اور تخلیق کار دونوں حقائق سے واقف ہو سکیں۔

ڈاکٹر سید وحید اشرف:

''نعت یقیناً ایک صنفِ شاعری ہے اور فارسی میں ایم اے کے نصاب میں فارسی نعتیہ قصیدے شامل ہیں۔ اردو میں جب مرثیہ کو نصاب میں شامل کیا جا سکتا ہے تو نعتیہ شاعری کو کیوں نہیں شامل کیا جا سکتا۔''

ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برقؔ داناپوری:

''حمد، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، سلام وغیرہ کی طرح نعت بھی اردو، فارسی کی ایک مستقل صنفِ سخن کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔ لہٰذا نعت اردو شاعری کے اصنافِ سخن میں یقیناً شامل ہے۔''

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی:

''یہ صنف (نعت) اسلامی ارادت وعقیدت کی بنا پر ہی نہیں بلکہ اپنے شعری محاسن کی وجہ سے بھی بے مثال ہے۔ اس لیے دوسری اصنافِ سخن میں یہ بھی شمار ہوتی ہے اور بے حد مقبول ہے۔''

ساجد لکھنوی:

''اصنافِ سخن میں نعت ہی ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس کا دنیا کی ہر زبان کے ادب

میں بہت کافی سرمایہ موجود ہے اور ہر مذہب اور ملت کے شاعر نے اس صنفِ سخن کے اضافے میں حصہ لیا ہے اور فخر کائنات، سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانۂ عقیدت ومحبت پیش کیا ہے۔''

ڈاکٹر محبوب راہی:

''نعت کے اردو کی صنفِ سخن ہونے سے کون انکار کرسکتا ہے۔نواسۂ رسول ﷺ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقا کے غم کے اظہار کے لیے اردو شاعری نے مرثیہ جیسی متاثر کن اور زندۂ جاوید صنف کو زندہ کیا تو کیا خود سرورِ کائنات کے تئیں اظہارِ عقیدت کے لیے ''نعت'' ایک آزاد صنفِ سخن قرار نہیں دی جاسکتی۔اوروں کی رائے کچھ بھی ہو میری اپنی حتمی رائے ''نعت'' کے اردو شاعری کی ایک لاثانی اور لافانی صنفِ سخن قرار دیے جانے کے حق میں ہے۔''

ڈاکٹر شمس الرحمن فاروقی:

''آپ نے حمد کو صنفِ سخن میں شمار کیا ہے اور صحیح شمار کیا ہے۔اسی انداز کی چیز نعت بھی ہے۔یعنی یہ صنفِ سخن اس معنی میں ہے کہ اس کا موضوع متعین ہے، اگرچہ ہیئت متعین نہیں۔ملحوظ رہے کہ بعض اصناف موضوع سے زیادہ اپنی ہیئت سے پہچانی جاتی ہیں۔جیسے غزل، رُباعی۔بعض اصناف میں ہیئت اور موضوع دونوں کی قید ہوتی ہے جیسے قصیدہ۔اور بعض اصناف صرف موضوع کی بنا پر پہچانی جاتی ہیں۔مثلاً مرثیہ، حمد، نعت وغیرہ۔لہٰذا نعت کو صنف قرار دینے میں کوئی قباحت نہیں۔اسے ہمیشہ صنف ہی قرار دیا گیا ہے۔''

لہٰذا تمام گراں قدر خیالات ونظریات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جس طرح حمد، غزل، قصیدہ، مرثیہ، رباعی، مستزاد، مثنوی وغیرہ میں اصنافِ سخن کی ہیئت وساخت کی واضح شکل نظر آتی ہے، نعت کی کوئی خاص ہیئت وساخت کا تعین اب تک نہیں ہوسکا ہے۔ بہرحال اسے غزل، مثنوی، قصیدہ، رُباعی، قطعہ، مرثیہ، مستزاد، مسدّس، مخمس، دوہا، ماہیا، سانیٹ، ترائیلے، ہائیکو، ثلاثی وغیرہ میں لکھا جاسکتا ہے۔اس صنفِ سخن کی مقبولیت اور عالم

گیریت میں بہ تدریج اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ نعت اپنے ابتدائی دور میں قصیدے کے فارم میں کہی جاتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عربی کی شاعری میں جہاں نعت گوئی کا آغاز ہوا مافی الضمیر کے اظہار کے لیے قصیدے کی ہیئت رائج تھی۔ یہاں یہ کہا جاسکتا کہ نعت عصری اور زمانی تقاضوں کی ہم مزاج صنف ہے کیوں کہ جس عہد میں جو صنفِ سخن مروج تھی اسی میں نعتیہ کلام تحریر کیا گیا۔ غزل چوں کہ ہماری شاعری کی مقبول صنف ہے اور ہر دَور میں اپنی داخلی خصوصیات اور ہیئت کے سبب پسندیدہ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعتیہ مضامین کے لیے بھی سب سے زیادہ غزل کی صنف ہی مستعمل رہی ہے۔ ساجد لکھنوی کے بہ قول:

''ابتدائے اردو شاعری سے اگر آپ بہ نظرِ غائر مطالعہ کریں تو آپ کو پچانوے فی صد نعتیں غزل کے فارم میں ملیں گی۔''

یہاں یہ کہنا غیر مناسب ہوگا کہ نعت گوئی کا سلسلہ اردو میں ابتدا ہی سے جاری ہے۔ اردو کا غالباً ایک بھی شاعر خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، سکھ ہو یا عیسائی، یا کسی اور عقیدے کا ایسا نہ ملے گا کہ اس نے نعت نہ کہی ہو۔ یہ اردو کے اپنے مزاج اور تہذیب کی دین ہے۔ ذخیرۂ نعت کے مطالعہ کی روشنی میں یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداءً فارسی اور اردو میں لکھی گئی نعتیں زیادہ تر غزل کی ہیئت میں ہیں۔ پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ نعت ایک موضوعی صنف ہے، وہ کسی ایک ہیئت میں محصور نہیں رہی۔ بالخصوص اردو میں یہ قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، قطعہ، رباعی، نظم، معریٰ نظم، آزاد نظم، آزاد غزل، مخمس، مسدس، مثلث، مربع، ثلاثی، سانیٹ، ہائیکو، ترائیلے، ماہیے، دوہا، کہہ مکرنی، وغیرہ تک لکھی جارہی ہے اور اس لیے موضوعی تقدس کے شانہ بشانہ ہیئتی تنوع کے لحاظ سے بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ نعت سب سے زیادہ طاقت ور، مؤثر، نمایاں اور ممتاز صنفِ سخن ہے اور یہ صرف اپنے موضوعی تقدس اور اسلامی ارادت کی بنا پر ہی نہیں بلکہ اپنے شعری محاسن کی وجہ سے بھی بے مثال صنف تصور کی جاتی ہے۔

آج جب ہم ادب کے شعری اثاثے عموماً نعتیہ شاعری کا خصوصاً تحقیقی مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات مکمل طور پر عیاں ہوجاتی ہے کہ نعت گوئی ادب کی جملہ اصناف میں جاری و

ساری ہے۔ ادب کی مختلف اصناف میں لکھے گئے نعتیہ کلام کی مثالیں ذیل میں خاطر نشین کریں۔

صنفِ غزل میں نعت:

غزل اردو شاعری کی ایک ہر دل عزیز صنفِ سخن ہے۔ ہر دور میں شعرا نے اس صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ اردو شاعری کا بہت بڑا سرمایہ غزل کی شکل میں محفوظ ہے۔ غزل کے معنی ''سخن با یار گفتن'' کے ہیں۔ عشق و محبت غزل کے خمیر میں داخل ہے۔ لیکن غزل صرف محبت کے موضوعات ہی تک محدود نہیں۔ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں سماجی و سیاسی مسائل، فلسفہ و تصوف اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی موجود ہے۔

ظاہری ساخت کے اعتبار سے غزل کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ اسے مطلع کہا جاتا ہے۔ پہلے مطلع کے بعد آنے والے مطلع کو حسنِ مطلع کہتے ہیں۔ آخری شعر میں شاعر اپنا تخلص پیش کرتا ہے، جسے مقطع کہتے ہیں۔ غزل کے تمام مصرعے کسی ایک بحر میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح شاعر کو قافیہ و ردیف کی پابندی بھی کرنی پڑتی ہے۔ غزل کا ہر شعر ایک مکمل اکائی ہوتا ہے، جو جداگانہ مضامین کی عکاسی کرتا ہے۔

اردو شاعری کی ابتدا سے غزل نے مقبولیت حاصل کر لی تھی اور تا حال اس میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ قلی قطب شاہ معانیؔ سے لے کر باقیؔ تک عوام و خواص میں غزل کی مقبولیت حیرت انگیز ہے۔ موجودہ زمانے میں فلم اور ٹی وی کے پھیلاؤ نے موسیقی میں غزل گائیکی کو بھی خاصا رواج دیا اور عوام میں پسندیدہ بنایا ہے۔

اس میں ولیؔ، میرؔ، سوداؔ، انشاؔ، آتشؔ، مصحفیؔ، ناسخؔ، ذوقؔ، مومنؔ، غالبؔ، ظفرؔ، داغؔ، اکبرؔ، اقبالؔ، جوشؔ، فراقؔ، یگانہؔ، حسرتؔ، جگرؔ، ریاضؔ، اصغرؔ، آرزوؔ، تاباںؔ، مجروحؔ، جذبیؔ، اخترؔ، ناصرؔ، شکیبؔ، باقیؔ، ظفر اقبالؔ، زیبؔ، خلیلؔ اور ندؔا وغیرہ نے عہد بہ عہد نام پیدا کیا ہے۔ ان شعرا کی غزل کا مطالعہ زبان اور اس کے شعری برتاؤ کی تبدیلیوں اور غزل کی مختلف روایات کا مطالعہ بھی ہے۔

غزل ہر دَور میں اپنی داخلی خصوصیات اور ہیئت کے سبب پسندیدہ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعتیہ مضامین کے لیے بھی سب سے زیادہ غزل کی صنف ہی مستعمل رہی ہے۔ بیش تر شعرا نے غزل ہی کے فارم میں نعتیں کہی ہیں۔ ذیل میں مفتی اعظم علامہ مصطفی رضا نوری بریلوی کا غزل کی ہیئت میں تحریر کیا گیا نعتیہ کلام نشانِ خاطر کیجیے ؎

قفسِ جسم سے چھٹتے ہی یہ پرّاں ہوگا   مرغِ جاں گنبدِ خضرا پہ غزل خواں ہوگا
روز و شب مرقدِ اقدس کا جو نگراں ہوگا   اپنی خوش بختی پہ وہ کتنا نازاں ہوگا
اس کی قسمت کی قسم کھائیں فرشتے تو بجا   عید کی طرح وہ ہر آن میں شاداں ہوگا
اس کی فرحت پہ تصدق ہوں ہزاروں عیدیں   کب کسی عید میں ایسا کوئی فرحاں ہوگا
چمنِ طیبہ میں دل کی جو کلی کھلتی ہے   کیا مدینہ سے سوا روضۂ رضواں ہوگا
آپ آجائیں چمن میں تو چمن جانِ چمن   خاصا اک خاک بسر دشتِ مغیلاں ہوگا
جانِ ایماں ہے محبت تری جانِ جاناں   جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا
دردِ فرقت کا مداوا نہ ہوا اور نہ ہو   کیا طبیبوں سے مِرے درد کا درماں ہوگا
نورِ ایماں کی جو مشعل رہے روشن پھر تو   روز و شب مرقدِ نوریؔ میں چراغاں ہوگا

اِک غزل اور چمکتی سی پڑھو اے نوریؔ
دل جلا پائے گا میرا ترا احساں ہوگا

صنفِ قصیدہ میں نعت:

قصیدے کی ابتدا عربی شاعری سے ہوئی۔ عربی سے یہ صنفِ سخن فارسی شاعری میں پہنچی اور فارسی کے اثر سے اردو شاعری میں اس صنفِ سخن کو فروغ حاصل ہوا۔ قصیدہ ایک موضوعی صنفِ سخن ہے۔ جس میں کسی کی مدح یا ہجو کی جاتی ہے۔ لیکن زیادہ تر قصائد مدح و توصیف ہی کی غرض سے لکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مناظرِ قدرت، پند و نصائح، معاشی بدحالی، سیاسی انتشار وغیرہ جیسے موضوعات بھی قصیدے میں بیان کیے جاتے ہیں۔ قصیدے

کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں: (۱) تشبیب (۲) گریز (۳) مدح (۴) دُعا یا حُسنِ طلب۔
پہلا شعر قصیدے کا مطلع کہلاتا ہے۔ یہاں سے قصیدے کا پہلا جز و تشبیب شروع ہوتا ہے۔ اس میں شاعر اپنے تعلق سے فخر و امتنان پر مشتمل اشعار کہتا ہے۔ دوسرا جز و گریز جیسا کہ نام سے ظاہر ہے شاعر اپنی تعریف ترک کر کے ممدوح کی مدح و توصیف کی سمت رجوع کرتا ہے۔ اس کے بعد مدح کا مرحلہ آتا ہے، جو تشبیب سے طویل تر ہوتا ہے۔ اگرچہ ذوقؔ و غالبؔ کے قصیدوں میں مدح کے اشعار کم تعداد میں ملتے ہیں۔ حُسنِ طلب اس کے بعد کی منزل ہے، جس میں قصیدہ خواں اپنے ممدوح کی جانب سے لطف و اکرام کی توقع ظاہر کرتا ہے۔ پھر ممدوح کے لیے دعا پر قصیدہ ختم ہو جاتا ہے۔ جس قصیدے میں اس کے تمام اجزائے ترکیبی موجود ہوں اور جس میں راست ممدوح سے خطاب کیا گیا ہو، اسے خطابیہ قصیدہ کہتے ہیں۔ قصیدے میں یوں تو صرف مدح خوانی مقصود ہوتی ہے، لیکن اکثر قصائد میں ہجویہ، واعظانہ اور دوسرے بیانیہ مضامین بھی نظم کیے گئے ملتے ہیں۔ اس اعتبار سے انھیں مدحیہ، ہجویہ، واعظانہ وغیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ اردو میں سوداؔ، انشاؔء، ذوقؔ اور غالبؔ کے قصائد معروف ہیں۔ مدح و توصیف کے مقصد سے بعض شعرا نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور دیگر اکابرِ دین کے بھی قصیدے لکھے ہیں۔ جن میں مومنؔ، محسنؔ، رضاؔ بریلوی، عبدالعزیز خالدؔ اور بہت سے دوسرے نئے شعرا کے نام آتے ہیں۔ ذیل میں حضرت نوری بریلوی کا صنفِ قصیدہ میں تحریر کیا گیا نعتیہ کلام خاطر نشین ہو ؎

بہ خطِ نور اس در پر لکھا ہے — یہ بابِ رحمت ربِّ عُلا ہے
سرخیرہ جو اس در پر جھکا ہے — ادا ہے عمر بھر کی جو قضا ہے
مقابل در کے یوں کعبہ بنا ہے — یہ قبلہ ہے تو تُو، قبلہ نما ہے
یہاں سے کب کوئی خالی پھرا ہے — سخی داتا کی یہ دولت سرا ہے
جسے جو کچھ ملا جس سے ملا ہے — حقیقت میں وہ اس در کی عطا ہے
یہاں سے بھیک پاتے ہیں سلاطیں — اسی در سے انھیں ٹکڑا ملا ہے

شبِ معراج سے ظاہر ہوا ہے ‌ ‌ ‌ رُسل ہیں مقتدی تو مقتدا ہے
خدائی کو خدا نے جو دیا ہے ‌ ‌ ‌ اسی در سے اسی گھر سے ملا ہے
شہ عرش آستاں اللہ اللہ! ‌ ‌ ‌ تصور سے خدا یاد آرہا ہے
یہ وہ محبوبِ حق ہے جس کی رویت ‌ ‌ ‌ یقیں مانو کہ دیدارِ خدا ہے
رمی جس کی رمی ٹھہری خدا کی ‌ ‌ ‌ کتاب اللہ میں اللہ رمیٰ ہے
ہَوا سے پاک جس کی ذاتِ قدسی ‌ ‌ ‌ وہ جس کی بات بھی وحیِ خدا ہے
وہ یکتا آئینہ ذاتِ اَحد کا ‌ ‌ ‌ وہ مرأتِ صفاتِ کبریا ہے
جہاں ہے بے ٹھکانوں کا ٹھکانہ ‌ ‌ ‌ جہاں شاہ و گدا سب کا ٹھیا ہے
کرم فرمایئے اے سرورِ دیں ‌ ‌ ‌ جہاں منگتوں کی یہ پیہم صدا ہے
خزانے اپنے دے کے تم کو حق نے ‌ ‌ ‌ نہ قاسم ہی کہ مالک کر دیا ہے
جسے جو چاہو جتنا چاہو دو تم ‌ ‌ ‌ تمھیں مختارِ کل فرما دیا ہے
نہیں تقسیم میں تفریق کچھ بھی ‌ ‌ ‌ کہ دشمن بھی یہیں کا کہہ رہا ہے
ضیائے کعبہ سے روشن ہیں آنکھیں ‌ ‌ ‌ منور قلب کیسا ہوگیا ہے
مَے محبوب سے سرشار کردے ‌ ‌ ‌ اویسِ قرنی کو جیسا کیا ہے
گما دے اپنی اُلفت میں کچھ ایسا ‌ ‌ ‌ نہ پاؤں مَیں میں مَیں جو بے بقا ہے

عطا فرما دے ساقی جامِ نوری
لبا لب جو چہیتوں کو دیا ہے

صنفِ رُباعی میں نعت:

رُباعی اس نظم کو کہتے ہیں جس میں صرف چار مصرع ہوں۔ پہلا، دوسرا اور چوتھا ہم قافیہ ہو، دوسرا شعر خصوصاً چوتھا مصرع نہایت بلند اور عجیب ہوتا ہے کہ سننے والا متحیر ہو جائے۔ یوں تو چار مصرعوں میں ایک ہی مضمون قطعہ میں بھی بیان کیا جاتا ہے لیکن چار مصرعوں کے قطعے کے لیے کوئی عروضی وزن مخصوص نہیں، جب کہ رباعی بحرِ ہزج کے چوبیس مخصوص اوزان

میں کہی جاتی ہے۔ وزن کی قید کے باوجود رباعی میں اتنا تصرف جائز ہے کہ ایک ہی رباعی میں چاروں مصرعے چوبیس میں سے چار مختلف اوزان لے کر کہے جا سکتے ہیں۔ عروضیوں نے لاحول و لاقوۃ الّا باللہ کے وزن کو بھی رباعی کا وزن قرار دیا ہے۔

رباعی اور غزل کے موضوعات میں فرق صرف دو اور چار مصرعوں میں بیان کرنے کا ہے۔ اگر چہ رباعی میں یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ اس کا چوتھا مصرع ''زوردار'' ہو، یعنی اس میں خیال کی بلندی پائی جائے کہ سننے والا متحیر ہو جائے۔

رباعی کی ایجاد کا سہرا فارسی شاعر رودکیؔ کے سر باندھا جاتا ہے۔ عمر خیامؔ نے صرف رباعیاں کہی ہیں، جن کے سبب مشہور عالم شعرا میں اس کا شمار ہونے لگا۔ اردو میں یہ صنفِ شعر ابتدا ہی سے موجود ہے اور اس پر طبع آزمائی استادِ فن ہونے کے مترادف خیال کی جاتی ہے۔ میرؔ، سوداؔ، ناسخؔ، انیسؔ، دبیرؔ، غالبؔ، مومنؔ اور ذوقؔ سے لے کر امجدؔ، جوشؔ، فراقؔ، یگانہؔ، اکبرؔ، اقبالؔ، فانیؔ، اخترؔ، سہیلؔ اور رواںؔ وغیرہ شعرا نے رباعیاں کہی ہیں۔ ہمارے شعرا نے نعتیہ موضوعات کے اظہار کے لیے رباعی کا بھی سہارا لیا۔ چناں چہ اس میں نعتیہ کلام بہ کثرت ملتے ہیں۔ ذیل میں حضرت نوریؔ بریلوی کی نعتیہ رباعیاں خاطر نشین کیجیے ؎

دنیا تو یہ کہتی ہے سخن ور ہوں میں
ارے شعرا کا آج سرور ہوں میں
میں یہ کہتا ہوں یہ غلط ہے سو بار غلط
سچ تو ہے یہی کہ سب سے احقر ہوں میں

بدکار ہوں مجرم ہوں سیاہ کار ہوں میں
اقرار ہے اس کا کہ گنہ گار ہوں میں
بہ ایں ہمہ ناری نہیں نوری ہوں ضرور
مومن ہوں تو فردوس کا حق دار ہوں میں

صنفِ قطعہ میں نعت:

قطعہ کے معنی ٹکڑے کے ہوتے ہیں۔ اصطلاحاً قصیدے یا غزل کی طرح مقفّا چند اشعار جن کا مطلع نہیں ہوتا اور جن میں ایک ہی مربوط خیال پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی قطعہ نظم نگاری کی ایک ہیئت ہے۔ قطعے میں کم سے کم دو اشعار ہونے چاہئیں، زیادہ کی تعداد مقرر نہیں۔ اردو میں اقبالؔ، چکبستؔ، سیمابؔ اور جوشؔ وغیرہ کے قطعے مشہور ہیں۔ شعرا نے قطعہ میں بھی نعتیہ موضوعات کو برتا ہے۔ حضرت نوریؔ بریلوی کا نعتیہ قطعہ ملاحظہ کیجیے ؎

کفشِ پا ان کی رکھوں سر پہ تو پاؤں عزت
خاکِ پا ان کی ملوں منھ پہ تو پاؤں طلعت
طیبہ کی ٹھنڈی ہوا آئے تو پاؤں راحت
قلبِ بے چین کو چین آئے تو جاں کو راحت

صنفِ مرثیہ میں نعت:

مرثیہ عربی لفظ ''رُثاءٗ'' بہ معنی ''مُردے پر رونا'' سے مشتق ہے۔ قدیم ترین موضوعی صنفِ سخن ہے۔ دنیا بھر کی شاعری میں جس کے عمدہ نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔ ہومرؔ کی ''ایلیڈ''، فردوسیؔ کا ''شاہ نامہ'' اور ویاسؔ کی ''مہا بھارت'' جیسی رزمیہ نظموں سے لے کر مرثیے کا سلسلہ واقعاتِ کربلا کے رزمیوں تک پھیلا ہوا ہے۔ رزم میں کام آنے والے سورماؤں کے سوگ اور ماتم کے علاوہ مرثیہ بزرگانِ قوم، خویش واقارب اور مشاہیر کی موت پر بھی لکھا گیا ملتا ہے۔ کربلا کو موضوع بنا کر کہے گئے مراثی کربلائی اور دیگر شخصیات پر کہے گئے مراثی شخصی مرثیے کہلاتے ہیں۔

اردو شاعری میں مرثیہ واقعاتِ کربلا کو موضوع بنا کر کہی گئی نظموں سے بہ طورِ صنف قائم ہوا۔ قدیم دکنی شعرا اشرف بیابانیؔ، محمد قطب شاہ قلیؔ، ملّا وجہیؔ، غواصیؔ، فائزؔ، شاہیؔ، کاظمؔ، ابنِ نشاطیؔ، ہاشمیؔ، نصرتیؔ وغیرہ کے کلام کو مرثیے کا نقطۂ آغاز قرار دیا جاسکتا ہے۔ شمالی ہند میں بھی یہ روایت اسی زمانے میں اسماعیلؔ امروہوی، آبروؔ، یک رنگؔ، حاتمؔ، مسکینؔ، حزیںؔ،

غمگینؔ، فضلیؔ وغیرہ کے کلام میں ملتی ہے۔ میرؔ وسوداؔ نے مربع بندوں میں کثرت سے کربلائی مرثیے نظم کیے ہیں۔ اس ہیئت کے علاوہ مرثیہ مختلف ہیئتوں میں بھی لکھا گیا ہے، لیکن لکھنوی شعرا نے اس صنف کے لیے مسدس کی ہیئت اختیار کر لی اور مسلسل تقلید نے جسے مرثیے کی روایت بنا دیا۔ میر ضمیرؔ، میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ نے مرثیہ نگاری میں فن کارانہ اضافے کیے۔ گویا انھیں پر اس صنف کا اتمام ہو گیا۔ جہاں دیگر اصناف میں نعتیہ کلام ملتے ہیں، وہیں مرثیہ میں بھی نعتیہ موضوع پر شعرا نے بند تحریر کیے ہیں۔ مرثیے میں نعتیہ بند کی مثال نشانِ خاطر کیجیے ؎

خواہاں نہیں یاقوتِ سخن کا کوئی گر آج
ہے آپ کی سرکار تو یا صاحبِ معراج
اے باعثِ ایجادِ جہاں، خلق کے سرتاج
ہوجائے گا دم بھر میں غنی بندۂ محتاج
اُمید اسی گھر کی، وسیلہ اس گھر کا
دولت یہی میری، یہی توشہ ہے سفر کا
میں کیا ہوں، مِری طبع ہے کیا، اے شہ شاہاں
حسّان و فرزدق ہیں یہاں عاجز و حیراں
شرمندہ زمانے سے گئے وائل و سحباں
قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں
کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
لُکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

صنفِ مستزاد میں نعت:

لفظی معنی ''اضافہ کیا گیا''۔ اصطلاحاً ایسی نظم، غزل یا رباعی کو کہتے ہیں جس کے ہر مصرع یا شعر کے بعد ایسا زائد ٹکڑا لگا ہو جو اسی مصرع یا شعر کی معنویت سے مربوط یا غیر

مربوط اور مصرع سے ہم قافیہ یا غیر ہم قافیہ لیکن ہم وزن فقرے سے ہم قافیہ فقروں کا اضافہ کیا گیا ہو۔ اضافہ کیا گیا فقرہ اگر مصرعے سے مربوط نہ ہو تو اسے مستزادِ عارض اور مربوط ہو تو مستزادِ لازم کہتے ہیں۔ مستزاد میں اضافی فقروں کی تعداد متعین نہیں، یعنی یہ ایک سے زائد ہو سکتے ہیں۔ اس صنف میں نعتیہ کلام کا نمونہ امام احمد رضا بریلوی کے مجموعۂ کلام ''حدائق بخشش'' سے خاطر نشین کیجیے ؎

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا
تمہیں حاکمِ برایا، تمہیں قاسمِ عطایا
تمہیں دافعِ بلایا، تمہیں شافعِ خطایا
کوئی تم سا کون آیا
یہی بولے سدرہ والے، چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے، ترے پائے کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا

صنفِ مثنوی میں نعت:

مثنوی اس نظم کو کہتے ہیں جس میں شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیہ آئے اور ہر شعر کے دونوں مصرعوں کے قافیے الگ الگ ہوں۔ محققین اسے ایرانیوں کی ایجاد بتاتے ہیں۔ عربی میں یہ صنف نہیں پائی جاتی، البتہ رجز اس سے ملتی جلتی صنف ہے۔ شبلی کہتے ہیں کہ رجز کو دیکھ کر ایرانیوں نے مثنوی ایجاد کی، جو ایک ہیئتی صنف ہے۔ جس میں کسی بھی موضوع کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مخصوص معنوں میں اسے عشقیہ منظوم داستان تصور کیا جاتا ہے۔ اس میں ابیات کی تعداد متعین نہیں۔ یہ چند ابیات سے لے کر سیکڑوں ابیات پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ اس کی ہر بیت معنوں میں نامکمل ہو۔ یعنی تمام ابیات مل کر خیال و

موضوع کی اکائی تشکیل دیں۔ ''بوستانِ سعدی'' کی حکایات مختصر مثنویاں ہیں، جب کہ مولانا رومؔ کی ''مثنوی'' طویل ترین مثنوی خیال کی جاتی ہے۔ اردو میں بھی عشقیہ مثنویوں کے ساتھ فلسفیانہ، واعظانہ اور اخلاقی مثنویاں بہ کثرت موجود ہیں۔

عام طور سے رزمیہ شاعری کے لیے بحرِ متقارب اور بزمیہ کے لیے بحرِ ہزج یا بحرِ سریع مستعمل ہے۔ مثنوی کے عناصر یہ ہیں:

(۱) حمد و نعت (۲) مدح فرماں روائے وقت (۳) تعریفِ شعر و سخن (۴) قصد یا اصل موضوع (۵) خاتمہ۔۔۔ بہت سے مثنوی نگاروں نے ان روایتی پابندیوں سے انحراف کیا ہے۔ حمد و نعت جس کا التزام عام طور سے شعرا کرتے ہیں، میرؔ اور سوداؔ کی ہجویہ مثنویاں ان سے بھی خالی ہیں۔ جہاں تک مثنوی کے مضامین اور موضوعات کا تعلق ہے، تو اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مذہبی واقعات، رموزِ تصوف، درسِ اخلاق، داستانِ حُسن و محبت، میدانِ کارزار کی معرکہ خیزی، بزمِ طرب کی دل آویزی، رسوماتِ شادی، مافوق الفطرت کے حیرت زا کارنامے سبھی کچھ مثنویوں کا موضوع ہیں۔ اس طرح مثنوی کے مضامین میں بڑی وسعت اور ہمہ گیری ہے۔

اردو میں کلاسیکی اور روایتی شاعری اس صنف سے مالا مال ہیں۔ میراںؔ جی، نظامیؔ، اشرف بیابانیؔ، جانمؔ، عبدلؔ، ملّا وجہیؔ، غواصیؔ، مقیمیؔ، نصرتیؔ، ابن نشاطی، سراجؔ، شفیقؔ، جعفرؔ زٹلی، فائزؔ، آبروؔ، حاتمؔ، اثرؔ، میرؔ، سوداؔ، انشاؔ، مومنؔ اور شوقؔ وغیرہ کی مثنویاں مشہور ہیں۔ مثنوی نگار شعرا میں میر حسنؔ کے حصے میں جو مقبولیت اور شہرت آئی، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اردو مثنوی کی تاریخ میر حسنؔ کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔ علاوہ ازیں غالبؔ نے فارسی میں کئی مثنویاں لکھی ہیں اور اردو میں ایک مختصر مثنوی ''در صفتِ انبہ''۔ حالیؔ، اقبالؔ اور جوشؔ کا کلام بھی اس سے خالی نہیں۔ ترقی پسند شعرا میں سردار جعفری نے ''نئی دنیا کو سلام'' اور جدید شعرا میں قاضی سلیم نے ''باغبان و گل فروش'' لکھ کر روایتی ہیئت میں اس صنف پر طبع آزمائی کی ہے۔ حمد و نعت تو مثنوی کے عناصر میں شامل ہیں۔ ذیل میں مشہور مثنوی نگار میر

حسنؔ کی مثنوی سے نعتیہ اشعار پیش ہیں ؎

نبی کون یعنی رسولِ کریم　　نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم
ہُوا گو کہ ظاہر میں اُمّی لقب　　پہ علمِ لدُنی کھلا دل پہ سب
کیا حق نے نبیوں کا سردار اُسے　　بنایا نبوت کا حق دار اُسے
محمد کے مانند جگ میں نہیں　　ہوا ہے نہ ایسا، نہ ہوگا کہیں

صنفِ دوہا میں نعت:

ہندی شاعری کی مشہور صنفِ سخن ہے۔ جس میں دو ہم قافیہ مصرعوں میں ایک مکمل خیال نظم کیا جاتا ہے۔ اسے دوہرا بھی کہتے ہیں۔ دوہا نگاری میں بعض محققین خسروؔ اور بوعلی قلندرؔ کو اولیت کا درجہ دیتے ہیں۔ دوہا نگاری زیادہ تر ہندی اور علاقائی بولیوں میں ہوتی تھی۔ لوک ادب میں دوہا ان دونوں شعراے کرام سے پہلے بھی مقبول تھا۔ ہندی میں کبیرؔ، گرو نانکؔ، شیخ فرید شکر گنج، ملک محمد جائسی، تلسیؔ داس، سورداسؔ، خان خاناںؔ، رسکھانؔ، ملا داودؔ، سہجوؔ بائی، دَیاؔ بائی، میراؔ بائی، بہاریؔ، درندؔ وغیرہ کے دوہے مشہور ہیں۔

مشہور ناقد نظامؔ صدیقی کے بہ قول اردو دوہا نگاری کے بانی اردو دوہوں کے اوّلین مجموعہ ''پربت کی ریت'' کے شاعر خواجہ دل محمد ہیں۔ نظیرؔ، جلیلؔ مرزا خانی، جمیل الدین عالیؔ، الیاس عشقیؔ، تاجؔ سعید، پرتوؔ روہیلہ، عادل فقیرؔ، جمیل عظیم آبادی، مشتاقؔ چغتائی، عبدالعزیز خالدؔ، بھگوان داس اعجازؔ، مناظر عاشقؔ ہرگانوی، جگن ناتھ آزادؔ، نادمؔ بلخی، بیکلؔ اُتساہی، ندؔا فاضلی وغیرہ اردو دوہا نگاری کے اہم نام تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اس صنف میں بیش تر شعرا نے نعتیں تحریر کی ہیں۔ نادمؔ بلخی کے دو نعتیہ مجموعے اس صنف میں ہیں۔ بیکلؔ اتساہی کے یہاں بھی نعتیہ دوہے بہ کثرت ملتے ہیں۔ ذیل میں بیکلؔ کے نعتیہ دوہے ملاحظہ ہوں ؎

صدقہ مِرے رسول کا بٹتا ہے چھو اور
گدا شاہ سب ایک ہیں کوئی تور نہ مور

زلفوں سے خوشبو بٹے چہرے سے انوار
اُن کے پاؤں کی دھول سے عرش و فرش اُجیار

وہ رب کا محبوب ہے، سب اُس کی اِملاک
ہم سب اُس کے داس ہیں، ہم کو کیا اِدراک

صنفِ ماہیا میں نعت:

ماہیا ایسے مختصر گیت کو کہتے ہیں جس میں ہجر و فراق کے درد و آلام کا ذکر کیا گیا ہو۔ ماہیا مفعول مفاعیلن / فاع مفاعیلن / مفعول مفاعیلن کے وزن میں تین تین مصرعوں کے بندوں میں کہا جاتا ہے۔ یہ صنف اردو شاعری میں بھی مقبول ہے۔ اردو میں جگن ناتھ آزادؔ، ظہیرؔ غازی پوری، نادمؔ بلخی، شارقؔ جمال، بھگوان داس اعجازؔ، بیکلؔ اُتساہی، پرکاشؔ تیواری، ستیہ پال آنندؔ، احسن امام احسنؔ وغیرہ کے ماہیے مشہور ہیں۔ دیگر اصناف کی طرح صنفِ ماہیا میں بھی نعتیہ کلام بہ کثرت ملتے ہیں۔ اس صنف میں بیکل اُتساہی کا نعتیہ کلام ؎

رحمت کا اِشارا ہے
اِک نامِ شہِ طیبہ
جینے کا سہارا ہے

وہ شافعِ محشر ہیں
سرکار کے قدموں پر
ماں باپ نچھاور ہیں

اشکوں سے ضیا کیجے
پھر نعتِ نبی بیکلؔ

دھڑکن سے لکھا کیجے

صنفِ سانیٹ میں نعت (Sonnet):

لفظی معنی ''صوتِ مختصر'' سانیٹ اطالوی ادب کی صنفِ سخن ہے، جس میں ایک مضمون کو چودہ مصرعوں میں بیان کیا جاتا ہے اور بحر مخصوص ہوتی ہے۔ لیکن اردو سانیٹ کے لیے کوئی مخصوص بحر نہیں ہے۔ حنیف کیفؔی کے بہ قول اردو شاعری میں سانیٹ انگریزی کے اثر سے داخل ہوا لیکن ایک صنفِ سخن کی حیثیت سے نہیں بلکہ جدّت پسندی کے اظہار کے لیے اور نئے تجربے کی حیثیت سے۔ اردو سانیٹ کی ابتدا کے تعلق سے کیفؔی نے ن م راشد کے حوالے سے لکھا ہے اردو میں پہلا سانیٹ اخترؔ جونا گڑھی نے لکھا اور دوسرا خود راشدؔ نے، جو راشدؔ وحیدی کے نام سے شائع ہوا۔ عام خیال یہ ہے کہ اخترؔ شیرانی نے سانیٹ کو اردو میں متعارف کرایا۔ تصدق حسین خالدؔ، احمد ندیم قاسمیؔ، تابشؔ مہدی، منظرؔ سلیم وغیرہ نے بھی سانیٹ لکھے ہیں۔ ان کے بعد عزیزؔ تمنائی نے اس ہیئت میں شاعری کا ایک پورا مجموعہ ''برگِ نوخیز'' کے نام سے شائع کرایا ہے۔ اس صنف میں بھی نعتیں لکھی جا رہی ہیں۔ نادمؔ بلخی اور علیم صبا نویدی کے اس صنف پر مشتمل دو نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ علیمؔ صبا کا ایک نعتیہ سانیٹ ذیل میں خاطر نشین ہو ؎

گرد آلود بدن تھے ہر طرف
صورتوں پر تیرہ بختی کے نقوش
زندگی میلی دشاؤں کی شناخت
غیر سنجیدہ فضاؤں کی شناخت
نسلِ آدم کا مقدر چاک چاک
بدنما، بے رنگ ارادے خوف ناک
دور تک پھیلے تھے پستی کے نقوش
تیرگی عریاں کھڑی تھی صف بہ صف

جلوہ فرما جب ہوئے شاہِ ہدیٰ
صورتوں میں صورتیں پیدا ہوئیں
اور منور ہو گئے ارض و سما
جسم کو تہذیب کی خوشبو ملی
زندگانی نور افشاں ہو گئی

صنفِ ہائیکو میں نعت (Haiku):

ہائیکو جاپانی صنفِ سخن ہے، جو سترہ ہجاؤں اور تین سطروں میں کہی جاتی ہے۔ اس کی پہلی اور تیسری سطر میں پانچ پانچ اور دوسری سطر میں سات ہجائیں ہوتی ہیں، جن میں ایک مکمل خیال یا لفظی پیکر تشکیل دیا جاتا ہے اور اس کا خاتمہ ہمیشہ کسی اسم پر ہوتا ہے۔ اردو میں پہلی بار (۱۹۳۶ء) ''ساقی'' کے جاپان نمبر میں اس کے نمونے سامنے آئے۔ پھر مختصر نظم نگاری کے رجحان نے بہت سے شعرا کو ہائیکو لکھنے کی ترغیب دی اور اردو مزاج کے مطابق بے شمار ہائیکو لکھے گئے، جن میں کبھی اصل کی تقلید کی گئی اور کبھی آہنگ کی دھن میں قافیے بھی نظم کر دیے گئے۔ اردو میں علیمؔ صبا نویدی، نادمؔ بلخی، بیکلؔ اُتساہی، ساحلؔ احمد، شبنمؔ سنبھلی، فرازؔ حامدی، ظہیرؔ غازی پوری، شارقؔ جمال وغیرہ کے ہائیکو مشہور ہیں۔ بیکل نے جہاں دیگر اصناف میں نعتیں تحریر کی ہیں، وہیں اس صنف میں بھی آپ کا نعتیہ کلام ملتا ہے۔ ذیل میں نعتیہ ہائیکو ملاحظہ ہو ؎

قرآں کی آیات
دل سے پڑھیے تو لگتی ہے
پیارے نبی کی نعت

جینے کا احساس
روئے تمنّا جگمگ جگمگ

ذکر نبی کی آس

صنفِ ثلاثی میں نعت:

اسے مثلث اور تثلیث بھی کہتے ہیں۔ثلاثی تین مصرعوں پر مشتمل شعری ہیئت ہے، جو مختلف اوزان و بحور اور مختلف نظامِ قوافی کے استعمال سے کسی مکمل خیال کا اظہار کرتی ہے۔ پرانی شاعری میں تین تین مصرعوں پر مشتمل بندوں کی طویل نظمیں پائی جاتی ہیں۔نئی شاعری میں ثلاثی کے نام سے صرف تین مصرعے ایک مکمل نظم کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ثلاثی کے تین مصرعے آزاد بھی ہو سکتے ہیں اور پابند بھی۔اردو میں حمایت علی شاعرؔ،حمید الماسؔ، عادلؔ منصوری،محمد علویؔ، رشید افروزؔ، ساحلؔ احمد،علی ظہیرؔ وغیرہ کی اکثر نظمیں ثلاثی میں ہیں۔ اس صنف میں بھی نعت گوشعرانے بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے ؎

خارزاروں کولالہ زار کیا/ مصطفٰی کی نگاہ نے ارشدؔ / جلتے صحرا کو برف بار کیا

صنفِ ترائیلے میں نعت (Troilet):

فرانسیسی ادب کی ایک معروف صنفِ سخن ہے، جو آٹھ مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ جس میں پہلے مصرعے کی تکرار چوتھے اور ساتویں مصرعے کی جگہ اور دوسرے مصرعے کی تکرار آٹھویں مصرعے کی جگہ کی جاتی ہے۔تیسرا اور پانچواں مصرع پہلے مصرعے کے اور چھٹا مصرع دوسرے مصرعے کے قافیے میں لکھا جاتا ہے۔اردو میں نریش کمار شادؔ،فرحت کیفیؔ اور رؤف خیرؔ وغیرہ نے اس صنف میں نظمیں کہیں ہیں۔مذکورہ صنف میں نعتیہ کلام ؎

بشیر و نذیر و سراجِ منیر
رسولِ مکرّم خدا کے حبیب
دوعالم کی رحمت، خدا کے سفیر
بشیر و نذیر و سراجِ منیر
پیامیِ توحید ِ ربِّ قدیر
وہ آئے تو جاگے ہمارے نصیب

بشیر و نذیر و سراجِ منیر
رسولِ مکرّم خدا کے حبیب

کہہ مکرنی میں نعت:

کہہ مکرنی میں عورتوں کی زبان سے کوئی بات بیان کی جاتی ہے، جس میں ایک سے معشوق مراد ہوتا ہے اور دوسری سے کچھ اور۔ اس کا قائل معشوق کی بات کہہ کر مکر جاتا ہے۔ کہہ مکرنیوں کو سکھیاں اور مکرنیاں بھی کہتے ہیں۔ یہ امیر خسروؔ کی پسندیدہ صنف تھی۔ اس میں بھی نعتیہ کلام کے نمونے ملتے ہیں ؎

ہیں وہ ربّ کے بڑے دُلارے / ہم کو بھی ہیں جان سے پیارے
کوئی نہیں ہے اُن کا ہم قد / کیا جبریل؟ / نہیں، محمد

آزاد نظم میں نعت:

ایسی نظم جو کسی روایتی شعری ہیئت کی پابندی نہیں کرتی، اس میں مقررہ تعداد میں مصرعوں کے بند نہیں ہوتے لیکن بحر و وزن کی اتنی پابندی ضرور ہوتی ہے کہ کسی وزن کا کوئی رکن منتخب کر کے اس کی تکرار کی جائے۔ اس نظم میں مصرعے کا روایتی تصور مفقود ہونے کے سبب سطر (یا سطروں) کو معیار بنایا جاتا ہے۔ سطریں بالعموم چھوٹی بڑی ہوتی ہیں، جن کی طوالت کا انحصار خیال کی وسعت پر ہوتا ہے۔ ویسے حقیقی آزاد نظم کا تصور محال ہے، جو کسی فنی پابندی کو قبول نہیں کرتی۔

آزاد نظم مغربی شاعری کی دین ہے۔ جس کے ابتدائی آثار بائبل میں شامل ''نغماتِ سلیمان'' اور زبور کے انگریزی تراجم میں ملتے ہیں۔ فرانسیسی شعرا نے انیسویں اور انگریزی شعرا نے بیسویں صدی میں اسے شعری اظہار کے لیے اپنایا۔ بادلیئرؔ، والٹ وھٹمنؔ، ہاپکنزؔ، ایلیٹؔ، لارنسؔ اور بہت سے مغربی شعرا نے اسے خوب ترقی دی۔ اردو میں آزاد نظم انھیں کی تقلید میں کہی گئی۔ راشدؔ، میرا جیؔ، فیضؔ اور اختر الایمانؔ اردو آزاد نظم سے منسوب اہم نام مانے جاتے ہیں۔ جدید شاعری کا بڑا حصہ اسی میں تخلیق کیا گیا ہے اور چھوٹے بڑے ہر جدید

شاعر کے یہاں اس کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔کلیم الدین احمد نے لکھا ہے کہ آزاد نظم لکھنا پابند نظم لکھنے سے زیادہ دشوار ہے۔اس صنف میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی ایک نعت بہ طورِ مثال خاطر نشین ہوں ؂

بحرِ ظلمت میں یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
ہے آپ ہی کا بس اِک سہارا / فیوضِ شبنم کی خنکیوں سے
عذارِ گل ہے / لگی ہے پت جھڑ سے
آگ غم میں / اندھیرا بڑھتا ہی جا رہا ہے
جو آشکارا ہے یا پیمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)
ہم عاصیوں کے تم ہی مسیحا
تمہارے دَم سے ہے ضوفشانی

مذکورہ بالا تحقیقی جائزے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نعت کی کوئی مخصوص ہیئت متعین نہیں ہے۔لیکن اس کی مقبولیت اور آفاقیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ادب کی جملہ اصناف میں نعتیہ کلام ملتے ہیں۔شعرائے کرام نے بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے ہر صنفِ شاعری کو برتا ہے۔غزل،قصیدہ،مثنوی،مرثیہ،رُباعی، قطعہ،مسدّس،مخمس،مربع،ثلاثی،مستزاد،دوہا،ماہیا،سانیٹ،ہائیکو،کہہ مکرنی،ترائیلے،آزاد نظم وغیرہ میں نعتیہ کلام بہ کثرت ملتے ہیں،جو نعت کی بے پناہ مقبولیت اور ہمہ گیریت پر دال ہے۔

حوالہ جات

مکتوب ظہیر غازی پوری،محررہ ۲۸؍مئی ۲۰۰۰ء
مکتوب ڈاکٹر سید وحید اشرف،محررہ ۳؍جون ۲۰۰۰ء
مکتوب ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برقؔ دانا پوری،محررہ ۲۸؍مئی ۲۰۰۰ء
مکتوب ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی،محررہ ۲۵؍مئی ۲۰۰۰ء
مکتوب ظہیر غازی پوری،محررہ ۲۸؍مئی ۲۰۰۰ء

مکتوب ڈاکٹر محبوب راہی، محررہ ۲۸، مئی ۲۰۰۰ء
مکتوب ڈاکٹر شمس الرحمن فاروقی، محررہ ۲۳، جولائی ۲۰۰۸ء
نوٹ: ''نعت اور اصنافِ نعت'' کی پوری بحث ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی کی تحقیقی کتاب ''مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ'' سے من و عن لی گئی ہے۔

نعت: اعترافِ نعت

اصنافِ شعر و سخن میں نعتِ پاک سب سے مشکل ترین صنف ہے۔ اس میں قدم قدم پر خطرات کا سیلِ رواں ہوتا ہے۔ تھوڑی سی لغزش کشتِ ایمان کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔ اتنی سخت ترین وادی میں قدم رکھنے کی جرأت وہی شخص کر سکتا ہے جس کے پاس علم، عشق اور عمل کی دولت کا وافر سرمایہ موجود ہو، ورنہ وہ نعت کے داخلی و خارجی اُصولوں کو برتنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

نعت پاک کی تاریخ کا تعین بہت مشکل ہے۔ ہر چند کہ اہلِ علم و قلم کی ایسی مثبت پیش رفت اس باب میں ملتی ہے جسے کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ روئے زمین پر اب تک جتنی زبانیں وجود میں آ چکی ہیں قریب قریب نعتِ پاک کا اچھا خاصا ذخیرہ ہر زبان میں موجود ہے۔ جس شخص کو ایمان کے ساتھ عشقِ حبیب کی دولت نصیب ہوتی ہے وہ کسی نہ کسی صورت میں نعتِ پاک کہنے کی ضرور کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ فن کے نزدیک نعتِ پاک کا کوئی خاص فارم متعین نہیں ہے۔ شرعی اُصولوں کا خیال رکھتے ہوئے آپ جس انداز میں چاہیں کہہ سکتے ہیں۔ اشکوں کے موتی کو الفاظ کا لباس دے دیں۔ اضطرابِ عشق کو تحریر کے قالب میں ڈھال دیں اور دل سے اُٹھتے ہوئے بخارات کو کاغذ پر بکھیر دیں....... نعتِ پاک تیار ہو جائے گی۔

نعت پاک کی تاریخ کے حوالے سے اتنی بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ خود خالقِ کائنات نے اپنے محبوب کی بے پناہ عظمتِ شان کا خطبہ پڑھا ہے۔ اس سلسلے میں قرآنِ حکیم کے تیس پارے شاہد ہیں۔ قرآنِ حکیم کے ہر حرف سے عظمتِ مصطفی ﷺ کی شعاعیں پھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جس طرح قرآنی اسرار و رُموز کی تہوں تک عام انسانی عقل و شعور کی رسائی مشکل ہے اسی طرح آقائے کائنات کی عظمتوں کا صحیح عرفان انسانی طاقت و اختیار سے باہر ہے۔ اس کے باوجود

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک روئے زمین پر ہر زمانے میں ایک ایسی جماعت موجود رہی ہے جو آقائے کائنات کے اعلیٰ مدارج و مراتب کا نعت کی شکل میں اظہار و اعلان کرتی رہی ہے۔

نعتِ پاک کے فنی، لسانی اور مذہبی تقاضوں کو وہی شاعر پورا کر سکتا ہے جس کے سینے میں عشقِ رسول ﷺ کا چراغ روشن ہو اور علومِ دین کے ساتھ ساتھ الفاظ و معانی پر بھی اسے استادانہ مہارت حاصل ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اسے اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی میں خاصی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے بلکہ ایسے لوگ نعتِ پاک کے داخلی و خارجی اُصولوں کو برتنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

جن نعت نگاروں نے صحرائے نعت کی سنگلاخی، فنِ نعت کی بے پناہ عظمت و رفعت اور طہارت و پاکیزگی کو محسوس کیا ہے ذیل میں ان کے خیالات پیش ہیں:

امام احمد رضا محدث بریلوی:

''حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے، جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے، جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض ایک جانب اصلا حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت پابندی ہے۔''

مخالفین و معاندین کی مذمت و برائی بھی لازمی ہے تاکہ نعت حقیقت میں نعتِ رسول بن جائے۔ اس طرح سے وہ نعت ہمہ گیری و ہمہ جہتی کی روشن مثال بن سکے۔ حضور مفتی اعظم ہند فرماتے ہیں کہ ؎

بیانِ عیبِ دشمن نعت ہی ہے
کہ قرآں میں بھی تو تبت یدا ہے

ڈاکٹر امانت صاحب اپنی، پی ایچ ڈی ''مجددِ اسلام'' نامی کتاب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''محبوب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تین طریقوں پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ ایک تو براہِ راست محبوب کی مدح سرائی۔ دوسرے محبوب کے محبوب کی تعریف وتوصیف اور تیسرے محبوب کے بدخواہوں اور دشمنوں کی مذمّت۔''

اگر میں یہ کہوں تو شاید غلط نہ ہوگا کہ یہ نظریہ دراصل مفہومِ قرآن سے مستفاد ہے کیوں کہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔

دیدۂ بینا کے ساتھ عشقِ رسول میں ڈوب کر قرآنِ مقدس کی تلاوت کرنے والوں کے لیے خیر شہادت کی ضرورت ہی نہیں، کیوں کہ ان کا تو خیال ہے کہ:

جب چھڑا تذکرہ حسنِ سرکار کا، والضحیٰ پڑھ لیا والقمر کہہ دیا
آیتوں کی تلاوت بھی ہوتی رہی، نعت بھی بن گئی بات بھی بن گئی

ڈاکٹر اقبال نے اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

مگر وہ لوگ جو عقل وخرد کی رہنمائی میں قرآنی صفحات کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ نہ یہ کہ تلاوت کی حلاوت سے محروم رہتے ہیں بلکہ ٹھوکر پہ ٹھوکر کھاتے رہتے ہیں۔ ان کی سوچ ہمیشہ سرگرداں اور فکر ہمہ وقت بے لگام رہتی ہے ؎

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہاں سے یہ کہاں تک ہے
وہیں تک دیکھ سکتا ہے نظر جس کی جہاں تک ہے

حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں:

''حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآنِ کریم کو بنظرِ ایمان دیکھا جائے تو اس میں اوّل سے آخر تک نعت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام معلوم ہوتی ہے۔ حمدِ الٰہی ہو یا بیان عقائد گذشتہ انبیا کرام یا ان کی اُمتوں کے واقعات ہوں یا احکام، غرض قرآنِ کریم کا ہر موضوع اپنے

لانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد اور اوصاف کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ اخلاص ''قُل ھُواللہ اَحَد'' کو لے لیجیے کہ اس میں خدائے قدوس کی صفات کا ذکر ہے اور سورۂ لہب کو دیکھیے یعنی ''تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ وَّ تَبّ'' کہ اس میں بظاہر ابولہب کا فر اور اس کی بیوی کا تذکرہ ہے از اوّل تا آخر، مگر جب غور کریں تو یہ دونوں سورتیں محبوب کی نعت پاک سے بھری ہوئی ہیں۔ ''قُل ھواللہ اَحَد'' الخ میں ارشاد ہے کہ اے محبوب! تم کہہ دو کہ اللہ ایک ہے اور وہی بھروسہ کے لائق ہے۔ نہ وہ کسی کی اولاد، نہ اس کی کوئی اولاد وغیرہ وغیرہ۔ ایک کلمۂ قُل نے (یعنی محبوب تم کہہ دو) اس سارے سورۃ میں نعت کو شامل کر دیا، کیوں کہ مرضیِ الٰہی یہ ہے کہ اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کلام تو ہمارا ہو اور زبان تمہاری ؎

قُل کہہ کے اپنی بات بھی منھ سے تری سنی
اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند

حضرت علامہ شمسؔ بریلوی:

''نعتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں طرز ادا کی رنگینی کے اظہار کے لیے میدان بہت تنگ ہے۔ وہاں نہ مبالغے کی گنجائش ہے نہ اغراق و غلو کی۔ نہ وہاں شوخی کا گزر ہے اور نہ بے باکی کا دخل، نہ معشوق کا جور و ستم ہے کہ اس سے نت نئے مضامین پیدا کیے جائیں اور نہ بوس و کنار کا گزر ہے۔ ہجر و فراق کی کیفیات ضرور ہیں لیکن ہجر و فراق کی وہ واردات نہیں جو تغزل کے لیے مخصوص ہیں، بلکہ بہت محدود۔ جہاں قدم قدم پر ادب کے پہرے دار ہیں اور اسلامی احکام کے نقیب کھڑے ہیں۔ ذرا سی لغزش اعمالِ حسنہ کی تباہی کا نتیجہ بن جاتی ہے اور ادنیٰ سی بے راہ روی دارین کی روسیاہی کا موجب اور معمولی سے معمولی بے باکی آخرت کی تباہی کا پیش خیمہ۔ پس ان قیود اور ان حدود کے اندر رہتے ہوئے اگر کسی نعت نگار کا خامہ زبان کی سادگی کا لطف اور طرز ادا کی رنگینی کو پیش کر دے تو یہ اس کی نعت گوئی کا ایک ایسا رُخ ہے جس کو اس کا منتہائے کمال کہنا چاہیے، یہ ہر کسی کا کام نہیں۔'' (نعت رنگ، امام احمد رضا نمبر، ص ۷۹)

پروفیسر اقبال جاوید (گوجراں والہ)

''نعت ایک ایسی صنفِ سخن ہے جسے مشکل ترین کہا جا سکتا ہے کیوں کہ یہاں نہ انسان غزل کی مجازی فضا میں بہک سکتا ہے اور نہ قصیدہ نگاری کی طرح زمین کو آسمان بنا سکتا ہے۔ نعت کے حدود مقرر ہیں، ان سے نعت گو بڑھ سکتا ہے نہ گھٹ سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں متاعِ ایمان ہی کے سلب ہونے کا خدشہ ہے۔ دورِ حاضر کے اکثر شعرا نعت گوئی کا شوق تو رکھتے ہیں مگر احتیاط کے تقاضوں کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔ صرف اس لیے کہ ان کی نگاہ میں نہ شریعت کے رُموز ہوتے ہیں نہ طریقت کے مقام، نتیجہ معلوم کہ وہ بزعم خویش توصیفِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ادا کرنے کی سعی کرتے ہیں مگر ان کا شوق بے حد، حد کو پھلانگتا اور مدحت کو بسا اوقات الوہیت تک لے جاتا ہے جو بہر کیف توہین ہے۔ نعت گوئی کے لیے دل کی محبت ایک فطری شرط ہے مگر جذبۂ محبت کی اس روانی کو طغیانی سے بچانا مقصود ہے۔''

(نعت رنگ، امام احمد رضا نمبر، ص ۸۱)

پروفیسر محمد فیروز شاہ:

''نعت...... درِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پلکوں سے دستک دینے کا عمل ہے!

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھول جن دلوں میں کھلتے ہیں ان کے لبوں پر سدا بہار حرفوں کا نکھار جاگ اُٹھتا ہے۔ اور ان کے ذہنوں اور لفظوں میں جاوداں جذبوں کی مہک بکھرنے لگتی ہے۔ سچی چاہتوں کی خوشبو سے مملو ایک باوضو آرزو جن کے ارادوں اور عملوں میں پُرفشاں ہوتی ہے، ان کی پروازِ فکر عرش کی رفعتوں کو چھونے لگتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ وابستگیوں کی عطائیں ہیں کہ فرش نشینوں کو عرش کے مکینوں کا ہم پلّہ بنا دیتی ہیں بلکہ عشق وعقیدت کی یہ گلاب رُتیں فرشیوں کو عرشیوں سے برتر ثابت کر دیتی ہیں۔ جب آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو اپنی ردائے مبارک عطا فرماتے ہیں یا جب منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نعتوں سے گونجتا ہے تو ایک زمانہ بلکہ ہر زمانہ ان کا فسانہ خواں ہو جاتا ہے کہ لاریب جو اُن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہو جاتے ہیں وہ زمانے کے امام ہو جاتے ہیں۔ جن کے در سے روشنی کی خیرات ملتی ہے اور

جس دربار سے خوشبو کو نکھار ملتا ہے۔ موسموں کو اذنِ بہار عطا ہوتا ہے اور جس سرکار سے انسانیت کو شرف و وقار ملتا ہے۔ اس کی توصیف و تعریف ہر کسی کے بس کی بات بھی نہیں۔ بے شک..... ''یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے ..... یہ بڑے نصیب کی بات ہے'' جن کے نصیب کو نعت گوئی نصیب ہوتی ہے ان کا نصیبہ کھل جاتا ہے.....ہاں! مگر یہ اذنِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر ممکن نہیں کہ نعت لکھی جاتی ہی نہیں جب تلک آرزو بھی نہ ہو باوضو ..... عقیدہ جب عقیدت کے زم زم سے وضو کرتا ہے تو محبت کا قرینہ نعت کے خزینہ تک رسائی کا راستہ روشن کر دیتا ہے اور نگاہیں سبز گنبد کی ابدالآباد روشنی سے شاد ہو اُٹھتی ہیں۔ یہ رسائی عشق کی توانائی سے کمک لے کر جاوداں دانائی کی سرمدی بستیوں سے آشنائی کا راز آشکارا کر دیتی ہے.... یہی وہ مقامِ اولیٰ ہے جہاں دلوں میں دھڑکتے راز جاودانی کے اعزاز سے سرفراز ہوتے ہیں اور قلم صادق محبتوں کا علم بن جاتا ہے اور عشق کی روشنی میں گندھی روشنائی میں ڈوب کر اُبھرتا ہے تو سینۂ قرطاس پر نور و سرور کی کہکشاں آراستہ کر دیتا ہے۔ لفظ خوشبو دینے لگتے ہیں اور جذبے فجر کے سہانے اجر کی طرح اندھیرے آنگنوں میں تازہ کار کرنوں کی سوغاتیں بانٹنے لگتے ہیں.... یہ عشق کے کرشمے ہیں جو فقط اہلِ دل کا مقدر بنتے ہیں.... درِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پلکوں سے دستک دینے کی سعادت سے بڑھ کر اور بشارت کیا ہوتی ہے۔ یہ اور بات کہ نویدِ سعید نصیب کس کو ہوتی ہے.... یقیناً اہلِ نصیب کو۔ اور نصیب سچی نسبتوں سے بنا کرتا ہے۔ نسبتیں بڑی لج پال ہوتی ہیں۔ خود سے وابستہ لوگوں اور لمحوں کو مرنے نہیں دیتیں.... امر کر دیتی ہیں.... آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی سے منسوب ہو کر لفظ، لمحے اور لوگ زمانے بلکہ زمانوں کے محبوب ہو گئے۔'' (نعت رنگ، امام احمد رضا نمبر، ص ۷۳-۷۴)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی:

نعتیہ شاعری کے لیے تو عقیدہ کا اظہار لازمی ہے۔ نعتیہ شاعری عقیدہ و عقیدت دونوں کا اظہار ہے۔ عربی نعت گوئی سے فارسی نعت گوئی اور اردو نعتیہ شاعری کی ابتدا سے تا حال شعرائے نعت عقیدت و محبت کے ساتھ عقیدے کا بھی اظہار کرتے چلے آ رہے ہیں۔ نعت

گوئی تحفظِ عقائد کا بھی ایک زبردست اور بلیغ وسیلہ ہے۔شعرائے نعت جن عقائد کا اظہار کرتے چلے آرہے ہیں وہ خود ساختہ نہیں ہیں بلکہ قرآن وسنّت اور اخبار وآثار سے ثابت اور ظاہر وباہر ہیں۔عقائد کا اظہار حقیقتاً عقیدت ہی کا اظہار ہے۔نعت گوئی کے آغاز کا مقصد ہی تھا رسولِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت و ناموس کا تحفظ، ان کی عظمتوں اور ان کے اختیارات وتصرفات کا اظہار! پس عقیدے کا اظہار نعت نگاری میں بدرجۂ اتم لازمی ہے اور انہی عقائد سے مصطفی جانِ رحمت علیہ التحیۃ والثنا کی عظمت ورفعت اُجاگر ہوتی ہے اور ان کی محبت وعقیدت کی شمع سینہ و دل میں جگمگا اُٹھتی ہے۔اسی نورانیت کے عالم میں شاعر نعت، ایک عاشقِ مصطفی کے دل سے جو صدا اشعار کے روپ میں نکلتی ہے، ہونٹوں سے مچلتی ہے، فضا میں تیر جاتی ہے یا قلم کے توسّط سے قرطاس کے صفحات پر نقش ہوتی ہے۔وہ صدائے محبت، ترانۂ شوق، سرشاری وسپردگی کا نغمہ، باغِ کامرانی کا ایسا سدا بہار پھول بن جاتا ہے جس سے ذوق ووجدان سے لے کر عقیدہ ومحبت کی کائنات عطر بیز وشاداب ہوجاتی ہے۔''

(مولانا بدر القادری: حیات اور کارنامے، ص ۳۲۵)

مولانا ملک الظفر سہسرامی:

اسلامی نقطۂ نگاہ سے شاعری کبھی قابلِ ستائش عمل نہیں رہا بلکہ آزادیِ فکر اور آوارگیِ خیال کی بنیاد پر ہمیشہ اس تعلق سے مذمتی رویہ ہی اختیار کیا گیا لیکن یہ بھی ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ مذہبی شاعری نے آزادیِ فکر کے ان متوالوں کی جس طرح تہدید کی ہے اس سے ہمارے معاشرے کو صالح ادب کے بے شمار نمائندے حاصل ہوئے۔ جب تک فکر وخیال کی پاسبانی نہ کی جائے اس وقت تک اس سوتے سے پھوٹنے والے آبشاروں کو معاشرتی زندگی کے لیے بہتر ومفید تصور نہیں کیا جاسکتا۔اگر اس بات کا ادعا کیا جائے کہ مذہبی شاعری نے فکری تطہیر کا فریضہ انجام دیا ہے تو قطعی بے جا نہ ہوگا۔نعت کے کعبہ کو پاسباں صنم خانے سے فراہم ہوتے رہے۔کوثر وتسنیم سے ڈھلے ہوئے قلم نے زبان وادب کی سرزمین پر گلہائے رنگا رنگ کھلائے تو پھر نعتیہ شاعری کی ہری بھری فصلوں میں ہمیں صالح عناصر کے

ستارے کثرت سے چمکتے نظر آئے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض شعرا نے اس مقدس وادی میں بھی اپنی آزادیِ فکر کا مظاہرہ کیا ہے جس سے نعتیہ شاعری کا آفتاب غیر شرعی بیان اور خلافِ شرع درایت و روایت کے منحوس بادل کی اوط میں آ گیا لیکن تنقید نگاروں نے اس کے تمام اشعار کو لغو، لایعنی اور مہمل قرار دے کر نعتیہ شاعری کے تقدس کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیا۔''

(قدسی شخص اور شاعر، ص ۱۰۰۔۱۰۱)

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری:

''کیسی خوش فکر ہوگی وہ شاعری.... کیسا خوش بخت ہوگا وہ شاعر.... اور کیسی خوش مآل ہوگی وہ ریاضت جس کا منتہائے مقصود محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات ہو.... وہ محبوبِ خدا قرآنِ مجید جیسی مقدس و محترم کتاب جس کی عظمت کا خطبہ پڑھ رہی ہو، کونین کی ہر چیز جن کے پائے ناز پر نثار ہوجانے کی تمنا کرتی ہو.... اور بے زبان مخلوق بھی اپنی زبانِ حال سے جن کی زمزمہ خوانی کو سرمدی سعادت سمجھتی ہو.... دستِ قدرت نے گنگناہٹ انسان کی فطرت میں ڈال دی ہے۔ جب گوشۂ تنہائی میں انسان اپنے جذبِ دروں کو کسی مخصوص محور پر مجتمع کرتا ہے اور اس کی کمیت کی لہریں کیفیت کے خاموش تار کو چھیڑتی ہے تو جھرنے چلنے لگتے ہیں، نغمے گونجنے لگتے ہیں۔ اب اگر تصور کا رُخ من کل الوجوہ جانِ جاناں، محبوبِ ربّ یزداں کی طرف ہو تو اس لہراتی بل کھاتی لہروں کو دنیا نعتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیتی ہے اور شاعر مداحانِ رسول کی نورانی جماعت میں شامل ہوجاتا ہے۔ غزل کو سخن کی چاہے جیسی قلمرو لوگ بخش دیں، جتنی اونچی مسند پر بٹھا دیں.... وہ نعت کے مقامِ مقدس کو نہیں پہنچ سکتی بلکہ کوچۂ نعت کی دربانی بھی اگر اسے میسر آجائے تو اس کی قسمت کی معراج ہے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شاعر فن کے اسلوب سے چاہے وہ جس اعتبار و معیار کا ہو لیکن اگر اس کے قلم سے نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مشک و عنبر نہیں ٹپکا تو فن اظہار افسردگی کرتا ہے۔ ذوق نقص ذوقی کا گلہ کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نعت لکھنے والا جب تک محو مشغلہ رہتا ہے وہ آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ

سیرت کے گلستان سے رنگ برنگے پھول چنتا رہتا ہے۔ وہ جتنی دیر تک اس بے خودی سے دو چار رہتا ہے وہ لمحے تابناک ہوجاتے ہیں۔ وہ گھڑیاں عبادت کی گھڑیاں بن جاتی ہیں۔ یہ وہ وصف ہے جو کسی اور صنفِ سخن کو کہاں نصیب۔'' (قدسی شخص اور شاعر،ص ۱۹۳۔ ۱۹۴)

ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی:

نعت موضوعی صنفِ سخن ہے، جس کے عنوان شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہی اس کی اصل پہچان ہے۔ اسی لیے نعت کے لیے کوئی فارم متعین نہیں۔ مسدس، مثنوی، غزل، رباعی، ہائیکو یا تکونی جس شکل میں چاہے نیاز مند اپنے دل کا نذرانہ بارگاہِ مصطفیٰ میں پیش کرسکتا ہے، شرط یہ ہے کہ اس کی اصل پہچان قائم رہے۔ یہاں ایک بات بڑی دل چسپ ہے کہ موضوعی اصناف اپنی خالصیت کی تکمیل بغیر سچائی اور خلوص کے نہیں کر پاتیں بلکہ ''حق و خلوص'' کی شدت جتنی زیادہ ہوگی کلام اتنا ہی سچا اور خالص ہوگا۔ رسول کی تعریف سب ہی کرتے ہیں حجر، شجر، ملائکہ اور جن حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بھی رسول پر درود بھیجتا ہے اور بندوں کو تلقین وتاکید کرتا ہے کہ تم بھی میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجو۔ یعنی نعت خالص ایمان وعقیدہ کی چیز ہوئی۔ سچی اور خالص نعت کے لیے فنکار کا صاحبِ ایمان اور عاشقِ رسول ہونا شرطِ اوّل قرار پائی۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ اطاعت کے مقابلے میں ''حبِّ رسول'' اِس صنفِ سخن کے لیے زیادہ موزوں اور کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ جب تک کمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین اتنا مستحکم نہ ہو کہ عقیدہ کے درجے تک پہنچ جائے تب تک نعت کا سچا اور کھرا شعر وجود میں نہیں آسکتا۔ عقیدے کی محکمی اور یقین کامل کی پختگی نعت کی تاثیر میں شدت اور سچّا حسن پیدا کرتی ہے۔ مگر یہ بھی ملحوظ رہے کہ عقیدہ خود ساختہ نہ ہو، قرآن وحدیث اور اسلاف کے اقوال سے کشید کیا ہوا ہو۔ (فکرِ مسلسل، سید اولادِ رسول قدسی، ص ۳۰۔ ۳۱)

مولانا عبدالمالک مصباحی:

نعت کا لفظ سنتے ہی دل ودماغ ایک انبساطی کیفیت سے محظوظ اور فکر ونظر مسرت وشادمانی سے دوچار ہوجاتی ہے۔ کیوں کہ عرفِ عام میں اس کی نسبت اس عظیم المرتبت شخصیت سے ہے،

جن کی ذات مخزنِ فرح وسرور، معدنِ فرحت وبہجت اور مصدر الطاف وعنایات ہے۔

نعت گوئی ونعت نگاری کے لیے بنیادی طور پر نہ تو علم وفن کا جبلِ مستقیم ہونا ضروری ہے اور نہ ہی تقویٰ وطہارت کا مجسمہ۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ اس پیکرِ نوری کا ذکرِ جمیل ہے جن کی نورانیت سے کائنات کا ذرّہ ذرّہ روشن وتابندہ اور عالم کا چپّہ چپّہ منور ومجلیٰ ہے۔ اس لیے اس میدان میں کامیابی وکامرانی اور تفوق وبرتری کے لیے قلب وروح کی طہارت اور فکر وخیال کی پاکیزگی بہرحال سامانِ فوقیت ہے۔ ان حقائق کے تناظر میں اگر ماضی کے نعت گو شعرا کا شخصیاتی جائزہ لیا جائے تو یہ بات آفتاب نیم روز کی طرح واضح ہوجائے گی کہ واقعتا اس وادی میں وہی لوگ میرِ کارواں رہے ہیں جو علوم وفنون کی جملہ شاخوں پر تخت نشیں ہونے کے ساتھ ساتھ وادیِ تقویٰ وطہارت کے شہسوار اور بحرِ زہد وورع کے غوّاص رہے ہیں۔ جن کی زندگی اتباعِ جانِ جانانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آئینہ دار اور جن کی حیات عشق ووفا کی جیتی جاگتی تصویر رہی ہے۔'' (قدسی شخص اور شاعر،ص ۲۲۰۔۲۲۱)

ڈاکٹر صابر سنبھلی:

''عرفِ عام میں نعت اُس نظم کو کہا جاتا ہے جو پیغمبر اسلام احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں کہی جائے۔ لیکن قاعدے میں مدح مذکورہ نظم میں ہو یا نثر میں نعت ہی کہی جائے گی۔ پیغمبرِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب ہونے کے باعث یہ صنف اپنے اندر تقدس تو رکھتی ہی ہے، اس کی تاریخ بھی طویل ہوگئی ہے۔ جو چودہ سو برس سے زیادہ عرصے پر پھیلی ہوئی ہے۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ عمدہ شاعر تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی کہی ہوئی نعتوں کو پسند فرماتے تھے۔ اُن کے نعتیہ اشعار اب بھی موجود ہیں۔ حضرت حسّان رضی اللہ عنہ کے بعد سے آج تک کوئی زمانہ ایسا نہیں رہا جس میں نعت گوئی نہ کی جاتی رہی ہو۔ بعض اوقات تو شعرا نے بڑے شد ومد کے ساتھ نعتیں کہی ہیں۔ گیارھویں صدی ہجری کے اختتام تک شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو جس نے نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ کہی ہو۔ بعض شعرا نے تو اپنے ساری عمریں ہی نعت گوئی میں صرف کردیں۔ علامہ

بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا قصیدہ بردہ شریف اس فن کی معراج ہے۔ مولوی معنوی کی مثنوی شریف بھی نعتوں کا خوش نما گل دستہ ہے۔ اگرچہ مثنوی شریف پند و موعظت کی حکایات پر مشتمل ہے مگر وہ حکایات بھی نعت گوئی سے خالی نہیں۔ ایرانی شعرا نے نعت گوئی میں نئے نئے ادبی گوشے نمایاں کیے۔ خاقانی شیروانی نے نعت گوئی میں وہ کمال بہم پہنچایا کہ حسان العجم کہلائے۔ (نعت رنگ، امام احمد رضا نمبر، ص ۶۲۳)

علی سردار جعفری:

اردو کی اصنافِ سخن میں نعت سب سے مشکل صنف ہے۔ یہ جس بارگاہ میں اظہارِ عقیدت و محبت ہے اس کے لیے فارسی کا ایک شعر ہے ؎

ادب گاھست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید بایزید ایں جاں

حمد میں جو مبالغہ ممکن ہے وہ نعت میں ناممکن ہے۔ ہر حرف سے حدِ ادب میں رہنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ ''باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار'' بزرگوں کا یہ قول شاعر کی رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن ہوش میں رہ کر عشقِ رسول کتنا مشکل کام ہے۔ جہاں جنید، بایزید جیسے کاملانِ شوق کی سانسیں اُکھڑنے لگتی ہیں۔ اس کا اندازہ شاعر ہی کر سکتا ہے۔ (گل و لالہ)

پروفیسر عنوان چشتی:

''نعت کا لفظ خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مدح میں استعمال ہونے والے الفاظ و اسالیب کے لیے برتا ہے اور حضرت علی نے رسول کی مداحی کرتے ہوئے اپنے لیے لفظ ناعت کا استعمال کیا ہے۔ اس لیے نعت نگاری ایک مقدس فن ہے اور ناعت رسولِ اکرم ہونا بڑی سعادت ہے۔ ناعت کو ایک طرف فنِ شاعری کے تقاضوں کو پورا کرنا پڑتا ہے اور دوسری طرف نعت پاک کے داخلی تقاضوں یعنی اس کی مذہبی اور روحانی جہات کا احترام کرنا پڑتا ہے۔'' (گل و لالہ، ص ۲۰)

کالی داس گپتا رضا:

رسولؐ اللہ تعالیٰ کے پیغامبر جو ٹھہرے اس لیے حمدِ خدا کے بعد ہی نعتِ رسول کا درجہ مانا جاتا ہے۔غزل، نظم بلکہ اور صنفوں میں بھی نعت کہنا روا ہے۔امیر مینائی کہتے ہیں ؎

غزل جو کہتے ہیں ہم نعت میں رسولوں کی
ہمارے شعر نہیں ڈالیاں ہیں پھولوں کی

محسن کاکوروی کہتے ہیں ؎

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعمتیں محسن
کلامِ نعتیہ رکھا میری زباں کے لیے

نعت لفظ کا استعمال آنحضرت کی ستائش و ثنا کے لیے مخصوس ہے۔اس میں سخن ور رسولِ مقبول کے لیے اپنی گہری عقیدت کا اظہار کرتے۔'' (گل و لالہ)

ڈاکٹر کرامت علی کرامت:

''چاہے غزل ہو یا نعت عشق کا عنصر ہی دونوں اصناف میں اساسی حیثیت رکھتا ہے۔غزل کا عشق یا تو عشقِ مجازی ہوتا ہے یا پھر عشقِ مجازی کی سطح سے ارتقاع حاصل کر کے عشقِ حقیقی کی منزلوں تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔لیکن نعت میں ایک اور قسم کا عشق پایا جاتا ہے جو مذکورہ بالا دونوں اقسام سے مختلف ہے۔اس میں ایک ایسی ذات سے عشق کا اظہار ہوتا ہے جس کے حسن کی سیرابی سے شاعر کی آنکھیں بظاہر محروم ہیں مگر وہ نادیدہ ذات شاعر کو جان، مال، اہل و عیال بلکہ خود اپنی ذات سے بھی زیادہ عزیز ہے۔جس شاعر میں عشقِ رسول جتنا زیادہ ہوگا وہ نعت گوئی میں اتنا ہی کامیاب ثابت ہوگا۔'' (قدسی شخص اور شاعر،ص ٦٩)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

''نعت کا موضوع ہماری زندگی کا ایک نہایت عظیم اور وسیع موضوع ہے۔اس کی عظمت و وسعت ایک طرف عبد سے اوور دوسری طرف معبود سے ملتی ہے۔شاعر کے پائے فکر میں ذرا سی لغزش ہوئی اور وہ نعت کے بجائے گیا حمد و منقبت کی سرحدوں میں۔اس لیے اس موضوع کو ہاتھ لگانا اتنا آسان نہیں جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔حقیقتاً نعت کا راستہ بال

سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔'' (نقوش، رسول نمبر، لاہور، ص ۲۵)

عبدالکریم ثمرؔ:

''نعت نہایت مشکل صنفِ سخن ہے۔ نعت کی نازک حدود کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کی آفاقیت قائم رکھنا آسان کام نہیں۔ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ذرا سی بے احتیاطی اور ادنیٰ سی لغزشِ خیال والفاظ ایمان وعمل کو غارت کر دیتی ہے۔'' (نقوش، رسول نمبر لاہور، ص ۲۴)

مجید امجد:

''حقیقت یہ ہے کہ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ذرا سی لغزش نعت گو کو حدودِ کفر میں داخل کر سکتی ہے۔ ذرا سی کوتاہی مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے۔ ذرا سا شاعرانہ غلو ضلالت کے زمرے میں آ سکتا ہے۔ ذرا سا عجزِ بیان اہانت کا باعث بن سکتا ہے۔'' (نقوش، رسول نمبر لاہور، ص ۲۲۴)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی:

''نعت کے موضوع سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں۔ موضوع کا احترام کلام کی بے کیفی اور بے رونقی کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ نقاد کو نعت گو سے باز پُرس کرنے میں تامّل ہوتا ہے اور دوسری طرف لعنت گو کو اپنی فنّی کمزوری چھپانے کے لیے نعت کا پردہ بھی بہت آسانی سے مل جاتا ہے۔ شاعر ہر مرحلے پر اپنے معتقدات کی آڑ پکڑتا ہے اور نقاد جہاں کا تہاں رہ جاتا ہے، لیکن نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔'' (نقوش، رسول نمبر، لاہور، ص ۲۵)

ڈاکٹر اے ڈی نسیم قریشی:

''نعت گوئی کا راستہ پُل صراط سے زیادہ کٹھن ہے۔ اس پر بڑی احتیاط اور ہوش سے چلنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے اکثر شاعروں نے نعت کہنے میں بے بسی کا اظہار کیا ہے۔ جس ہستی پر خدا خود درود بھیجتا ہے انسان کی کیا مجال کہ اس کی تعریف کا احاطہ کر سکے۔'' (نقوش، رسول نمبر، لاہور، ص ۲۵)

ڈاکٹر امجد رضا امجد:

''اصنافِ سخن میں نعت گوئی سے زیادہ مقدس و متحرک اور کوئی صنف نہیں۔ مگر یہ صنف جتنی لطیف و پاکیزہ ہے اتنی ہی نازک اور دشوار گزار بھی ہے۔ یہ اک ایسا پُل صراط ہے جس پہ قدم رکھنا عبادت ہے اور توازن قائم رکھتے ہوئے گزر جانا سعادت۔ جب تک اس منزل کے لیے علم و آگہی کا سرمایہ اور شریعت و طریقت کے ساتھ عشق کا مکمل عرفان نہ ہو اس راہ پہ سفر کرنا توشۂ ایمان کے لیے غارت کا باعث ہے۔(نعت رنگ، امام احمد رضا نمبر، ص ۱۶۱)

قدسی سفیرِ عشقِ رسالت ہیں: سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کا بھی عشاقِ مصطفیٰ ﷺ میں شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے عشق کے اظہار کے لیے مختلف فنون کو وسیلہ بنایا ہے۔ لیکن ان کے جملہ فنون میں جو فن سب پہ حاوی ہے وہ نعت کا فن ہے۔ عشقِ رسالت مآب ﷺ عالمی امن کا ضامن ہے۔ قدسیؔ سفیرِ عشقِ رسالت ہیں، وہ نعت کے ذریعہ پوری دنیا کو حرارتِ عشق سے آشنا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ قریب قریب تین دہائیوں سے عشقِ رسالت مآب ﷺ کی ترویج و تبلیغ اور تشہیر میں مصروف ہیں۔ ان کی شاعری کی بھی کئی جہتیں ہیں۔ نعت، دوہا نعت، ہائیکو نعت، نعتیہ غزل اور آزاد نعت اور ہر جہت میں انہوں نے اپنے عشق کا پاکیزہ اظہار کیا ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ قدسیؔ صاحبِ فن شاعر ہیں، انہوں نے شعر و سخن کی دنیا کو جدید میلانات، رجحانات اور کنٹونمنٹ سے آشنا کیا ہے۔ فنی نقطۂ نگاہ سے ان کے شعری سرمائے کا جائزہ لینا دقّت طلب اور تفصیل طلب کام ہے اور یہاں اس کی گنجائش نہیں۔ ان کی شخصیت اور شاعری پہ لکھا گیا ہے، لکھا جا رہا ہے اور مزید بہت کچھ لکھا جائے گا۔ ان کی شاعری اور شخصیت پہ کچھ تحقیقی مقالات آئے ہیں لیکن ان میں بھی ان کے فن پہ جزوی بحث کی گئی ہے۔ جب کہ ان کا فن تنقیدی نقطۂ نگاہ سے بھرپور بحث کا متقاضی ہے۔ بعض دانشوروں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ ان کی شاعری اور شخصیت کے حوالے سے جو تحریریں آئی ہیں وہ توصیفی رنگ و آہنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ یہ سوال بہت حد تک درست بھی ہے لیکن اس میں قصد و ارادے کا کوئی دخل نہیں ہے یہ تو لکھنے والوں کی ذمہ داری ہوتی

ہے کہ وہ جس شخصیت پہ لکھ رہا ہے اس شخصیت کا ہر اعتبار سے منصفانہ جائزہ لے۔ہم ناقدینِ زبان وادب کو ان کے فن کے تنقیدی جائزے کی دعوت دیتے ہیں۔قدسؔی ہر طرح کی تحریر کو قبول کرنے اور اس کی اشاعت کا حوصلہ رکھتے ہیں۔قدسؔی میدانِ عشق کے بہروپیے ہیں وہ عشق کا چولا بدل بدل کے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اس نیت سے حاضر ہوتے ہیں کہ عشق کے چولوں کو دیکھ کر کسی چولا پر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تبسّم فرما دیں، پھر بیڑا پار ہو جائے۔

نعت، آدابِ نعت اور قدسؔی:

اہلِ علم وفن اور صاحبانِ شعر وادب اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ اصنافِ شاعری میں سب سے کٹھن اور دشوار صنف صنفِ نعت ہے۔نعت کہنا تیز تلوار کی دھار پہ چلنے

کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علما اس نازک ترین صنفِ سخن کو اپنانے کے لیے جلد خود کو آمادہ نہیں کر پاتے۔ اس میدان میں اکثریت انھیں کی نظر آتی ہے جو شریعت کی باریکیوں سے نا آشنا ہیں اور دولتِ عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت حد تک محروم ہیں۔ وہ قافیہ پیمائی اور عمدہ خیالات کو شعر کے قالب میں ڈھال دینے ہی کو نعت گوئی سمجھتے ہیں۔ جبکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ نعت کہنے سے پہلے اشکوں سے وضو کرنا ہوتا ہے۔ نعت گوئی کے لیے کردار و عمل میں شفّافیت، فکر و خیال کی طہارت اور کوثر و تسنیم سے دھلا ہوا قلم ہونا چاہیے۔ علومِ قرآن و احادیث پہ گہری نظر ہونی چاہیے اور الوہیت و رسالت کا فرق بھی ہر وقت ملحوظِ خاطر رہنا چاہیے۔ جس کے اندر یہ خوبیاں اور یہ صلاحیتیں ہوں گی، اسی کو نعت کہنے کا حق پہنچتا ہے۔

قرآن و احادیث بھی نعتِ حبیبِ خدا کے گلستان ہیں۔ جو شخص قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتا ہے اسے نعت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کا ثواب ملتا ہے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت امام عشق و محبت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ؎ قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی۔ یعنی قرآنِ حکیم میں فکر و تدبر کرتے کرتے نعت گوئی کا سلیقہ آ گیا۔ انہوں نے قرآن سے کیوں نعت گوئی سیکھی۔ اس کی بھی انہوں نے وضاحت کی ہے ؎ یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ۔ احادیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھنے، پڑھنے اور پڑھانے والے کو بھی نعت گوئی و نعت خوانی کا ثواب ملتا ہے۔ حدیث پاک کا ترجمہ کیجیے اور اس کے مفاہیم کو شعر کے قالب میں ڈھال دیجیے۔ نعت تیار ہو جائے گی۔ قرآنی آیات کو سامنے رکھیے اور اس کے مفاہیم کو شعر کی شکل دے دیجیے۔ نعت تیار ہو جائے گی۔ قرآن و احادیث نعت پاک کے بنیادی ماخذ و مصادر ہیں۔ ان دونوں ماخذوں سے ہٹ کر نعت گوئی کا میدان سر نہیں کیا جا سکتا۔

ان باتوں کے تذکرے کا بنیادی مقصد ہمیں نعت گوئی کے آداب بتانا ہے۔ اسلامی تاریخ میں محدثین کا ایک طویل سلسلہ ملتا ہے۔ محدثین کی صف میں حضرت امام بخاری رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ کا سب سے بلند مقام ومرتبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم کے بعد تمام کتب احادیث میں بخاری شریف کو اولیت حاصل ہے۔ جمع احادیث، تدوین احادیث اور ترتیب احادیث بھی نعت نگاری ہے۔ حضرت امام بخاری نے جب تدوین بخاری کا ارادہ فرمایا تو ان کا حال یہ تھا کہ پہلے غسل فرماتے، پھر نیا کپڑا زیب تن فرماتے، خوشبو لگاتے اور دو رکعت نفل نماز پڑھتے، پھر ایک حدیث لکھتے۔ بخاری شریف کی دونوں جلدوں کے مکمل ہونے تک ان کا یہی معمول رہا۔ نعت نگاری نے انھیں عشقِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس بلند مقام پر فائز کر دیا جہاں عام لوگوں کی نگاہیں پہنچ نہیں پاتی ہیں۔

جب بخاری شریف مکمل ہوگئی تو وہ مسودہ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک حدیث پڑھتے اور روئے زیبا کو دیکھتے رہتے۔ جب حضور کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہوتے تو اس حدیث کو نقل کر لیتے اور جس حدیث کو سننے کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روئے زیبا سے ناگواری ظاہر ہوتی اسے چھوڑ دیتے۔ اس طرح پوری بخاری شریف انہوں نے حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سنائی۔ یہ خواب کی بات نہیں ہے، عالمِ بیداری کی بات ہے۔ یعنی بخاری شریف ایک ایسی کتاب ہے جو بارگاہِ رسالت میں محبوب ومقبول ہے اور مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لطف وکرم کے سائے میں ترتیب دی گئی ہے۔

حضرت امام بخاری کی یہ مقبولیت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح نعت گوئی ونعت نگاری کا صدقہ ہے۔ حضرت امام بخاری نے اپنے عشق کو کبھی داغدار ہونے نہیں دیا ان کی ذات عشق کی دہلیز پر ہر وقت باوضو حاضر رہتی، اسی عشق بے داغ کا نتیجہ ہے کہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی قلوب میں ان کی چاہت کا چراغ پورے آب وتاب کے ساتھ جل رہا ہے، اس لئے نعت نگاروں کے سامنے ہر وقت حضرت امام بخاری کا علم، عمل اور عشق ہونا چاہیے۔

نعت گوئی کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ اتنی قدیم ہے کہ جب کچھ نہ تھا تو بھی نبی کی نعت

کہی جاتی تھی اور جب کچھ نہ ہوگا تو بھی نعت کہی جائے گی۔ تمام انبیا کرام کی ایک حیثیت نعت نگاروں کی بھی ہے۔ قرآن و احادیث میں اس کے روشن شواہد موجود ہیں۔ اولیائے کرام کی جماعت بھی نعت نگاروں کی صف میں آتی ہے۔ علماے کرام کا شمار بھی نعت نگاروں میں ہوتا ہے۔ سب کی نعت نگاری و نعت گوئی کی حیثیتیں الگ الگ ہیں۔ محشر میں نعت نگاروں اور نعت خوانوں کی جماعت سب سے بڑی جماعت ہوگی اور وہاں بھی سب نعت خوانی میں مصروف ہوں گے۔

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
ہے کلامِ مجید نے کھائی شہا تیرے شہر کلام و بقا کی قسم
فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
تمہاری شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

باتوں کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا جا رہا ہے۔ بات جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہوتی ہے تو سلسلۂ کلام خود بخود دراز سے دراز تر ہوتا چلا جاتا ہے عشق و ایمان کا یہی تقاضا بھی ہے۔ یہ اُن کے ذکر کی شان ہے۔

قلب محوِ سرور ہوتا ہے غم زمانے کا دور ہوتا ہے
زندگی جھوم جھوم جاتی ہے جب بھی ذکرِ حضور ہوتا ہے

سید اولادِ رسول قدسیؔ کا شمار عہدِ حاضر کے نمائندہ سفیرانِ نعت اور مداحانِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہوتا ہے۔ قدسیؔ نے پندرہ سال کی عمر میں شاعری کا آغاز کیا اور اپنی شاعری کی ابتدا نعت گوئی سے کی۔ اس عمر میں آدمی کے اندر نعت گوئی کے تقاضے کو پورا کرنے کی صلاحیت بہت کم ہوتی ہے۔ صرف ایک جنونِ شوق ہوتا ہے جو اسے محوِ سفر رکھتا ہے۔ دھیرے دھیرے اس میں نعت گوئی کا شعور پروان چڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس عمر میں قدم قدم پر رہبر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شوق خود ہی راہبر بن جاتا ہے۔ قدسیؔ کو نعت گوئی کے بال و پر ان کے والد ماجد حضرت مفتی اعظم اُڑیسہ کی رفاقت

سے ملے۔ اگر ان کے والد ماجد کی رفاقت اور ان کی رہبری نہ ہوتی تو آج نعت نگاروں کی صف میں قدسی کا جو مقام و مرتبہ ہے وہ مقام و مرتبہ نہ ہوتا۔ اس سلسلے میں گھریلو ماحول سے بھی قدسی کو مہمیز ملی۔

قدسی کے والد ماجد نے قدسی کو ہر طرح سے سنوارا ہے۔ ان کے پاس علم کا جو خزانہ تھا قدسی کو دے دیا۔ عمل کی جو پونجی تھی قدسی کو سونپ دی اور عشق کی جو تپش تھی قدسی کے حوالے کردی۔ علم، عمل اور عشق جب یکجا ہوتے ہیں تب کوئی ناعت رسول بنتا ہے۔ ناعت رسول ہونا بہت بڑی سعادت ہے اور یہ سعادت سب کے حصے میں نہیں آتی ہے۔ اسی کے حصے میں آتی ہے جس کے دل میں ابتدا ہی سے چراغِ عشقِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روشن ہوتا ہے۔

قدسی پہ ان کے مرشدِ گرامی حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ بھی بہت زیادہ مہربان تھے۔ قدسی کے سر پر جو دستارِ علومِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چمک رہی ہے یہ حضور مجاہد ملت کی دعاؤں اور ان کے روحانی فیضان کا نتیجہ ہے۔ قدسی کی زندگی کا ہر ورق ادب کے نور سے روشن ہے۔ ادب کی دولت بھی انھیں والد ماجد اور حضور مجاہد ملت سے ملی ہے۔ یہ امر مسلّم ہے کہ قدرت جس سے کچھ کام لینا چاہتی ہے، اسے ایسا ماحول مہیا کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدسی کی دینی، ملی اور شعری عظمتوں کی خوشبو دن بدن پھیلتی جا رہی ہے۔ صفِ علما میں بھی قدسی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ خطبا بھی میں ان کا مقام جداگانہ ہے۔ اور نعت گوئی کے میدان میں ان کی اپنی الگ شناخت ہے۔ شعر و سخن کی دنیا ان میں غالب اور اقبال کا عکس بھی دیکھ رہی ہے۔ دوہا غزل میں ان کی ایک الگ پہچان بنتی جا رہی ہے۔ قدسی جس راہ سے گذرتے ہیں رفعتیں ان کے استقبال کو کھڑی ملتی ہیں۔ ان کے یہاں نعت اور آدابِ نعت کی نوری نوری اور بھینی بھینی خوشبو ہر وقت پھیلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ یہ آدابِ نعت ہی کی برکتیں ہیں کہ اب تک ان کے سات نعتیہ دیوان چھپ کر نعتیہ ادب کے ایوان میں ہلچل پیدا کر چکے ہیں۔ نعت، آدابِ نعت نے قدسی کو افلاک نعت کا روشن و تابندہ ستارا بنا دیا ہے۔ قدسی کی نعتیہ فکر میں شریعت و شعریت کا جو حسن ہے وہ اپنی

مثال آپ ہے۔انہوں نے شعر وسخن کی مختلف صنفوں میں نعتیں کہی ہیں۔اور ہر صنف میں اپنا نمایاں نقش چھوڑا ہے۔قدسیؔ کی حمد یں بھی نعتیہ رنگ وآہنگ لیے ہوتی ہیں۔شعرا کی بھیڑ میں جو چیز قدسیؔ کو نمایاں کرتی ہے وہ ان کی شریعت کی پاسداری اوران کا تاریخی شعور ہے۔انہوں نے غزل میں بھی شریعت کا خاص خیال رکھا ہے۔انھوں نے حمد میں بھی عشقِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کواُجاگر کیا ہے۔ذیل میں اُن کے حمد یہ کلام کے کچھ نمونے ملاحظہ کریں:

آزاد حمد میں عشقِ رسالت کی شعاعیں:

ہے خدا کے کرم کی نہیں انتہا
ہے یہ سب کچھ اسی کا
ہم اس کے، ہمارا ہے وہ
اس کے اوصاف حدِ بیاں سے ہیں باہر
وہ قہّار ہے اور غفّار بھی
ہے وہ جبّار اور ہے وہ ستّار بھی
ہے وہ بے مثل تواّب بندوں کی خاطر
بھلا کیسے ہو شکر ہم سے ادا؟
ہم گنہ گار ہیں اور سراپا سیہ کار ہیں
پاک، بے عیب، بے مثل ہے اس کی شان
ہے یہ ایقاں ہمارا
وہ قدسیؔ کی ساری سیہ کاریوں کو
رسولِ دوعالم کی نعتوں کے صدقے
مٹادے گا اپنے کرم سے
ثوابوں سے بھر دے گا اعمال نامہ

قیامت کے دن (غزلیہ مجموعہ، رفتہ رفتہ، ص:۷۵)

آزاد حمد کی دوسری مثال:

جانے کتنے رسولوں کی بعثت ہوئی
تا کہ ہر اک بشر
راہِ حق وصداقت پہ ہوگا مزن
الغرض
جملہ انساں کے آرام کے واسطے
کیف وراحت کے ساماں مہیّا کیے
قدسیؔ انساں کی یہ وجہِ تخلیق ہے
حبِّ سرکار میں ایسے سرشار ہو
تا ابد رب کے دربار میں سر بہ سجدہ رہے (رفتہ رفتہ، غزلیہ مجموعہ، ص:۷۷)

سیّد اولا د رسول قدسیؔ نے منظوم سیرت ''سیرت سرورِ دو جہاں''، لکھی ہے۔ سیرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے باب میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی کتاب ہے۔ کتاب کیا ہے؟ کوزے میں سمندر ہے۔ منظوم ہونے کی بنیاد پر علما اور عوام کا ایک طبقہ اسے قابلِ توجہ نہیں سمجھتا۔ سیرتِ پاک کے حوالے سے جو معلومات دوسری کتابوں کے کئی صفحات کے مطالعہ سے ہوگی، یہاں چند مصرعوں میں وہ ساری معلومات حاصل ہو جاتی ہے۔ کتاب کا ہر مصرعہ اپنے سینے میں ایک تاریخ لیے ہوئے ہے۔ مطالعہ کے دوران ایک سنجیدہ قاری کی پلکیں جگہ جگہ اشکوں سے وضو کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ سیرت نگاری کے جو تقاضے اور مطالبات ہیں قدسیؔ نے پوری کتاب میں ان تقاضوں کا بھر پور خیال رکھا ہے۔ پوری کتاب جذباتِ عشق کے سمندر میں ڈوب کے لکھی گئی ہے۔ اس لیے کتاب کے ہر مصرعہ سے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کرن پھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ذیل میں کتاب سے دو مثالیں ملاحظہ کریں:۔

سیرتِ سرورِ دو جہاں ﷺ

مشعلِ راہِ حق وصداقت ہے کونین کے واسطے
ہے یہ پاکیزہ سیرت اس انسان کی
ہے جو خیر البشر، سرورِ انبیا
وجہِ تخلیقِ ہر دو جہاں
ہے جو بعد از خدا
سب سے اعلیٰ واولیٰ
ہم آغاز کرتے ہیں یوں
باسعادت ولادت کے پر کیف ایام سے

(سیرتِ سرورِ دو جہاں، جلد اوّل، ص: ۵۷)

دوسری مثال:۔

درج ہے قولِ مشہور جمہور کا
رونما واقعہ ہو چکا
ابرہہ فیل والے کا جب
بعد پچپن دنوں کے
ربیعِ حسیں کی تھی تاریخ بارہ
تھا دن پیر کا
وقت تھا صبحِ صادق کا پُرنور، دل کش، دل آرا
ہوئی جلوہ بار ایسی ذاتِ مقدس
جسے ہے یہ اعزاز حاصل
ہے وہ باعثِ دو جہاں
سرورِ انس وجاں
مونسِ بے کساں

مالکِ کن فکاں
گردشِ روز و شب کا ہے مطلوب وہ
خلقِ آدم کا ہے رمز وہ
کشتیِ نوح کے حفظ کا راز وہ
ہے کعبہ کے بانی کی روشن دعا وہ
ابنِ مریم کی پیہم بشارت
اشرف الانبیا
دلبرِ اتقیا
رہبرِ اصفیا
احمدِ مجتبیٰ
مصطفیٰ خاتم الانبیا
ربِّ اکرم کا محبوب ہے بے بدل وہ
وہ مکّہ کے شہرِ ضیا بار میں
یعنی عفت مآب آمنہ کے مکاں میں
معطّر بدن اور ختنہ شدہ
ناف بھی تھی بریدہ
وہ سجدے کی حالت میں خوشبو سے معمور تشریف لایا

(سیرتِ سرورِ دوجہاں، جلد اوّل، ص:۵۸،۵۹)

سیّد اولادرسول قدسیؔ نے مختلف اصنافِ شعری میں حمدیہ کلام کہے ہیں، آزاد حمد، پابند حمد، ہائیکو حمد اور دوہا حمد۔ ان کی ہر منظوم کتاب کے ابتدائی اوراق حمدیہ کلام کے نور سے روشن و منور ہیں۔ ذیل میں دوہا حمد کے عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشبو میں بسے ہوئے اشعار کی مثالیں ملاحظہ کریں۔

جو رب کے محبوب سے، دل میں رکھے بیر، بے سود اس کا ہر عمل، ایماں ہے مفقود
یوں اپنے محبوب کو، رب نے بخشی شان، حامد ان کا وہ بنا، اس کے وہ محمود
(فکرِ مسلسل، نعتیہ مجموعہ، ص:۷۲، ۷۳)

نعتیہ دوہے

آقا کے اعجاز پر، عقلِ انساں دنگ
لے کر بوسہ بن گیا، نرم و نازک سنگ
مارا مارا گھومنا، چھوڑ اب نادان
ان کے در پر جا جہاں، بٹتا ہے فیضان
غیروں کی دہلیز پر، سر اپنا مت پھوڑ
ہیں وہ محبوبِ خدا، رشتہ ان سے جوڑ

دوسری مثال

یادوں سے سرکار کی، جو دل ہے آباد
رب کے وہ فیضان سے ، ہر لمحہ ہے شاد
ان کی ذاتِ پاک سے، جس نے رکھا بیر
اس کا سب کچھ ہوگیا، پل بھر میں برباد
نعمت کے قاسم ہیں وہ، سب ان کے محتاج
وہ جملہ کونین کی، کرتے ہیں اِمداد

تیسری مثال

ذرّے ذرّے میں نہاں، ان کی ہے تنویر
نبیوں کے خوابوں کی وہ، روشن ہیں تعبیر
جو ان کے احکام کی، کرتا ہے تعمیل
دین و دنیا میں اسے، ملتی ہے توقیر

کفر و شرک و بدعتیں، ہوجائیں بے ہوش
کتنی لرزہ خیز ہے، ایماں کی تاثیر
(خدا نہ خدا سے جدا، ص ۸۵، رضا دار المطالعہ، پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار)

عشقِ رسالت مآب ﷺ کی جدید خوشبو میں بسے ہوئے نعتیہ اشعار:

چھاگئے وہ نور بن کے قلب میں
ہجر نے لیں جب کبھی انگڑائیاں
جونہی آئے وہ تصور میں مرے
کیف کی بجنے لگیں شہنائیاں
لب پہ آتے ہی نبی کا نامِ پاک
ہوگئیں بنجر دکھوں کی وادیاں
ان کی یادوں کی ضیاؤں سے ہوئی
مرے دل میں انجمن آرائیاں
گونجتی ہو ان کی نعتوں کی صدا
جب نکلتی ہو ہمارے تن سے جاں
خیر کے شیشے کی ضو کے روبرو
بےاثر ہے شر کا سنگِ سرگراں
ان کے گستاخوں کے چہرے کی مثال
جیسے ماچس کی جلی ہوئی تیلیاں

....

آمد سے ان کی شر، خس و خاشاک ہوگیا
شفاف فکر ہوگئی، دل پاک ہوگیا
یوں نعت گوئی بن گئی، سوچوں کی ہم سفر

بامِ عروج پر، مرا ادراک ہوگیا
یوں رنگ لایا جذبۂ عشقِ رسولِ پاک
زخمِ شہید خلد کا، پوشاک ہوگیا

....

ان کی رحمت کی آئی ہوا باغ باغ
ہوگئی میرے دل کی فضا باغ باغ
حشر کی دھوپ میں ہم گنہ گار کو
کرگئی ان کی نوری رِدا باغ باغ
جانے طیبہ سے لائی ہے پیغام کیا
آج لگتی ہے بےحد صبا باغ باغ

....

ان کی یادوں میں ہم کو کھونے دو
چشمِ دل اشک سے بھگونے دو
جو لقب چاہو بعد میں دینا
پہلے ان کا غلام ہونے دو
گم ہوں میں ان کے در کے جلوؤں میں
نور کے سائباں میں سونے دو

....

شہنشاہِ دوعالم کے توسل کی ہواؤں نے
غم واندوہ کے منجدھار کی کھٹیا کھڑی کردی
کلاہِ حضرتِ خالد میں موئے سرورِ دیں نے
مخالف کے سپہ سالار کی کھٹیا کھڑی کردی
امامِ اہلِ سنّت رہبرِ حق اعلیٰ حضرت نے

ہر اک گستاخ اور مکّار کی کھٹیا کھڑی کر دی
لبوں پر آتے ہی قدسیؔ درودوں کی حلاوت نے
مرے پُر درد حالِ زار کی کھٹیا کھڑی کر دی

(فکرِ مسلسل،نعتیہ مجموعہ)

ایک لفظی مکرر نعت

آقا آقا۔اعلیٰ اعلیٰ
ذرّہ ذرّہ۔تارا تارا
قطرہ قطرہ۔چرچا چرچا
نوری نوری۔چہرہ چہرہ
تن من تن من۔مہکا مہکا
کہہ دیں کہہ دیں۔مولا مولا
قدسیؔ قدسیؔ۔میرا میرا

(خدا نہ خدا سے جدا،ص ٦٧،٦٨)

دورکنی نعت

ہیں رسالت مآب ۔سب سے برتر جناب
ان پہ نازل ہوئی۔ رب کی اعلیٰ کتاب
کفر و شرک سب کے سب۔ ہو گئے بے نقاب
ہے عرق پر نثار۔ کیا سمن کیا گلاب
قدسیؔ سایہ کناں۔ ان کے سر پر سحاب

(خدا نہ خدا سے جدا،ص ٦٩،٧٠)

دوسری مثال

سرورِ دوجہاں۔ فضل کے آسماں
یہ نہ پوچھو کہاں۔ ہر طرف وہ عیاں
بخت ہے شادماں۔ دل میں ہیں وہ نہاں
ہے فصاحت کی جاں۔ ان کی شیریں زباں
چاند شق ہوگیا۔ معجزہ ضو فشاں
ہے گدائے نبی۔ قدسیؔ مدح خواں

(خدا نہ خدا سے جدا،ص ۱۲۳، ۱۲۴)

ایک لفظی نعت

فضیلت۔رسالت
طبیعت۔شریعت
سخن ور۔حلاوت
حسین تر۔ملاحت
منور۔سیادت
مسلم۔شرافت

(خدا نہ خدا سے جدا،ص ۷۴)

ایک رکنی نعت

مصطفیٰ۔مجتبیٰ
دیکھ کر۔آپ کا
چہرۂ۔پُرضیا
روئے دیں۔کھل اُٹھا
سرنگوں۔بت ہوا

ہر طرف۔شور اُٹھا

(خدا نہ خدا سے جدا،ص ۵۷)

نعتیہ ہائیکو

جب خواہش جاگی
آئی طیبہ سے فوراً
بارش رحمت کی

ان کا ہے صدقہ
حورِ جنت سے قائم
ہے میرا رشتہ

عالی شاں رتبہ
جنگل کے حیواں ان کو
کرتے ہیں سجدہ

ایسے وہ ذیشاں
قرآں کی ہر آیت ہے
ان کی مدحت خواں

(لوحِ محفوظ،ص ۲۷۶،رضادارالمطالعہ،پوکھریرا،سیتامڑھی،بہار)

دوہاغزل میں نعت کی خوشبو:

آجاتی ہے سامنے، دیکھوں میں جس سمت
ایسی دل میں آبسی، اک ان دیکھی ذات
خطہ خطہ امن کا، لگتا ہے گلزار
اس نے جور وظلم کو، ایسی دی ہے مات
اس کا فیضانِ کرم، یوں تھا ہر سو عام

معراج اس کی دے گئی، ہر اک کو معراج

....

گذرا لمحہ آ گیا، بن کر تازہ حال
جوں ہی دل میں یک بیک، آئی اس کی یاد

....

خاروں میں گل کی روش، پتھر پتھر موم
قدسیؔ اس کے ہونٹ کی، کیسی ہے تاثیر

....

دل میں باقی آج تک اس کے ہیں اثرات
تن من کو مہکا گئی، کیسی تھی وہ باس

....

سرمہ سے صرفِ نظر، کرلوں میں تا زیست
قسمت سے مل جائے گر، اس کے در کی خاک

....

کیسے میں نے کاٹ لی، اپنی ہی انگشت
ہونا تھا جو ہوگیا، رہنے دو تفصیل
قدسیؔ اس کے روبرو، مدھم ہے ہر حسن
اس کی نوری ذات کی، ناممکن تمثیل

....

دامن کا لو جائزہ، ہوگا شاید تنگ
یوں تو بارانِ کرم، سب پہ برسا عام

....

جس پر ہو کونین کا، ہر ذرّہ قربان

قدسیؔ اس کے وصف کی، کیسے ہو تعیین

.غزل میں نعتیہ فکر کا رچاؤ:

وہ رگ و پے میں میرے ہوا ایسے حل
میری سانسوں کو رنگِ حنا دے گیا

....

جب مزرعِ عقبیٰ اسے ٹھہرایا گیا
پھر کیسے یہ کہتے ہو کہ دنیا ہے عبث

....

بے جھجک اعترافِ حق کر لے
خوف کر آخرت کا ضد پر نہ اڑ
اوڑھ لے سر پہ رحمتوں کی ردا
ارضِ معتوب کی طرح نہ اجڑ

....

منزلِ بدر کا دیکھا جو جمال
بجھ گئی شمعِ سفر کی سازش
سر پہ ہے دستِ شفاعت ان کا
کیا بگاڑے گی سقر کی سازش

....

دوجہاں کے واسطے ان کا وجود
خالقِ کونین کی نعمت ہے خاص
ان سے چاہت کی سند مل جائے کاش
بس یہی قدسیؔ کی اک حسرت ہے خاص

....

چھپی دل میں اک ایسی تصویر جامع

خیالوں میں اس کی ہے تنویر جامع

....

باغِ عالم کا وہ گلِ یکتا
مشک سے بھی فزوں ہے جس کا عرق

....

ہر اک سمت ہے ان کی آمد کا شہرہ
کہ آنکھیں بچھانے کے دن آرہے ہیں

....

دوڑتا ہے وہ مجھ میں خون بن کر
یہ نہ کہیے وہ میرے پاس نہیں
ان کی یادیں ہیں درد کا مرہم
زخم کی یہ نئی کپاس نہیں

....

وہ مرے انگ انگ میں ہے نہاں
ہجر کی اب کوئی سبیل نہیں

....

مضطرب کیوں ہے خدا جانے طبیعت میری
ایسا لگتا ہے بڑھی جاتی ہے چاہت میری
صرف دوری ہی نہیں قرب بھی ان کا مشکل
یہ عجب زیست میں حائل ہے مصیبت میری

....

تم ہجر کی بےتاب شبِ تار میں قدسیؔ
اشکوں کی سخاوت کا مزہ کیوں نہیں لیتے

سید اولادِ رسول قدسیؔ کی نعتیہ شاعری سے اس طرح کی اور بھی مثالیں پیش کی جاسکتی

ہیں۔ان کے مطبوعہ نعتیہ شعری دبستان کی تعداد سات ہو چکی ہے۔نعت،نعتیہ ہائیکو اور دوہا نعت کے دبستان زیر ترتیب ہیں۔ان کی اشاعت بھی جلد ہی ہونے والی ہے۔مضمون کی طوالت کے پیش نظر مزید مثالوں سے گریز کیا جارہا ہے۔فن کی مزید تابشوں کو دیکھنے کے لیے ان کے شعری مجموعوں کی طرف رجوع کریں۔

قدسیؔ کا شمار عصرِ حاضر کے جدّت پسند، وسعت پسند اور ترقی پسند شعرا میں ہوتا ہے۔ انہوں نے شعر وسخن کے باب میں جو اضافے کیے ہیں یہ انھیں کا حصہ ہے۔ان کی جدت پسندی،ثقالت پسندی اور ان کی وسعتِ فکر ونظر کو ناقدینِ زبان وادب نے سندِ قبولیت سے نوازا ہے۔ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ کریں۔

ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی،شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی،لکھتے ہیں:

''قدسیؔ کی شخصیت میں بڑی دلکشی، وسعت اور مقناطیسی قوت پائی جاتی ہے۔آپ مذہبی اور ادبی دونوں دنیا میں عزت واحترام اور اعتبار کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔قدسیؔ مذہب اور ادب دونوں کی خدمت کو عبادت سمجھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی دور افتادہ زمین پر رہ کر بھی وہ شعری ونثری تخلیقات سے ہمارے ذخیرۂ ادب میں اضافہ کررہے ہیں۔ مغربی آب وہوا میں رہنے کے باوجود ان کا مذہبی ولسانی قدروں سے رشتہ کسی طرح کمزور نہیں ہوا ہے۔اور یہ بہت بڑی بات ہے۔''

(خدانہ خدا سے جدا،ص ۱۴)

حقانی القاسمی لکھتے ہیں:

''تخلیقی انفرادیت کا تعین اندازِ بیاں، یا 'تحیر' کی کیفیت سے ہوتا ہے۔غالبؔ کے یہاں 'اندازِ بیاں' کا حسن ہے تو میرؔ کے یہاں 'تحیر' کا جمال،اور یہ دونوں ہی اردو شاعری کے باب میں ممتاز اور منفرد ہیں۔اسی انداز اور تحیر کی توسیع ہمارے عہد کے بعض شاعروں کے ہاں بھی ملتی ہے۔اولادِ رسول قدسیؔ کا شمار بھی اس اعتبار سے ایسے شاعروں میں کیا جاسکتا ہے کہ ان کی شاعری بھی اظہار اور احساس کی سطح پر مختلف ہے۔یہ اشعار ان کے احساس واظہار

کی انفرادیت کے گواہ ہیں۔

آنکھوں سے اب زمین کے اُڑنے لگی ہے نیند
انسانیت کے خوں کے مناظر ہیں ہر طرف
افکار کی سنگین لڑائی کی زمیں پر
لفظوں کی شہادت کا مزہ کیوں نہیں لیتے

(تروتازہ،ص۱۵،رضادارالمطالعہ،پوکھریرا،سیتامڑھی،بہار)

ناقدین زبان وادب کے تاثرات وخیالات پر مشتمل میری ایک کتاب ''اعترافات'' کے نام سے جلد ہی منظر عام پر آنے والی ہے۔قدسی کی شخصیت میں کافی وسعت و گہرائی پائی جاتی ہے۔ادبی دنیا ان کی شعری ونثری خدمات کو مسلسل نظرانداز کرتی آرہی ہے۔اگر صوبائی سطح پر دیکھا جائے تو اڑیسہ میں نعت گوئی کے ایوان میں ان کی کوئی مثال دور دور تک نظر نہیں آتی۔اس کے باوجود اڑیسہ اردو اکیڈمی کی طرف سے اب تک ان کی کوئی پذیرائی نہیں ہوسکی ہے۔جبکہ اردو اکیڈمی اڑیسہ ان کی خدمات سے غافل نہیں ہے۔اڑیسہ اردو اکیڈمی کے اراکین کو اس حوالے سے سنجیدہ ہونا پڑے گا۔ورنہ آنے والی نسلوں پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوں گے اور اس سے اردو زبان وادب کو غیر معمولی نقصان پہنچے گا۔یونہی آج کی نسل کا اردو سے رشتہ ٹوٹتا جارہا ہے۔جن کے دل میں اردو زبان وادب کا سچا درد ہے،وہ اس سلسلے میں مسلسل اشک ریزی بھی کررہے ہیں۔اور مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن ان کی اشک ریزی رنگ لائے گی۔اس لیے کہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

قدسی کی شخصیت کو صوبائی سطح پر دیکھنا اور کسی ایک صوبہ میں ان کو قید کرنا ان کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔ان کے نعتیہ،غزلیہ اور نظمیہ اثاثوں کا تعصب وتنگ نظری سے بالاتر ہوکر اگر جائزہ لیا جائے تو برصغیر ہندو پاک کے نمائندہ شعرا میں ان کا قد کئی جہتوں سے بلند

ہوگا۔ ابھی حال ہی میں ان کی ایک ضخیم کتاب منظوم سیرت ''سیرتِ سرورِ دو جہاں'' کے نام سے منظرِ عام پر آئی ہے۔ سیرت کے حوالے سے اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے۔ یہ کتاب بھی نعت ہی کے صف میں آتی ہے۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو یہی کتاب ملکی سطح پر ان کی پذیرائی کے لیے کافی ہے۔ بلکہ عالمی سطح پر بھی اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ کسی بھی زبان کے ذخیرۂ ادب میں سیرتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عنوان پر کوئی دوسری ایسی کتاب نظر نہیں آتی۔ ادبی دنیا کی ذمے داری بنتی ہے کہ وہ اس کتاب کا شایانِ شان انداز میں تعارف کرائے۔

قدسیؔ بیس سالوں سے مغربی دنیا میں مقیم ہیں۔ ان بیس سالوں میں اردو زبان و ادب سے ان کا رشتہ کسی بھی سطح پر کمزور نہیں ہوا ہے۔ وہ روز ہی اردو کی نئی نئی بستیاں آباد کر رہے ہیں۔ ان کی خلوت وجلوت میں اردو کی جو شمع جل رہی ہے اس کی لو دن بدن تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے۔ مغربی دنیا میں بیٹھ کر انہوں نے اردو زبان و ادب کو کئی شعری مجموعے دیے ہیں۔ ان کے تین نعتیہ دیوان امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک کی آب ہوا میں تیار ہوئے ہیں۔ ایک غزلیہ دیوان ''تر و تازہ'' اور ایک نظمیہ ''سیرتِ سرورِ دو جہاں'' امریکہ میں بیٹھ کر انہوں نے تیار کیے ہیں: دوہا حمد، دوہا نعت، دوہا غزل، نعتیہ ہائیکو کے بوستان اور سیرتِ سرورِ دو جہاں۔ جلد ثانی تیاری کے مراحل میں ہیں۔ ان شاء اللہ ۲۰۱۶ء کے آخیر تک سب کی اشاعت ہو جائے گی۔ ان کا قلم جس برق رفتاری سے محوِ سفر ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ چند سالوں کے اندر اردو زبان و ادب کے آسمان پر اتنے ستارے روشن کر دیں گے کہ ان کی روشنی سے ناقدین زبان و ادب کی آنکھیں خیر ہو جائیں گی۔ کسان جس طرح کھیتوں میں پودے لگاتے ہیں، قدسیؔ اسی انداز میں ادب کی زمین پر شعروں کی فصل اُگا رہے ہیں۔ ان کی فکر کا ہر پودا توانا بھی ہوتا ہے، طاقت ور بھی ہوتا ہے اور ادبی ولسانی نقطۂ نگاہ سے خوب صورت بھی ہوتا ہے۔

قدسی علومِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اچھی طرح واقفیت رکھتے ہیں۔ شریعت و

طریقت کے اسرار ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہیں۔ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات پر بھی ان کی نظر ہے۔ زبان وادب کے جدید تقاضوں سے بھی وہ آشنا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعت اور آدابِ نعت کے حوالے سے ان کے تصورات وخیالات بڑے پاکیزہ ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری ہر جہت سے تقلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے ایوانِ نعت میں جو طرح طرح کے پھول کھلائے ہیں ان کی خوشبو سے انسانیت کی مشامِ جاں معطر ہو رہی ہے۔ اور ان شاء اللہ بہت دنوں تک معطر ہوتی رہے گی۔ وہ عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھٹی میں تپ کر کندن ہو چکے ہیں۔ ان کے شعری اظہارات میں عشقِ رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشبو دور سے محسوس کی جا سکتی ہے۔ ان کی شخصیت اور شاعری میں فاصلے نہیں ہیں۔ عشقِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشبو میں لپٹے ہوئے ان کے مزید کچھ اشعار ذیل میں ملاحظہ کریں ؂

منہمک ہو کے یادوں میں سرکار کی
فرشِ خاکی پہ پُر نور قالین ڈھونڈ
کاش قدسیؔ مدینے میں آجائے موت
پھر نہ کوئی کہے جائے تدفین ڈھونڈ

....

حبِ محبوبِ خدا میں ڈوب کر
دل بنا قدسیؔ حمائل کی ضیا

....

عشقِ صادق ہے شہِ عالم کا
قدسیؔ فردوس بداماں کی اساس

....

کون ہے کس میں ہے جرأت چھین لے

دل میں ہے ان کی محبت کی متاع

....

قدسیؔ مری نظر میں ہے ہر وقت جلوہ بار
سرکار کے دیار کی تصویر کا فلک

....

ایسی مانوس ہوئی ان سے طبیعت میری
ان میں گم رہنا سدا بن گئی عادت میری
میں ہوں بیمارِ محبت نہ کرو میرا علاج
ایک دن آئیں گے وہ بہرِ عیادت میری

....

یہ طفلِ تمنا کا ہے اسرار مسلسل
پیدا ہو کوئی آج ہی دیدار کی صورت
رحمت کی نظر جونہی پڑی چشمِ زدن میں
مہتابِ شفا بن گئی بیمار کی صورت

....

مست کرتا گیا ہمیں قدسیؔ
ان کی اُلفت کی تربتوں کا فلک

....

بہت یاد آئیں گی قدسیؔ بچھڑ کر
یہ محبوب دلبر مدینے کی گلیاں

....

یوں عشقِ نبی کی ہوئی تاثیر مرتب
ہر لمحۂ پُر کار ہے فردوس بداماں

....

نبی کی محبت ہی ہے اصلِ ایماں

سبق یہ پڑھانے کے دن آرہے ہیں

(خدا نہ خدا سے جدا)

قدسیؔ نعتیہ شاعری کی محراب ومنبر کے ادب آشنا، ادب نواز اور ادب ساز واقع ہوئے ہیں۔قدم قدم پر عشقِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیپ جلانا ان کا مقصدِ حیات ہے۔نعت کا لفظ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا کے لیے مخصوص ہے۔شاعر نعت کے ذریعے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی گہری عقیدت ومحبت کا اظہار کرتا ہے۔یعنی نعت عشقِ رسالت کا اعلانیہ بھی ہے اور اظہاریہ بھی۔نعت کے ذریعے عظمتِ رسالت، ناموسِ رسالت اور تقدیس رسالت کو تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔حمد میں مبالغے کی گنجائش ہے لیکن نعت میں ہر حرف سے حدِ ادب میں رہنے کا مطالبہ ہوتا ہے۔با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

یہ مصرعہ قدم قدم پر شاعر کی رہنمائی کرتا ہے۔لیکن ہوش میں رہ کر عشقِ رسالت کتنا مشکل ہے، اس کا صحیح اندازہ شاعر ہی کرسکتا ہے اور یہ اندازہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب شاعر کے دامن حیات میں علوم ومعارف کی قندیلیں روشن ہوں۔اس لیے کہ علوم ومعارف کے بغیر عشقِ رسالت کی کوئی بھی منزل سر نہیں کی جاسکتی۔قدسیؔ کی ذات اس معاملے میں مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ان کے دامنِ حیات میں دینی وعصری دونوں علوم کی دولتیں مسکرا رہی ہیں۔اسی لیے قدسیؔ رقم طراز ہیں:

آزاد میں ہوتا نہ کبھی نرغۂ غم سے
گر ان کی عنایت کے اشارے نہیں ہوتے
منسوب شہ دین سے ہوتا اگر آغاز
انجام کے سر پر کبھی آرے نہیں ہوتے
گر اسوۂ سرکار پہ ہرلمحہ گذرتا
ہم نفس کی اس جنگ میں ہارے نہیں ہوتے
ہوتے جو شریعت کی ضیاؤں پہ فدا ہم

یوں سامنے ظلمت کے شرارے نہیں ہوتے
بے خوف و خطر بہتے چلے جایئے قدسیؔ
سچ یہ ہے محبت کے کنارے نہیں ہوتے

عظمتِ رسالت، ناموسِ رسالت اور تقدیسِ رسالت کا تحفظ قدسیؔ کی حیات کا اعلانیہ ہے۔ وہ قریب قریب تیس سالوں سے عشقِ رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترویج و تشہیر میں مصروف ہیں۔ ان قوتوں سے سمجھوتا کرنا جو عظمتِ رسالت پہ حرف گیری کرتی ہیں۔ قدسیؔ اسے غیرتِ عشق کی توہین سمجھتے ہیں۔ قدسیؔ اس مکتب عشق کے تربیت یافتہ ہیں جہاں عظمت رسالت کا تحفظ ہر زاویے سے ترجیحی حیثیت رکھتا ہے۔ ساری متاعِ فکر و نظر کو قدم نازِ محبوب پر قربان کر دینا، یہی ایک مومن کے لیے معراجِ زندگی ہے۔ توہین و تنقیص کی چھوٹی سی چھوٹی چنگاری بھی اگر کہیں سے اٹھتی ہے تو جب تک اسے بجھا نہیں دیتے اس وقت تک قدسیؔ کو قرار نہیں آتا۔ ان کے حریم عشق میں اگر مگر کو باریابی کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ ان کا تصلّب تعصّب کی سرحدوں میں داخل ہو چکا ہے۔ عشق و وفا کی دنیا میں تصلب اور تعصب دونوں محمود ہیں۔ محبت محبوب کے ماسوا کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ قدسیؔ ہر اس قوت کو اپنے قدموں سے کچل دینا چاہتے ہیں جو عظمتِ رسالت کی خوشبو کو روکنا چاہتی ہو اور عشقِ رسالت کی راہ میں دیوار بنتی ہو۔ عظمتِ رسالت پر جو لوگ حرف گیری کرتے ہیں ان کے حوالے سے قدسیؔ کا تیور ذیل میں ملاحظہ کریں:

جذبۂ کعب سے سرشار نہیں میرا قلم
شکلِ تحریر میں شمشیر کہاں سے لاؤں

....

جس سے ہوتی ہو اہانت ان کی
ایسی تحریر کو ڈائن لکھنا
جو کوئی ابن ابی کی ہے روش پر قائم

اس کی ہر ایک خباثت کی صراحت ہے فرض

....

صرف گستاخِ مصطفٰی کے لیے
درک اسفل عذاب ہے محفوظ

....

عبث ہے عبث اس کو سمجھانا قدسیؔ
نہ سدھرا نہ سدھرے گا مرتد منافق

....

جو نہیں مانتا مختارِ دو عالم ان کو
زنگ آلود ہے ذہن اس کا، ہے پاگل واگل
پڑھ کے قرآن سمجھتا نہیں جو شانِ نبی
جاہلِ محض ہے وہ دین سے پیدل ویدل

....

پاک بے عیب سرکار پر اعتراض!
سچ ہے بے جا یہ تنقید سے کم نہیں

(خدا، نہ خدا سے جدا)

قدسیؔ ایوانِ نعت کی انتہائی روشن و تابندہ قندیل ہیں۔ انہوں نے صحرائے نعت میں اپنے دیر پا نقوش چھوڑے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری کی تہیں بڑی گہری ہیں۔ انھیں تدبر سے کریدنے کی ضرورت ہے۔ مشاق اور مخلص ناقدین زبان و ادب کی توجہ درکار ہے۔ تنقید جماعتی و گروہی عصبیت سے بالاتر ہو کر ہونی چاہیے۔ کوئی بھی فن پارہ عقیدے اور عقیدت سے بے نیاز نہیں ہوتا اور فن کار کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ بھی عقیدے اور عقیدت جڑی رہتی ہے۔ عقیدہ اور عقیدت ہر انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ لہٰذا کسی فن

پارہ اور فن کار کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دینا کہ یہ فلاں جماعت اور فلاں گروہ سے تعلق رکھتا ہے، یہ فن اور فن کار دونوں کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔

قدسیؔ کی شخصیت اردو زبان و ادب کے لیے پارس کی حیثیت رکھتی ہے۔اس لیے تعصب اور تنگ نظری سے بالاتر ہوکر ان کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔تا کہ ان کے کام کی رفتار متاثر نہ ہو سکے اور وہ زبان و ادب کے آنگن میں عشق و عرفان، زبان و بیان اور جدید میلانات و رُجحانات کی روز ہی ایک بارات اُتارتے رہیں۔ابھی ان میں کچھ کر گذرنے اور نئ نئ تاریخ رقم کرنے کے حوصلے جوان ہیں۔قدسی کی دہلیز حیات ادب اور عشق کے نور سے روشن ہے اور اسی ادب اور عشق کے اجالے ہیں انہیں نے اب تک نعت گوئی کا سفر کیا ہے ان کے نعتیہ سرمائے میں کوئی حرف ایسا نہ ملے گا جو ادب اور عشق کی خوشبو ہی نہ بسا ہو۔ان کی نعت گوئی کے اوقات متعین نہیں ہیں لیکنجب ان کا دل نعت گوئی پہ آمادہ ہوتا ہے تو ان کی پلکیں اشکوں سے وضو کرنے لگتی ہیں۔خود فرماتے ہیں

تم ہجر کی بے تاب شبِ تاب میں قدسی
اشکوں کی سخاوت کا مزا کیوں نہیں لیتے

قدسیؔ کی نعت نگاری: سیّد اولادرسول قدسیؔ کا محبوب ترین مشغلہ نعت گوئی ہے۔ لیکن انہوں نے نعتِ پاک کے پہلو بہ پہلو صنفِ غزل اور صنفِ نظم کو بھی اپنے فکری آکاش میں نمایاں جگہ دی ہے۔نعت گوئی کے لیے علم کی وسعت، جذبے کی صداقت اور فکری طہارت درکار ہوتی ہے۔ان زادِ سفر کے بغیر کوئی بھی نعت نگار میدانِ نعت گوئی میں سلامتی کے ساتھ سفر نہیں کرسکتا۔نعت گوئی کی جو شرائط ہیں خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ تمام شرطیں قدسیؔ کے دامنِ حیات میں ستاروں کی طرح چمک دمک رہی ہیں۔ان کی نعت گوئی کا کوئی ورق شرعی قباحتوں سے آلودہ نہیں ہے ان کے نعتیہ دواوین کا مطالعہ اس خیال کو توانائی فراہم کرتا ہے۔انہوں نے نعت گوئی کی زمین پر جدید فکر و خیال کے جو گلاب کھلائے ہیں ان کے معاصر شعرا میں اس کی مثال بمشکل پیش کی جاسکتی ہے۔انہوں نے نعت گوئی کے آداب امامِ نعت

گویاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرّہ سے سیکھے ہیں، خود رقم طراز ہیں:

قدسیؔ ہوں اس رضا کے درِ پاک کا گدا
سیکھی ہے جس نے نعت خدا کی کتاب سے
رضا کے فیض و کرم سے کلامِ قدسیؔ میں
بلند و بالا خیالات دیکھتے رہئے
ہے یہ سبق حدائق بخشش کا لاجواب
نعتِ رسول سیکھیے رب کی کتاب سے

ایک مومن کے لیے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے قیمتی دولت ہے۔ عشقِ رسالت کے بغیر ایمان کا دعویٰ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعض لوگ رسول دوستی پہ خدا دوستی کو ترجیح دیتے ہیں ان کا یہ عمل قرآنی مزاج کے خلاف ہے خود خدائے کریم اپنے بندوں سے رسول دوستی کا مطالبہ کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:
قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللہُ۔ پ:۳، ر:۱۱۔ اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔ آیتِ کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے پاس ٹھہرے جنہوں نے خانہ کعبہ میں بت نصب کیے تھے اور انہیں سجا سجا کر سجدے کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے گروہِ قریش خدا کی قسم تم اپنے آبا حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے دین کے خلاف ہو گئے ہو۔ قریش نے کہا ہم ان بتوں کو اللہ کی محبت میں پوجتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کریں اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ محبت الٰہی کا دعویٰ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع و فرماں برداری کے بغیر قابلِ قبول نہیں جو اس دعوے کا ثبوت دینا چاہے حضور کی غلامی کرے اور حضور نے بت پرستی کو منع فرمایا تو بت پرستی کرنے والا حضور کا نافرمان اور محبتِ الٰہی کے دعوے میں جھوٹا ہے۔ کنزالایمان۔ پ:۳، ر:۱۱، ص:۹۷۔

حضور سیّدِ عالم ﷺ کی محبت جانِ ایمان، روحِ ایمان ہے۔ بلکہ آپ کی محبت جان پہ بھی فوقیت رکھتی ہے، احادیث سے اس کی بھرپور توثیق ہوتی ہے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضور سیّدِ عالم ﷺ سے عرض کیا کہ میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان جو چیز پوشیدہ ہے اس کے علاوہ آپ مجھے سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ یہ سن کر حضور سیّدِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کو اس کی اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں۔ یہ ارشاد سن کر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اگر ایسا ہے تو قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس نے آپ کو حق و صداقت کے ساتھ کتاب و حکمت دے کر مبعوث فرمایا آپ مجھے میری اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ یہ سن کر حضور سیّدِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ اے عمر اب تمہارا ایمان مکمل ہوا ہے۔ (کتاب الشفا) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ فرماتے ہیں:

اللہ کی سرتابقدم شان ہیں یہ — ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں — ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

عشقِ رسالت جانِ ایمان ہے: کوئی بھی انسان اس وقت تک ایمان کی حلاوت نہیں پاسکتا جب تک کہ عشقِ رسالت ﷺ اس کی زندگی کا عنوانِ جلی نہ ہو۔ آگ جہاں ہوتی ہے دھواں وہیں سے نکلتا ہے۔ جس سینے میں عشقِ رسالت مآب ﷺ کی آگ سلگتی رہتی ہے اس سینے سے کسی نہ کسی شکل میں دھواں ضرور نکلتا ہے۔ عشق اور مشک میں بڑی مناسبت ہے، مشک جہاں ہوتا ہے خوشبو دور سے محسوس ہوتی ہے اور عشق کا بھی یہی حال ہے۔ عشق کو لاکھ چھپانے کی کوشش کی جائے پھر بھی وہ چھپتا نہیں ہے، کسی نہ کسی شکل میں وہ ظاہر ہو کے رہتا ہے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک بار کفّارِ مکّہ نے بہت زدوکوب کیا یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ جب آپ کے قبیلہ والوں نے کفّارِ مکّہ کو ظلم وستم کرتے ہوئے دیکھا تو آپ کو ان سے چھڑایا اور آپ کو اٹھا کر گھر لائے۔ آپ بے ہوش تھے، لوگ آپ کی زندگی سے مایوس ہو گئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے آنکھیں کھولیں تو آپ کے اہلِ

قبیلہ کے چہروں پہ خوشی ومسرت کی کرن پھیل گئی۔آپ کی والدہ قریب آئیں اور فرمایا کہ بیٹا یہ دودھ ہے پی لو، بیٹا یہ کھانا ہے کھالو،آپ سے جب بھی کھانے پینے کے لیے کہا جاتا آپ انکار کرجاتے۔والدہ نے جھنجھلا کر کہا کہ آخر تم چاہتے کیا ہو؟ تو آپ نے عرض کیا کہ میں اس وقت تک کسی بھی چیز کو اپنے منہ کے قریب نہیں کرسکتا جب تک کہ ان کو دیکھ نہ لوں،لوگ آپ کو سہارا دے کر بارگاہِ رسالت میں لے گئے۔جیسے ہی جمالِ رسالت پہ آپ کی نگاہ پڑی آنکھوں سے اشکوں کا طوفان امنڈ پڑا۔جب آقائے کریم ﷺ کی نگاہیں آپ پہ پڑیں تو آقائے کریم بھی اشک بار ہوگئے۔اِدھر سے صدیق بڑھے اور اُدھر سے آقائے کریم بڑھے اور دونوں ایک دوسرے سے چمٹ گئے جیسے کہ جنم کے بچھڑے گلے ملے ہوں۔ایک دوسرے سے گلے ملنے کی سنّت کا ثبوت یہیں سے ملتا ہے۔یعنی عشق جب بے چین ہوتا ہے، عشق جب مضطرب ہوتا ہے اور عشق جب پریشان ہوتا ہے تو وہ جلوۂ محبوب میں نہانا چاہتا ہے۔وصالِ محبوب کی لذتوں سے آشنائی چاہتا ہے۔اور محبوب کی آنکھوں کے سمندر میں ڈوبنا چاہتا ہے۔حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وقت تک چین نہ آیا جب تک آپ نے جلوۂ محبوب میں جی بھر کر نہا نہ لیا۔عشق اظہار کے لیے ہر وقت بے چین رہتا ہے۔عشق اگر ایک مقرّر کے دل میں ہے تو تقریر کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے،ایک محرّر کے دل میں ہے تو تحریر کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور اگر ایک شاعر کے دل میں ہے تو شعر کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے،اور اگر عاشق کثیر الجہات ہے تو وہ ہر جہت سے اپنے عشق کا اظہار کرتا ہے۔قدسی کثیر الجہات شخصیت کے مالکہ ہیں اور انہوں نے ہر جہت سے اپنے عشق کا اظہار کیا ہے اس حوالے سے ان کے شعری ونثری فن پارے کو دیکھا جاسکتا ہے۔

قدسی کی نظموں کا آسمان:

سیّد اولادرسول قدسی اسلام کے ایک عظیم داعی اور مبلغ ہیں۔اسلامی قدروں کے نور سے دلوں کو اجالنے کا فن ان کو خوب آتا ہے۔ان کا تبلیغی مشن تین دہائیوں پہ پھیلا ہوا ہے۔انہوں نے اپنی تحریر، تدریس، تقریر اور شعر وسخن کے ذریعہ انسان کی زندگی کے مختلف شعبوں میں بھرپور رہنمائی کی ہے۔تبلیغی نقطۂ نگاہ سے صرف ان کی شاعری کا مطالعہ انہیں مبلغین کی صف میں امتیازی مقام عطا کرتا ہے۔انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ سماج میں پھیلے ہوئے ہر طرح کے جرائم کی نشاندہی بھی کی ہے۔اصلاح کی راہیں بھی بتائی ہیں اور جرائم پیشہ عناصر کی حوصلہ شکنی بھی کی ہے۔آپ نے مذہب ومسلک، سیاست وتجارت اور ملک وقوم کے مفاد کے پردے میں جو لوگ عقیدتوں کا غلط فائدہ اٹھاتے ہیں ان کے چہروں سے نقاب بھی اٹھایا ہے اور ان کی غلط پالیسیوں سے دنیا کو ہوشیار رہنے کی تاکید بھی کی ہے۔ ہر طاقت

ور کمزور کو نگل جانا چاہتا ہے، ہر طاقت ور کمزوروں سے اس کے جینے کا حق چھین لینا چاہتا ہے۔ آپ نے ایسی ذہنیت کا بھر پور تعاقب کیا ہے۔ سماج اور معاشرے کے پُرامن ماحول میں مذہب اور سیاست کی آڑ میں جو لوگ زہر گھولنا چاہتے ہیں آپ نے ان کو بھی نشانہ بنایا ہے۔ آج پوری دنیا میں دہشت گردی کسی نہ کسی شکل میں پرورش پا رہی ہے۔ دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ دہشت گردی کو کسی مذہب سے جوڑنا سخت نادانی ہے۔ آپ نے اپنی شاعری کے ذریعہ دہشت گردوں کی شدید مذمت کی ہے اور ان طاقتوں کی بھی آپ نے مذمت کی ہے جو دہشت گردی کو کسی خاص مذہب سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں یعنی آپ کی شاعری کا حرف حرف جہاں خیر کی خوشبو میں بسا ہوا ہے وہیں شر کی مذمتوں کا طوفان بھی جگہ جگہ سے اٹھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

قدسی کی نظم نگاری ناقدین زبان وادب کی نظر میں: سیّد اولادِ رسول قدسی نے یوں تو ہر صنفِ سخن پہ طبع آزمائی کی ہے لیکن آپ کی شاعری کا غالب حصّہ نعت، غزل اور نظم پر مشتمل ہے۔ آپ کی نعتیہ اور غزلیہ شاعری کو ناقدینِ زبان وادب نے سندِ تحسین سے نوازا ہے۔ اس کی روشن مثالیں اوپر گذر چکی ہیں۔ جس طرح نعت گوئی اور غزل گوئی کے میدان میں آپ نے فکر و آگہی کے نئے نئے دیپ جلائے ہیں اسی طرح نظم نگاری کے میدان میں بھی آپ نے اپنی جداگانہ پہچان بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ان کی نظم نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر خواجہ اکرام جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی کا ایک حقیقت پسندانہ تبصرہ ذیل میں ملاحظہ کریں:

> ''قدسی کی وہ نظمیں بھی جو اسلامی تاریخ پر مبنی ہیں ان میں تاریخیت کے ساتھ روحِ عصر موجود ہے۔ مگر کہیں کہیں یہ محض تاریخ کا شعری اظہار یا ترجمہ بھی بن گئی ہیں۔ شاعر میں شعر گوئی کی بے پناہ صلاحیتیں موجود ہیں۔ اگر وہ تاریخ اور صداقت کے بیان میں شعری حسن کو بھی ہر جگہ برقرار رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ہم عصر شاعری میں ان کا بڑا نام ہوگا۔ نظم کی ایک اہم خاصیت یہ بھی ہے کہ اس کے خمیر میں روحِ عصر کو سمونے کی طاقت

موجود ہے۔اسی روایت کا تسلسل قدسؔی کی شاعری میں دیکھنے کو ملتا ہے۔خدا ان کی فکر اور شعری اظہار کو مزید جلا بخشے۔''(آمین)

(قدسی شخص اور شاعر،ص:۴۴۷)

ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی لکھتے ہیں:

''قدسؔی کی شعری کائنات کا تیسرا آسمان ان کی نظموں سے منور ہے۔یہ آسمان اہلِ علم سے اب تک پوشیدہ اس لیے تھا کہ انہوں نے اس کی اشاعت پر توجہ نہیں دی۔اب جب کہ نظموں کا مجموعہ ''لمحہ لمحہ'' مسودہ کی شکل میں زیر نظر ہے اُن کی نظموں کا ایک اور جہان میرے سامنے آیا ہے اور اپنی متنوع خوبیوں سے مجھے حیرت زدہ کررہا ہے۔عہد حاضر میں ''نظم گوئی'' کس قدر اہمیت کی حامل ہے اسے بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔حالؔی نے مقدمہ شعروشاعری میں شاعری کے جس رنگ وروپ کی وکالت کی تھی آج اس کی اہمیت نسبتاً زیادہ محسوس کی جارہی ہے کیونکہ بگڑتے معاشرے اور دم توڑتی ہوئی قدروں کی اصلاح اور زندگی کا ذریعہ موضوعی نظمیں ہی ہوسکتی ہیں۔جس تسلسل اور تاثراتی وحدت کے ساتھ نظم میں کسی موضوع کو پیش کیا جاسکتا ہے غزلوں میں نہیں۔اس لئے قدسی نے جب نظموں کی طرف توجہ کی اُنہیں اپنے افکار اور پیغامات کی ترسیل کا زیادہ بہتر موقع میسر آیا۔قدسی خطیب ہیں اور اسلامی وتاریخی شعور سے پوری طرح بہرہ ور ہیں،اس لئے اُن کی نظموں میں ''بیانیہ'' اسلوب حاوی ہے۔یہ نظمیں اُن کی غزلوں کی طرح علامتی استعاراتی یا تمثالی نہیں ہیں،ان میں تفصیل،سنجیدگی اور دردمندی کے ساتھ ترسیلی اسلوب میں بات کرنے کا انداز پایا جاتا ہے۔الفاظ،تراکیب،تشبیہات اور استعارے بھی غزلوں

کے مقابلے میں زیادہ سلیس وسادہ اوررواں دواں استعمال کئے گئے ہیں۔
یعنی نظموں میں عصری حوالہ زیادہ واضح، روشن اور صاف ہے اور زبان بول
چال کی زبان سے زیادہ قریب ہے۔''

(لمحہ لمحہ نظموں کا مجموعہ، ص:۳۱)

عبدالمتین جامی کٹک اڑیسہ لکھتے ہیں:

''سیّد اولادرسول قدسی کی آزاد نظموں کا مجموعہ ''لمحہ لمحہ'' کے مطالعہ کے دوران مجھ پر یہ بات واضح ہوئی کہ ان کی نظم گوئی کا مرکز ومحور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا تحفظ ہے۔ تاہم یہ بات بھی میرے ذہن کے افق سے ابھرتی ہے کہ کاش یہ تمام نظمیں پابند نظموں کے پیرائے میں ہوتیں۔ میرے خیال میں اس طرح سے اسلوبِ بیان میں تھوڑی سی تبدیلی ان نظموں کو لازوال تخلیقات کا قابلِ اعتبار درجہ عطا کردیتی۔'' بہرکیف قدسی صاحب لائقِ تحسین ہیں کہ انہوں نے اتنے کم عرصے میں اتنی ساری خوبصورت نظموں کا تحفہ دے کر اردو شعر وادب کے سرمائے میں خاصا اضافہ کیا ہے۔ یہ بات مشاہدے میں آرہی ہے کہ عموماً جدید شعرا ہوں کہ قدیم شعرا محض غزل گوئی پر اکتفا کر رہے ہیں۔ چند ہی استاد شعرا ایسے ہیں جن کے یہاں نظم نگاری کے علاوہ اردو کی دوسری اصنافِ سخن کی طرف توجہ دینے کے علاوہ مختلف قسم کے تجربات سے دل چسپی بھی دکھائی دیتی ہے۔ تاہم خوش آئند بات ہے کہ اولادِ رسول قدسی نئی نسل سے تعلق رکھنے کے باوجود اردو شاعری کی مختلف صنفوں پر طبع آزمائی کی ہے، جس کے نتیجے میں آج ''لمحہ لمحہ'' جیسا مجموعہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس مجموعے کی ادبی افادیت سے انکار ممکن نہی ہے۔'' (لمحہ لمحہ، ص ۵۳)

سید اولادِ رسول قدسی کی فکرِ دعوت وتبلیغ کے خمیر سے تیار ہوئی ہے۔ اس لیے ان کی کوئی بھی نظم دعوت وتبلیغ کے جذبے سے خالی نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی نظموں میں جہاں ادبی و

لسانی اصولوں کو نئے نئے آفاق دیئے ہیں وہیں تہذیبی، تمدنی اور معاشرتی ناہمواریوں کو بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔ ان کی فکر کے ہر تیور میں گہری بصیرت پنہاں ہوتی ہے۔ ان کی غزلوں میں جو پیچیدگی ہے نظموں میں نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی نظموں میں علامتی ومحاوراتی زبان سے گریز کرتے ہوئے بڑی صاف، ستھری اور سلیس زبان استعمال کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عام قاری بھی ان کی نظموں کے مطالعہ سے لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ ان کی نظمیں المیاتی بھی ہیں، رمزیاتی بھی ہیں۔ ان کی نظمیں طاق پہ سجانے کی نہیں ہیں بلکہ دل میں بسانے کی ہیں۔ ان کی ہر نظم اپنے اندر سبق، نصیحت اور عبرت کا ایک جہان رکھتی ہے۔

یہاں ان کی نظموں کے کچھ نمونے ملاحظہ کریں:

ان کی ایک نظم ہے ''حمدِ خلاق کون ومکاں'' اس میں انہوں نے خدا کی ہیشگی کے تصور کو کتنے سہل اور خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے ذیل میں دیکھیں:

کہیں کچھ نہ تھا
جن وانساں نہ حورِ جناں
نار وجنّت نہ رضوان وغلماں
کہیں کچھ نہ تھا
ہاں مگر
ایک ہی ذات تھی
ایک دن آئے گا ایسا پھر بالیقیں
ساری دنیا زمیں، آسماں
اس کے سارے مکیں سب کے سب
پل میں ہو جائیں گے پھر فنا
ہاں مگر

ایک ہی ذات قائم رہے گی
یہی ذات قدسیؔ
ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ رہے گی
یہی ذات ہے، ذاتِ خلاق کون و مکاں
جس کی حمد وثنا کرتے ہیں سب بیاں (لمحہ لمحہ نظموں کا مجموعہ، ص:۳۱)

قدسیؔ کی ایک نظم ہے ''کتّا''۔ کتّا نجس جانور ہے۔ اس کے نجس ہونے کا سبب یہ ہے کہ شیطان نے عداوت کے زیرِ اثر حضرت آدم علیہ السلام کے جسم پاک پہ تھوک دیا، ربِّ کائنات نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ شیطان نے میری قدرت کے شاہکار حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کے جس حصّے پر تھوکا ہے اسے وہاں سے نکال کر اس سے کتّے کو وجود دے دو۔ حضرت آدم کے جسم سے مس ہونے کی وجہ سے کتّے میں وفاداری کی صفت پیدا ہوگئی۔ کتّا اپنے مالک کے ساتھ بڑی وفاداری نبھاتا ہے۔ پوری پوری رات بیدار رہ کر اپنے مالک کے مال وجان کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر کوئی خطرہ ہوتا ہے تو بھونک بھونک کر اپنے مالک کو خطرے سے آگاہ کرتا ہے۔ بسااوقات اپنے مالک کے لیے اپنی جان بھی دے دیتا ہے۔ کتّے کی وفاداری انسان کے لیے درسِ عبرت ونصیحت ہے۔ کتّے کی وفاداری سے متاثر ہوکر یہ نظم لکھی گئی ہے۔ ذیل میں نظم کے کچھ اشعار ملاحظہ کریں۔

اثر یہ ہوا شاہ آدم کے نوری شکم سے تعلق کا اس پر
وفاداریوں کی صفت سے مزین ہوا
چونکہ جبرئیل کے دستِ اقدس سے اس کو بنایا گیا
اس لیے اس کو بیداریِ شب کی خوبی عطا کی گئی
ہے نجاست سے لبریز کتّا مگر

اس کے اندازِ عشقِ وفا کی مثالیں نہیں
اس کے اندر ہے جذبہ وفا کا نہاں اس طرح
مسکراتے ہوئے جان دے دے گا لیکن
نہیں دیکھ سکتا کہ مالک پہ آئے کسی قسم کی آنچ
اپنے مالک کی اور اس کے اہل وعیال ومکاں کی حفاظت کی خاطر
شب وروز ہر پل وہ تیار رکھتا ہے خود کو
اسے دھوپ، بارش نہ طوفاں کی ہے کوئی پرواہ
فکر ہے تو فقط اپنے مالک کی ہی فکر ہے
بس یہی اک سبب ہے
نجس جانور سے ہر اک پیار کرتا تھا، کرتا ہے، کرتا رہے گا
اگر دورِ حاضر کا انساں
سبق لے لے کتّے سے رازِ وفا کا
سمٹ آئے گی اس کے دامن میں کونین کی ہر خوشی
ربّ کے فیضان سے جملہ مخلوق کا پھر یہ بن جائے گا رہبر و رہنما تاجور
(لمحہ لمحہ نظمیہ مجموعہ، ص:۱۰۹)

لمحہ لمحہ، قدسی کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ اس میں اس طرح کی ذہن وفکر کو متاثر کرنے والی بکثرت نظمیں ہیں اور کمال یہ ہے کہ کوئی بھی نظم کسی فرضی کہانی سے متاثر ہو کر نہیں لکھی گئی ہے بلکہ ہر نظم کا رشتہ حقیقتِ واقعہ سے جڑا ہوا ہے۔ مثال کے طور پر سیرت سرورِ دو جہاں، عید میلاد النبی، بہارِ اسلام، یومِ آزادی، حسنِ خلق، شوقِ تمنّا، منظرِ بے خودی، کامیابی کا راز، نظامِ جہاں، ٹمٹما تا دیا، رشتہء باہمی، شہر خموشاں، طوفانِ جور و جفا، خونی الیکشن، پرکشش شخص، قدیم رشتہ، مسلکِ اعلیٰ حضرت، دعوتِ انقلاب، پہلا مسلمان، کشیدہ حالات، یادوں کی بوچھار، سیّد ہاشم رضا ہاشم اور خانقاہِ برکاتیہ۔

اخلاقِ نبوی ﷺ: حضور سیّدِ عالم ﷺ معلّم اخلاق بن کر تشریف لائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور سیّدِ عالم ﷺ کا اخلاق کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ قرآن۔ قرآن نے آپ کے اخلاق کو خلقِ عظیم سے تعبیر کیا ہے۔ آپ کے اخلاق کا عالم یہ تھا کہ جو آپ سے ایک بار مل لیتا وہ آپ کی محبت کا اسیر ہو جاتا۔ آپ کی ولادت سے پہلے پوری دنیا اخلاق کے مفہوم سے ناواقف تھی۔ اسلام کے فروغ میں آپ کے اخلاق نے کلیدی رول ادا کیا ہے۔ قدؔسی نے حضور سیّدِ عالم ﷺ کے خلقِ عظیم کی روشنی میں نظم ''حسنِ خلق'' لکھی ہے۔ اسی نظم کو آپ نے نثر کے قالب میں بھی ڈھالا ہے جو ''اخلاق کی خوشبو'' کے نام سے ان کے مقالات کا مکموعہ قلم آشنا میں شامل ہے۔ نثر کی مثال اس مقالے کی ابتدا میں دی گئی ہے۔ ذیل میں نظم کی مثال ملاحظہ کریں:

حسبِ معمول سرکار گذرے اسی راہ سے
پر وہ بڑھیا وہاں تھی نہ پھینکی کسی نے غلاظت
تعجب سے آقا نے لوگوں سے پوچھا
وہ بڑھیا کہاں ہے؟
غلاظت نہیں پھینکی کیوں آج اس نے؟
کہا ان سے لوگوں نے بڑھیا علالت کے بستر پہ آہ وفغاں کر رہی ہے
یہ سنتے ہی آقا ہوئے مضطرب
سیدھے بڑھیا کے گھر آپ پہنچے عیادت کی خاطر
ہوئی بدگماں دیکھ کر رحمتِ دو جہاں کو وہ بڑھیا
وہ غصّے سے لبریز کہنے لگی
ہو نہ ہو آپ آئے ہیں بدلے کی خاطر
اگر آپ کو مجھ سے بدلہ ہی لینا تھا اس وقت بدلہ لیا کیوں نہیں؟
جب میں بالکل توانا صحت مند تھی۔

اب میں بے حد نقاہت کے عالم میں ہوں
ایسے جانکاہ عالم میں بدلہ
نہیں ہے یہ عربوں کا شیوہ
یہ سنتے ہی آقا ہوئے لب کشا

دادی اماں

سراسر ہے یہ سوءِ ظن آپ کا
میں تو خالص عیادت کی نیت سے حاضر ہوا ہوں
مرا کام ہے درد کے مبتلا پر کروں بارشیں رحمتوں کی
ہوئی آپ کے حسنِ اخلاق سے ایسی گرویدہ بڑھیا
ہدایت کی شمعیں فروزاں ہوئی اس کے دل میں
پشیماں ہوئی اپنے کرتوت پر
پھر وہ بے ساختہ کلمہ پڑھ کر چلی آئی آغوشِ اسلام میں

(لمحہ لمحہ، نظموں کا مجموعہ، ص: ۷۳، ۷۴)

آج ہمارے ملک ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب دن بدن میلی ہوتی جا رہی ہے۔ اس میں سیاسی بازی گروں کا اہم رول ہے، کرسیِ اقتدار تک رسائی کے لیے۔ سیاسی لوگ ہر وہ کام کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں جس کی ایک سنجیدہ معاشرہ اجازت نہیں دیتا۔ کبھی مذہب کے نام پر، کبھی مسجد و مندر کے نام پر اور کبھی علاقائیت کے نام پر فتنہ و فساد برپا کیا جاتا ہے اور بے گناہوں کا اس بے دردی کے ساتھ خون بہایا جاتا ہے کہ پوری زمین خون سے رنگین ہو جاتی ہے۔ جب بھی الیکشن کا زمانہ آتا ہے پورے ملک میں خوف کے سائے رینگنے لگتے ہیں۔ تحریر و تقریر کے ذریعے فضاؤں میں زہر گھول دیا جاتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر ہر آدمی کی سوچ بدل جاتی ہے۔ یہاں تک کہ معمولات میں تبدیلی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ قدسیؔ نے اسی پس منظر میں نظم ''خونی الیکشن'' لکھی ہے نظم کے کچھ حصّے ذیل میں ملاحظہ کریں:

جوں ہی آیا زمانہ الیکشن کی ہنگامہ آرائیوں کا
ہوئے سارے اشرار یکجا
میٹنگیں ہوئیں کو بہ کو خفیہ انداز میں
ایسے بھڑکائیں شعلے فسادات کے
سارا ماحول آتش کدہ بن کے رہ جائے پل میں
کسی کو خبر کالے کرتوت کی ہو نہ پائے
سمجھنے لگیں سب کے سب
ناگہاں ہو گیا رونما حادثہ
سازشیں تھیں بھیانک بہت
آن کی آن میں کشت وخوں کا ہوا گرم بازار ہر سو
گھروں میں لگائی گئی آگ بے دردیوں سے کہیں
اور کہیں لاش ہی لاش کے ڈھیر آئے نظر
اور گلیوں میں بہتی تھی ندی لہو کی
دھواں ہی دھواں چھا رہا تھا فضاؤں میں ہر سو
تھما جوں ہی طوفاں فسادات کا
پھر تو امیدواروں کا تانتا بندھا ہر گلی میں
مگر مچھ کے آنسو تھے آنکھوں میں ان کی
دلاسا دیئے جا رہے تھے مصائب کے ماروں کو رو کر
ہمیں ووٹ دے کر کرو کامیابی سے سرشار پہلے
بجا دیں گے ہم اینٹ سے اینٹ ہر اک فسادی کا تم دیکھنا
مالی امداد ہم سب کریں گے تمہاری
مکانات پختہ بنا دیں گے سب کے

ہراک سمت آجائیں گی امن وراحت کی دلکش بہاریں
دکھاتے رہے سبز باغات ووٹوں کے دلال سب
سچ تو یہ تھا
یہ سب لیڈروں کی ہی سازش کا گندا اثر تھا
اسی طرح دورِ الیکشن میں ہوتا رہا ہے
اسی طرح ہوتا رہے گا (لمحہ لمحہ،نظموں کا مجموعہ،ص:۹۸،۹۹)

انسان کی تخلیق کا مقصد صرف عبادت ہے۔انسان صرف عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔اس کی وضاحت قرآن حکیم سے یوں ہوتی ہے۔ہم نے جنّات اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔اس ایک لفظ عبادت میں کائنات جیسی وسعت ہے۔اس ایک لفظ عبادت میں اسلام کی حقانیت وصداقت کا راز پنہاں ہے۔اور اسی لفظ عبادت سے اسلام پر لگائے گئے سارے الزامات حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں۔لفظ عبادت سے سارے فتنہ وفساد کی نفی ہوتی ہے۔جو بندہ عابد ہوگا فسادی نہیں ہوگا، جو بندہ عابد ہوگا خائن نہیں ہوگا اور جو بندہ عابد ہوگا وہ امنِ عالم کا قاتل نہیں ہوگا۔اسی لفظ عبادت سے انسان کی کامیابی کی ابتدا بھی ہوتی ہے اور انتہا بھی۔(۱) بروز حشر خدائے کریم کی طرف سے سب سے پہلا سوال انسان سے عبادت کے تعلق سے ہوگا۔اس لیے ہر فرد بشر کی اسی میں عافیت ہے کہ وہ پہلے خدائی سوال کا خوب اچھا جواب تیار کرلے۔اس پہلے سوال کا اگر معقول جواب دے دیا جاتا ہے تو بقیہ منزلیں آسان ہوجاتی ہیں۔خدائی عدالت سے سلامتی کے ساتھ گزر جانا یہی انسان کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔قدسی نے اپنی نظم ''کامیابی کا راز'' میں اسی مفہوم کو پیش کیا ہے۔نظم ہو یا نثر اس میں بنیادی اہمیت اندازِ پیش کش کی ہوتی ہے جسے اسلوب کا نام دیا جاتا ہے۔اسلوب مواد کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔یہ نثر یا نظم نگار کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے مواد کے موافق اسلوب کا انتخاب کرے۔قدسی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی ہر تحریر میں (چاہے وہ نظم ہو یا نثر) مواد کے مطابق اسلوب کا انتخاب کرتے ہیں۔

(ا) اس عبادت کو سمجھنے اور برتنے کے لیے حضور سیّدِ عالم ﷺ کی سیرتِ پاک کا ہر وقت پیشِ نگاہ ہونا ضروری ہے۔ بغیر اتباعِ رسول کے خدا تک رسائی کا ہر تصوّر باطل ہے۔ انسان عبادت ہی کی بنیاد پر رشکِ ملائک ہوتا ہے لیکن یہ وہ عبادت ہے جو رسولِ کریم ﷺ کی محبت کے جذبے میں ڈوب کر کی گئی ہو۔

نکیریں کرتے ہیں تعظیم میری
فدا ہو کے تجھ پہ یہ عزّت ملی ہے

''کامیابی کا راز'' میں ان کا انداز پیش کش ملاحظہ کریں:

میں ہوں معبود، تو ہے میرا عبد
تیری تخلیق اس واسطے کی ہے میں نے
کہ میری عبادت تو کرتا رہے
غیر کے در پہ سجدہ نہ کرنا کبھی
میرے احکام سے تو نہ پھرنا کبھی
میرے محبوب کی سنّتوں پہ تیری زندگی ہو فدا
اس کا کردار ہے ہر بشر کے لیے زندگی کا نمونہ
اطاعت ہے اس کی اطاعت مری
ہے رضا اس کی میری رضا
اس کی ناراضگی میرے غیظ و غضب کا ہے باعث
مگر حیف صد حیف اس دورِ حاضر کا انساں
شریعت کے احکام کو بھول کر
رشتۂ عبد و معبود کو توڑ کر
مصطفیٰ جانِ رحمت سے منہ موڑ کر
شر کی دلدل میں پھنستا چلا جا رہا ہے

نہ احساس ہے بندگی کا، نہ احساس ہے مقصدِ زیست کا
اور نہ پرواہ ہے عاقبت کی
خدا کا ذرا خوف پیدا تو کر
نارِ دوزخ کی ہیبت سے تو ڈر
ہے دروازہ توبہ کا اب بھی کھلا
لے کے آنکھوں میں اشکِ ندامت
حضورِ خدا میں تو روخوب رو
ہے وہ ستّار وغفّار بے شک
ترے سب گناہوں کو وہ بخش دے گا
وہ آغوشِ رحمت میں لے لے گا تجھ کو
تری زندگی ہی نہیں، آخرت بھی سنور جائے گی
پھر تو رشکِ ملائک بھی بن جائے گا
تیرے قدموں میں پھر شوق سے سر بہ خم ہوگا کونین کا ذرّہ ذرّہ

(لمحہ لمحہ نظموں کا مجموعہ، ص: ۸۴، ۸۵)

سیّد اولادِ رسول قدسیؔ جس طرح نعت گوئی وغزل گوئی کے میدان میں اپنی صاف، ستھری اور جداگانہ امیج رکھتے ہیں اسی طرح نظم نگاری کے میدان میں بھی انہوں نے اپنی ایک الگ پہچان بنانے کی کوشش کی ہے۔جس طرح ان کی نعتوں اور غزلوں میں ان کا تاریخی شعور دور سے محسوس کیا جا سکتا ہے اسی طرح ان کی نظموں مـیں بھی ان کا تاریخی شعور جھلکتا ہے۔لیکن ان کی نعتوں اور غزلوں میں ایک مصرعے کی سیڑھی سے دوسرے مصرعہ کی سیڑھی تک پہنچنے کے لیے ایک قاری کو جو ریاضت کرنی پڑتی ہے ان کی نظموں میں ایسا نہیں ہے۔ ان کی نظموں میں ان کا قاری کلائمکس تک بغیر کسی ریاضت اور مجاہدے کے بآسانی پہنچ جاتا ہے۔ جو تجسّس ان کی نعتوں اور غزلوں میں ہے ان کی نظموں میں وہ تجسّس بھی نہیں پایا جاتا۔

ان کی نظمیں پیچیدگی اور ابہام سے بھی یکسر خالی ہیں۔اگر ان کی نظموں میں پیچیدگی اور تجسّس ہوتا تو ان نظموں کی ادبی حیثیت میں مزید اضافہ ہوتا۔انہوں نے اپنی نظموں میں اپنے قاری کو ہر طرح کی ذہنی وفکری آزمائش سے بچالیا ہے۔

سید اولادِرسول قدسی ایک عالمِ دین ہیں،ایک عالمِ دین کو جن خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے وہ ساری خصوصیات قدسی میں پائی جاتی ہیں۔ایک عالم ہر زاویے سے امن پسند ہوتا ہے اور اس کی ہر لمحہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ پوری دنیا امن کا لباس زیب تن کرلے۔ایک عالم خیر کا داعی ہوتا ہے وہ شر کو کسی بھی حال میں دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ملک اور قوم سے وفاداری ایمان کا حصّہ ہے۔ایک عالم ملک وقوم کا وفادار بھی ہوتا ہے اور ملک وقوم کی خوش حالی کی وہ راہیں بھی تلاش کرتا ہے۔اور جو طاقتیں ملک وقوم کی سالمیت کے لیے خطرہ ہوتی ہیں،ان طاقتوں سے ملک وقوم کو ہوشیار بھی کرتا ہے۔انسان کیا،انسانیت کیا ہے اور انسانیت کے تقاضے کیا ہیں؟ وہ اس پہلو سے بھی مسلسل سوچتا ہے۔اور انسان،انسانیت اور انسانیت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی عملی جدوجہد بھی کرتا ہے۔خیر کسی طرف سے آئے اسے وہ قبول کرتا ہے اور شر کسی بھی شکل میں آئے وہ اسے پہچان بھی لیتا ہے اور اپنی طاقت کے مطابق اس کا تعاقب بھی کرتا ہے۔قدسی قولی،فعلی اور عملی ہر اعتبار سے انسانیت نواز ہیں۔انہوں نے اپنے عمل اور فن سے انسان کی تعمیر اور انسانیت کی تزئین میں بھرپور حصّہ لیا ہے۔ان کی نظموں میں اس کے انعکاس بہتر انداز میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ذیل میں کچھ مثالیں ملاحظہ کریں:

یومِ آزادی

مفلسی نالاں،رئیسی رقص میں مصروف ہے\
اور رہبر!\
رشتوں کے انبساط وکیف میں سرشار ہے\
بربریت کی بنا ہے،رہزنوں کا باپ ہے\
رہبری کے نام پر یہ بدنما اک داغ ہے

کیا یہ آزادی ہے؟ اور ہندوستاں آزاد ہے؟
یومِ آزادی کی خوشیاں !!!
کس طرح خوشیاں منائیں
آج بھی ہم قید ہیں
اب ضرورت ہے ہمارے خون کی، اس ہند میں
آیئے خالد سا پھر ایمان ہم پیدا کریں
توڑ دیں گے قید و بندش کی سلاخوں کو ضرور
اور مٹا دیں گے مظالم کے نشانوں کو ضرور
چھین لیں گے اپنا حق، پھر چھین لیں گے اپنا حق
اور بتا دیں گے حکومت کا انھیں اِک زاویہ
زاویہ صدیق کا، عثماں کا، مولا علی کا اور عمر کا اور پھر حسنین کا

ٹ ٹ ٹ ٹ

طوفانِ جور و جفا

بڑا خوب صورت علاقہ تھا وہ
رقص کرتی نظر آ رہی تھی خوشی ہی خوشی ہر طرف
کیوں کہ زرخیز تھی اس کی مٹی
اس کے کھیتوں میں ہریالیوں کی ضیائیں تھیں پھیلی ہوئی
جا بجا پیڑ پودوں کی لمبی قطاریں تھیں درخشاں
گلوں کی مہک سے معطر تھی ساری فضا
بادِ صرصر، نسیم و صبا کا رہا دَور دَورہ ہمیشہ
بہاروں کے ضو بار لمحات تھے دیدنی
اور خزاں

ڈر سے لرزہ براندام تھی
اس کی جرأت نہیں تھی
کہ رکھ دے قدم ایک پل کے لیے
گو کہ سارا علاقہ
تھا قدرت کے روشن مناظر سے سرشار اور بہرہ ور
سیر و تفریح کا حسنِ منظر یہاں قابلِ دید تھا
ملک کے گوشے گوشے سے ہر دن
اُترتا رہا قافلہ ذہن و دل کے سکوں کے لیے
جو بھی آتا اسے دولتِ امن ہوتی میسر
بڑی شہرتیں اس کو حاصل رہیں
ہر زباں پر رہا اس کا چرچا
مرا جذبۂ سیر بیدار اِک دن ہوا
بےقراری ہر اک آن بڑھنے لگی
میں نے عزمِ سفر کر لیا
ساز و سامان یکجا کیا
چل پڑا میں بھی شاداں و فرحاں
طبیعت یہ کہتی تھی صدیاں بدل جائیں لمحات میں
طائرِ وقت پرواز کرتا رہا
بالآخر سفر ختم ہوتا گیا
شوق بڑھتا گیا
منزلِ سیر آ ہی گئی
اب تو خوشیاں اُچھل کود کرتی تھیں دل میں

ٹ ٹ ٹ ٹ

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات ساری دنیا کے لئے نمونہ حیات ہے۔ آپ تاحیات نیکیوں کی دعوت دیتے رہے اور برائیوں سے نفرت کا اظہار کرتے رہے جس زمانے میں پورا ہندوستان کفر و شرک کی غلاظتوں میں لت پت تھا آپ اشارہ غیبی پا کر وارد ہند ہوئے۔ آپ کے سامنے شدید مشکلات تھیں آپ کے سامنے ایک مضبوط حکومت تھی۔ حکومت کو ساری سہولیات میسر تھیں۔ آپ کی حیثیت ایک مسافر کی تھی۔ آپ بظاہر ہر طرح دفاعی ساز و سامان سے محروم تھے۔ آپ کے رفقاء کی جماعت چالیس افراد پر مشتمل تھی اور سب کے سب بے سر و سامانی کے شکار تھے۔ لیکن آپ کا عزم جوان تھا اور آپ کو خدا کی ذات پہ کامل بھروسہ تھا۔ کفر و شرک کے خلاف آپ نے محاذ جنگ کھول دیا۔ تائید غیبی آپ کو قدم قدم پر کامیابیوں سے ہمکنار کرتی رہی۔ مدتوں سے ظلم و جبر سے پریشان افراد انسانی آپ کے اخلاق و کردار سے متاثر ہوتے رہے۔ حکومت ساری سہولتوں کے باوجود قدم قدم پر شکست و ریخت سے دو چار ہوتی رہی۔ آپ نے بہت کم مدت میں بہت بڑی جمعیت اپنے قریب کر لی۔ ان کے دلوں کو نور ایمان سے روشن کیا اور انہیں ایک خدا کی بارگاہ میں سجدہ ریزی کا شعور بخشا۔ قدسی نے اسی پس منظر میں یہ نظم کہی ہے ذیل میں نظم کے کچھ حصے ملاحظہ کریں۔

ہند کی سرزمیں
آہ بھرتی رہی
ربّ کے دربار میں
گڑگڑا کر دعائیں یہ کرتی رہی
میرے مولا!
میں کب تک رہوں ایسے دل سوز ماحول میں
بھیج دے ایسا مردِ مجاہد

جو روحانی اقدار سے
تیغِ اخلاق کے وار سے
اپنے پاکیزہ کردار سے
پیکرِ رشکِ عادات واطوار سے
دل کی دنیا کو یکسر بدل دے
فساداتِ افکار کو یوں کچل دے
ہر اِک سمت ہو بول بالا ترے دین کا
حسنِ اعمال کی پھر بہاریں ہوں رقصاں
رواداریوں کا ہو منظر درخشاں
ہو انسانیت کا دلِ ناز شاداں وفرحاں
کھلیں ربطِ باہم کی پُرنور کلیاں
خداوندِ عالم کی رحمت
ہوئی ایسی پُر جوش آخر
ہوا ہند کا بخت روشن
اسے مل گیا اک مسیحا نفس
جسے لوگ کہتے ہیں خواجہ
وہ روحانیت کے فلک کا
ہے رخشندہ وتابندہ تارا
وہی ہند کا درحقیقت ہے راجہ
اس نے محبت کی شمعیں جلائیں
اسی نے شریعت کی راہیں بتائیں
اسی نے ضلالت کی شاخیں گرائیں

اسی نے ہدایت کی راہیں دکھائیں
اسی نے شرافت کی موجیں بہائیں
وہی ہند کا ایسا یکتا ہے راجہ
کہ قدموں پہ جس کے
جھکا جارہا تھا زمانہ
جھکا جارہا ہے اسی طرح جھکتا رہے گا

فن ہی شخصیت کی عمر متعین کرتے ہیں کسی بھی شخصیت کی وسعت و گہرائی کا صحیح عرفان اس کے علمی، فکری اور فنی کارناموں سے ہوتا ہے۔فن ہی کی بنیاد پر شخصیت کی یادوں کے چراغ دلوں کے آنگن میں جلتے ہیں۔فن ہی شخصیت کی عمر متعین کرتے ہیں اور فن ہی سے شہرت ومقبولیت کے ابواب کھلتے ہیں۔فن جتنا توانا، مضبوط اور مستحکم ہوگا شخصیت کی عمر اتنی ہی لمبی اور دراز ہوگی۔ یہاں عمر سے مراد طبعی عمر نہیں ہے بلکہ فن کی عمر مراد ہے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا قادری برکاتی مذہبی دنیا میں اپنے دینی، ملّی اور علمی کارناموں کی بنیاد پر دلوں کی کائنات پر آج بھی حکومت کررہے ہیں۔ اقبال، غالب، میر اور حضرت حسن بریلوی اپنے فکری، فنی اور شعری فن پاروں کے سبب دلوں کے طاق میں آج بھی مسکراتے نظر آتے ہیں۔ان کو گذرے ہوئے زمانہ بیت گیا لیکن ان کا فن ان کی حسی زندگی کا ضامن بنا ہوا ہے۔اس طرح کی بے شمار مثالیں تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں۔حضرت صدیق وعمر، عثمان وحیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گذرے ہوئے بظاہر چودہ صدیاں بیت گئیں مگر اقلیمِ قلوب میں ان کی عظمتوں کے چراغ آج بھی پوری توانائی کے ساتھ جل رہے ہیں اور محرابِ دل پہ ان کے صاف شفاف کردار کا دیا آج بھی اس طرح روشن ہے جیسے وہ ہم میں جلوہ افروز ہیں۔

سیّد اولادرسول قدسیؔ کے حصّے میں دین وشریعت کی پاسبانی بھی آئی ہے اور زبان وادب کی خدمت بھی۔ان کی دینی، ملّی اور ادبی خدمات کے حوالے سے ابھی وہ بیداری نہیں آئی ہے

جس کے وہ حقدار ہیں۔ غالب کا عہد بھی غالب کے حوالے سے بیدار نہیں تھا۔ جب غالب کی فکری وسعت و گہرائی کے ابواب کھلے تو دنیا ان پہ ٹوٹ پڑی اور آج حال یہ ہے کہ زبان و ادب کا کوئی باب غالب کے حوالوں سے خالی نہیں ہے۔ بلکہ ایوانِ ادب میں ''غالبیات'' کے عنوان سے ایک شعبہ ہی قائم کر دیا گیا ہے۔ قدسیؔ بھی آج مظلومیت کی ایک داستان بنے ہوئے ہیں لیکن ان کی یہ مظلومیت دیر پا نہیں ہے۔ ان کے نثری و شعری فن پاروں میں اتنی طاقت و توانائی ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن مظلومیت کے سارے تار و پود بکھیر کر رکھ دیں گے۔ اور ایک وقت ایسا آئے گا، ایک صدی ایسی آئے گی کہ وہ صدی قدسیؔ کی صدی ہوگی۔

قدسیؔ ناقدین زبان وادب کی نظر میں

سیّد اولادِ رسول قدسیؔ دینی وعصری علوم وفنون کے ماہر ہیں۔ دنیا کی کئی زبانوں پر ان کی گہری نظر ہے۔ عربی زبان وادب، فارسی زبان وادب، اردو زبان وادب اور انگریزی زبان وادب میں آپ اچھی بصیرت رکھتے ہیں اور ہر زبان میں آپ کے نثری وشعری فن پارے موجود ہیں۔ آپ کی نثری وشعری جہات کو سمجھنے کے لیے وسیع تجربے اور مطالعے کی ضرورت ہے۔ آپ شعر گوئی کے ذریعہ اردو زبان وادب کی جو خدمت کر رہے ہیں ہم عصر شعرا میں اس کی مثال بمشکل ملے گی۔ آپ کے شعری مقام ومرتبہ کا ناقدینِ زبان وادب نے اعتراف کیا ہے۔ ذیل میں چند مشاہیر ناقدینِ زبان وادب کے تاثرات ملاحظہ کریں۔

علی سردار جعفری

اُردو کی اصنافِ سخن میں نعت سب سے مشکل صنف ہے۔ یہ جس بارگاہ میں اظہارِ عقیدت ومحبّت ہے اس کے لیے فارسی کا ایک شعر ہے۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

حمد میں جو مبالغہ ممکن ہے وہ نعت میں ناممکن ہے۔ ہر حرف سے حدِّ ادب میں رہنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ ''با خدا دیوانہ باش و با محمّد ہوشیار''

بزرگوں کا یہ قول شاعر کی رہنمائی کرتا ہے لیکن ہوش میں رہ کر عشقِ رسول کتنا مشکل کام ہے جہاں جنید و بایزید جیسے کاملانِ شوق کی سانس اکھڑنے لگتی ہے اس کا اندازہ شاعر ہی کر سکتا ہے۔

اولادِ رسول قدسیؔ اڑیسہ کے شاعر ہیں اور انہوں نے نعت کی صنف میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آزاد نظم اور ہائیکو کا بھی استعمال کیا ہے یہ زمانے کی نئی روش ہے، اس روِش پر وہ کتنی سلامتی

سے گزرے ہیں اس کا اندازہ اس کتاب سے ہوسکتا ہے جس کا نام ''گل ولالہ'' ہے یہ نام بہت بامعنی ہے۔ جرمن مستشرق پروفیسر انا میری شمل نے لکھا ہے کہ صوفیائے کرام کے یہاں گل یا گلاب کا پھول حسنِ خدا کا استعارہ ہے۔ اور اقبالؔ نے لالہ کے پھول کو انسانی صفات کا حامل پایا ہے۔ اور وہ ان کے ہر کلام میں انسان کا استعارہ بن کر بھی کھلتا ہے۔

میں نے قدسیؔ صاحب کے پورے کلام کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ پہلی بار زیرِ نظر نعتیہ کلام میرے سامنے آیا ہے اس میں انہوں نے خوش بیانی کا اچھا اظہار کیا ہے جو ان کے عشقِ رسول کا عطیہ ہے۔ (گل ولالہ ٹائٹل پیج)

مظہر امام

سیّد اولادرسول قدسیؔ (''اولادِرسول'' ہونا ہی بڑی بات ہے!) نشاطِ جاناں اور غمِ دوراں دونوں کے شاعر ہیں۔ وہ ایک حساس اور دردمند دل رکھتے ہیں، اس لیے مکروہاتِ زمانہ کا اظہار بھی ان کے کلام میں اثر آفرینی کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے ''فروغِ طبعِ خداداد'' کے ساتھ ''کسبِ فن کے لیے ریاض'' کرنے میں کوتاہی نہیں کی ہے۔

قدسیؔ کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور ان کی رفتار کے تیور بتا رہے ہیں کہ وہ فکرو تخیل کی بہت سی سرحدیں عبور کرنے پر قادر ہیں۔ جہاں جہاں احساس کی شدّت اور جذبات کا جوش در آیا ہے، وہاں وہاں اُن کا کلام بطورِ خاص متوجہ کرتا ہے۔ ویسے عام طور پر ان کی غزلیں ضبط، نرمی اور تفکّر کا دلکش امتزاج ہیں۔ ان کی غزلوں کا نیا مجموعہ ''تر و تازہ'' نئے امکانات کی نشاندہی کرتا ہے! (گل ولالہ ٹائٹل پیج)

علقمہ شبلی

سیّد اولادِرسول قدسیؔ سے شناسائی تو نہیں لیکن ان کا کلام نظر سے گزرا ہے اب مجموعے میں ایک ساتھ پڑھنے کا موقع ملا۔ ان کے کلام میں جذبے کی سچّائی بھی ہے اور فکر کی گہرائی بھی۔ یہ ایک جدید اور تازہ کار شاعر ہیں۔ پیکر تراشی اور علامتوں کے استعمال سے اشعار میں حسن اور دلکشی پیدا ہو گئی ہے۔ اس جوش میں کلام میں کہیں کہیں دقّت پسندی بھی در آئی ہے۔

شخصی علامتوں کے استعمال سے ترسیل میں دشواری ہوتی ہے۔ان کی شاعری سامانِ بصیرت ومسرّت ہے۔قلم کی حرمت اور فکر کی طہارت اس کی خصوصیت ہے۔

یہ دورِ جدید کے ایسے شاعر ہیں جن کی شناخت شاعروں کی بھیڑ میں آسانی سے ہوسکتی ہے۔آئندہ کے لیے ان سے بہت سی توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں۔

(پیغامِ رضا جنوری،۲۰۰۵ء،ص:۱۲۲)

کالی داس گپتا رضا

رسول، اللہ تعالیٰ کے پیغامبر جو ٹھہرے اس لیے حمدِ خُدا کے بعد ہی نعتِ رسول کا درجہ مانا جاتا ہے۔غزل، نظم بلکہ اور صنفوں میں بھی نعت کہنا روا ہے۔امیر مینائی کہتے ہیں ؎

غزل جو کہتے ہیں ہم نعت میں رسولوں کی
ہمارے شعر نہیں ڈالیاں ہیں پھُولوں کی

محسن کاکوروی فرماتے ہیں ؎

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعمتیں محسنؔ
کلامِ نعتیہ رکھا مری زباں کے لیے

نعت لفظ کا استعمال آنحضرت کی ستائش وثنا کے لیے مخصوص ہے۔سخنور اس میں رسولِ مقبول کے لیے اپنی گہری عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔

جناب اولادِ رسول قدسیؔ نے بھی اپنے نعتیہ کلام کا یہ ضخیم مجموعہ بعنوان ''گل ولالہ'' ترتیب دے کر اپنی عاقبت کے راستے ہموار کیے ہیں۔کلام دل سے کہا گیا ہے۔سچ تو یہ ہے کہ جو نذرانہ بارگاہِ رسالت میں پیش کیا جائے گا وہ قابلِ صد احترام ہی ٹھہرے گا۔بہر حال کلام پختہ ہے اور ہر لحاظ سے مناسب ومحترم ہے۔

پرماتما قدسیؔ صاحب کو اس کارِ خیر کا بھرپور اجر دے اور کلام کو حسنِ قبول عطا فرمائے۔

(گل ولالہ ۱۹۹۴ء)

سیّد آلِ رسول حسنین میاں نظمیؔ

نعتیں آج بھی کہی جا رہی ہیں، اچھی نعتیں، بہت اچھی نعتیں وغیرہ وغیرہ مگر ذکرِ رسول جب اولادِ رسول کے قلم سے نکلے تو اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ مجاہدِ ملّت علیہ الرحمہ کے وطنِ مالوف سے تعلق رکھنے والے نوجوان شاعر علامہ سیّد اولادِ رسول قدسیؔ نے جب نعت کے میدان میں قدم رکھا تو ان کے قلم میں ولیم ورڈز ورتھ کی رومانیت بھی تھی، شیلی اور کیٹس کا تغزل بھی تھا، بائرن کی بے باکی بھی تھی اور ٹینی سن کی شستگی بھی تھی۔ انگریزی ادب میں ایم۔اے، کرنے کے بعد درسِ نظامی کی بھٹّی میں تپ کر کندن بننے والے اس سیّد زادے نے اپنے اس علم دو آتشہ کو جب نعت گوئی کی طرف موڑ دیا تو غزل پکار اٹھی ''کاش میں نعت کے کنبے میں پیدا ہوتی۔'' سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کا نیا مجموعۂ کلام ''گل و لالہ'' ورق در ورق سطر بہ سطر مہک رہا ہے۔ قلم کی اس یاترا میں ہر گام خوشبوؤں کے ڈیرے لگے ہوئے ہیں اور کیوں نہ لگے ہوں، یہ حمد و ثنا اس مقدّس ذات کی ہے جس کی سب سے پہلی نعت خود دستِ قدرت نے تحریر کی۔

سیّد صاحب نے اپنا تخلّص قدسیؔ بہت چن کر رکھا ہے۔ اس تخلّص کے نام نعت گوئی کا پٹّہ لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے فنِ نعت میں نئے تجربے بھی کیے ہیں۔ اگرچہ ممکن ہے کہ ان کے قارئین ان تجربوں کے متحمل نہ ہو پائیں۔ قدسیؔ کے یہاں ذخیرۂ الفاظ کی فراوانی بھی ہے اور تخیل کی روانی بھی، خوبصورت بندشیں بھی ہیں اور اچھوتے مضامین بھی۔ ''گل و لالہ'' کسی مغل گارڈن کی طرح آراستہ و پیراستہ ہے۔ زمینوں کا انتخاب عام روش سے ہٹ کر کیا ہے اور جو زمین چنی ہے، اسے مطلع سے مقطع تک سرسبز و شاداب بھی رکھا ہے، عروض کی دشوار بحروں میں انہوں نے طبع آزمائی کی ہے اور ان دشوار راہوں سے جھوم جھوم کر گزر رہے ہیں۔ غزل کا لباس ہو یا نظم کا پیرہن یا پھر جدید شاعری کا ٹیڈی ملبوس، قدسیؔ اس فیشن شو میں کہیں بھی عریاں نہیں ہوئے ہیں۔ ان کے یہاں مضامین کی حرمت، اصطلاح کے آداب اور قلم کی جولانیاں پوری طرح زیرِ لگام ہیں۔ مبالغہ اور غلو سے پرہیز کا درس غالباً انہوں نے کلام

الامام امام الکلام سے لیا ہے۔

میری دعا ہے اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!

(قدسی شخص اور شاعر،ص:۵۶،۵۷)

شمس الرحمٰن فاروقی

جناب سیّد اولادِ رسول قدسی کے مجموعۂ کلام ''رفتہ رفتہ'' کے دو نسخے ملے۔شکریہ۔میں نے کتاب کو جگہ جگہ سے دیکھا اور لطف اندوز ہوا۔آپ نے حکم دیا ہے کہ اس کتاب پر ''شب خون'' میں تبصرہ کیا جائے۔افسوس ہے کہ میں تبصرہ لکھنا چھوڑ چکا ہوں اگر کوئی اچھا تبصرہ نگار مل گیا تو اس سے لکھوا دوں گا۔فی الحال یہی رائے قبول فرمایئے کہ مجھے یہ مجموعہ دیکھ کر خوشی ہوئی لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ تعارفی خاکہ میں جناب قدسی کو کرامت علی کرامت کا شاگرد بتایا گیا ہے لیکن کرامت علی کرامت صاحب نے اپنے دیباچے میں تحریر فرمایا ہے کہ قدسی کے بہت سے اشعار میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔بہر حال آپ نے ان کا کلام یکجا کر کے ادب کی خدمت انجام دی ہے۔ (پیغامِ رضا جنوری ۲۰۰۵ء۔ص:۱۲۱)

یوسف ناظم (ممبئی)

''دین و دنیا'' زندگی کے بحرِ ذخّار کے دو کنارے ہیں۔لیکن ان دونوں کناروں کے باضابطہ معانقے کا دلکش منظر اگر آپ دیکھنا چاہتے ہوں تو اس کے لیے آپ کو سیّد اولادِ رسول قدسی کے مجموعۂ کلام ''رفتہ رفتہ'' کا بالاستعاب مطالعہ کرنا ہوگا۔بالاستعاب اس لیے کہ شاعر کے نام کا پہلا تاثر یہ ہوتا ہے کہ یہ تو خالص دینی اور مذہبی وضع کا نام ہے۔مجموعۂ کلام بھی اسی نوعیت کا ہوگا۔یہ تاثر اس لحاظ سے صحیح ہے کہ سیّد اولادِ رسول قدسی بنیادی طور پر ہیں ہی داعی اور مبلغ۔واعظ،مقرر،انگریزی اور عربی ہر دو زبان میں دسترس،علومِ جدیدہ کے جوہری اور ان ساری دینی صفات وخصوصیات سے متصف ہونے کے باوصف ایک معتبر شاعر ہیں۔میں ''رفتہ رفتہ'' کو حفیظ جالندھری کے ''شاہ نامہ اسلام'' کا تازہ بلکہ تر و تازہ ایڈیشن یعنی طبع ثانی (جسے لاثانی بھی کہا جا سکتا ہے) سمجھتا ہوں اور میں اس لیے ایسا سمجھتا ہوں کہ حفیظ جالندھری

نہ صرف شاہ نامہ اسلام کے مصنف تھے اور ''سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی''
جیسی معرکتہ الآرا نظم کے خالق۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ شاعر جو درحقیقت ابوالاثر تھے
غزلیہ اور نظمیہ شاعری کے بھی استاد تھے۔ان کی نظم ''ابھی تو میں جوان ہوں'' ملکۂ پکھراج کی
آواز میں اب تک کانوں میں گونجتی ہے۔زیرِ نظر سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کا شعری مجموعہ بھی تمام
اصناف و شاعری پر محیط ہے۔ (قدسی شخص اور شاعر،ص:۴۵۷، ۴۵۸)

حقانی القاسمی

''اردو کی غزلیہ شاعری جن مخصوص لفظیات و فکریات میں محصور ہے قدسیؔ کی
شاعری محصوریت کے اس احساس سے باہر نکالتی ہے کیوں کہ ان کی غزل میں لفظیات کو
برتنے کی تکنیک یا منطق عمومیت سے ماورا ہے۔لفظوں کے لمسی حصار میں قید رہنے والے
ان کی شاعری کے مفہوم سے نا آشنا رہیں گے یا اس کے خارجی مفہوم میں ہی اُلجھ کر رہ جائیں
گے۔داخلی مفاہیم تک ان کی رسائی نہیں ہو پائے گی کہ قدسیؔ نے لفظوں کی داخلیت پر اپنی
فکر کو مرکوز کیا ہے اور لفظوں کی داخلی منطق میں معانی اور مفاہیم کی نئی جہتیں تلاش کی ہیں۔
قدسیؔ کی تخلیقی انفرادیت کے لیے کسی ناقد کی گواہی کی ضرورت نہیں۔تخلیق ثبوت کے لیے کافی
ہے کہ ان کی تخلیق میں انفرادیت کے سارے نقوش و رُموز روشن ہیں۔ان کے موضوعات
میں بھی انفرادیت ہے جو روزمرّہ کے ہوتے ہوئے بھی مختلف جہتیں لیے ہوئے ہیں۔''
قدسیؔ کی شاعری کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ Cryptomnesia سے پاک ہے۔دوسروں
کے خیالات کو شعوری طور پر من وعن نہ انھوں نے قبول کیا اور نہ ہی اس پر اپنی فکر کی عمارت
کھڑی کی،جبکہ آج کی شاعری میں یہ وبا عام ہے۔
قدسیؔ کی شاعری میں ایک بڑی بات یہ بھی ہے کہ ان کے ہاں جستجو کا عنصر زندہ ہے۔وہ اپنی
شاعری میں ''مقامِ شوق'' کی تلاش میں مضطرب نظر آتے ہیں۔ممکناتِ زندگی کی جستجو،جہاں
کے جوہرِ مضمر کی تلاش کی وجہ سے قدسیؔ کی لے بھی الگ ہوگئی ہے اور نے بھی۔
سید اولادِ رسول قدسیؔ نے شاعری میں اپنے تخیلات کو نئی سمتیں عطا کی ہیں اور یہی نئی سمتیں ان

کا تخلیقی شناخت نامہ ہیں۔''

(تروتازہ،ص ۲۳، رضادارالمطالعہ، پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار ۲۰۱۰ء)

افتخار امام صدیقی

حضور ﷺ کے ظاہری قیام سے قیامت کی پردہ داری تک، موجود و نامعلوم، ہر کوئی اپنے اپنے طور پر عشق کا اظہار کر رہا ہے، ہر لمحہ ایک نیا عشق اسلوب ابھر رہا ہے۔ پل پل تخلیق ہوتی ہوئی دنیا دراصل عشقِ حبیب ﷺ ہی ہے۔ سیّد اولادِ رسول قدسیؔ بھی اسی عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں اور سراپا عشق بن گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شاعری کا وصف عطا کیا ہے تا کہ وہ اپنے سچّے عشق کا منظوم اظہار کر سکیں۔ ان کا تخلیقی عمل برابر جاری ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کا یہ چوتھا مجموعہ ہے۔ یہ صرف شاعری نہیں ہے بلکہ سچّی شاعری ہے جس میں عقیدگی کی پوری روح سمائی ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے حرف ولفظ میں عقیدگی کی ایک ایسی آگ بھر دی ہے کہ سامع اور قاری کو یہ عشق کی آگ اپنی آگ معلوم ہوتی ہے۔

(لب ولہجہ، ص: ۲۳ رضادارالمطالعہ پوکھریرا سیتامڑھی بہار)

ڈاکٹر مظفر حسن عالی سہسرامی

صنائع، بدائع کی روشنی میں جب ہم سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کے نعتیہ کلام کا محاسبہ کرتے ہیں تو ہمیں کم وبیش وہ ساری خوبیاں ان کے کلام میں مل جاتی ہیں جو دیگر مشاہیر شعرا کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ (پیغامِ رضا اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۸ء، ص: ۱۴۱)

کوثر چشتی۔ نیویارک امریکہ

سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کی شخصیت میں بڑی وسعت و گہرائی پائی جاتی ہے۔ انہوں نے شعر و سخن کی ہر بزم میں اپنے وجود کو منوانے کی بھرپور اور کامیاب کوشش کی ہے۔ ان کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ قدم قدم پر تاریخ لکھنا چاہتے ہیں۔ حال ہی میں ان کی ایک تاریخی نوعیت کی کتاب منظوم ''سیرت سرورِ دوجہاں'' آئی ہے۔ اپنے موضوع کے اعتبار سے سیرتِ پاک پر یہ پہلی کتاب ہے۔ ''فکرِ مسلسل'' بھی ان کا تاریخی کارنامہ ہے۔ اس میں ایک نعت

ایسی ہے جو ۱۳۲ اشعار پر مشتمل ہے۔عصرِ حاضر میں اتنی طویل نعت کہنے کی مثال میری نگاہ میں اب تک نہ آسکی ہے۔دعا ہے کہ وہ یونہی تاریخ رقم کرتے رہیں اور ان کا شعری فیضان عام سے عام تر ہوتا رہے۔(فکرِ مسلسل،ص:۷۰،۷۱)

ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی،شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی

اردو شعر و ادب میں فکر و فن کی جو نئی جہتیں سامنے آئی ہیں اور طرزِ احساس کے جو کٹاؤ پیدا ہوئے ہیں ان میں یقیناً بزرگوں کا بھی کچھ ہاتھ ہے مگر نئی نسل کے شاعروں نے جس شعری رویے اور فنی نہج کا عام طور سے ساتھ دیا ہے یا اثر قبول کیا ہے اس کا بیشتر تعلق ۱۹۸۰ء کے بعد کی نسل سے ہے۔اور اس نسل میں اولادِ رسول قدسی ایک ایسے صبا مزاج شاعر ہیں جن کے خرامِ فن کو ضابطوں اور اصولوں کی مٹھی میں بند کر کے دیکھنا دکھانا ممکن نہیں۔خواہ یہ ضابطے اور اصول نئے ہوں یا پرانے۔ہاں اگر اُن کے فن کو سمجھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے ضابطوں سے کام لینا ہی پڑے تو پھر یہ ضابطے خود اُنہیں کے فنی رویوں سے اخذ کرنے ہوں گے۔وجہ یہ ہے کہ ان کی شاعری سوچ،طرزِ احساس اور فنی برتاؤ ہر لحاظ سے اردو شاعری کے روایتی مزاج سے یکسر مختلف ہے۔اور اپنے اندر انفرادی رنگ و روپ رکھتی ہے۔

قدسی کے اسلوب،لہجے اور موضوعات کی انفرادیت کا یہ عالم ہے کہ اُن کی شاعری سب سے الگ پہچانی جاتی ہے۔نعتوں کے مجموعوں سے قطع نظر صرف ''رفتہ رفتہ'' پڑھ جایئے،یہ حقیقت پہلی نظر میں سامنے آجائے گی کہ ایک زندہ،توانا اور متحرک شاعر جس کی قوت متخیلہ نامیاتی،زرخیز اور کائنات گرد ہے ان کا خالق ہے۔قدسی خوشبو،خوب صورتی اور روشنی کے متلاشی ایک بے چین و بے قرار شاعر ہیں۔یہ بے چینی اور بے قراری شاید اس لیے ہے کہ متعفن فضا نے خوشبوؤں کو جلاوطن کر دیا ہے۔بدصورت کرداروں نے خوب صورتی کو کال کوٹھری میں بند کر رکھا ہے،تاریکی نے روشنی کو مقفل کر دیا ہے۔شاعر بے چین اور بے قرار ہے۔خوشبو،خوبصورتی،روشنی اور رنگ و آہنگ کے متلاشی قدسی کے غموں،تنہائیوں،اشکوں،ویرانیوں،جدائیوں،دہشتوں اور تمنّاؤں کے معانی اسی تناظر میں تلاش کیے جاسکتے

ہیں۔بہتر دنیا،بہتر ماحول اور بہتر زندگی کی جستجو قدسیؔ کے آؤٹ لک کا خصوصی خاصہ ہے۔
(تر و تازہ غزلیہ مجموعہ،ص:۲۸،۲۹)

ڈاکٹر حفیظ اللہ نیولپوری

سیّد اولادِ رسول قدسیؔ اڑیسہ کے محترم،پر گو شاعر ہیں۔نعت گوئی کے میدان میں ممتاز، منفرد اور معتبر ہیں۔ان کی زود گوئی اور مشکل پسندی نے ان کے کلام کی تطہیر اور تفسیر میں کسی طرح کا جھول پیدا نہیں کیا بلکہ ان کے یہاں عشقِ رسول کا جذبہ عنبر کے خوشبودار پاکیزہ دھویں کی طرح مرغولے بناتا ہوا ابھرتا ہے اور ذہن و دماغ پر ایک خمار سا طاری کر دیتا ہے۔
قدسیؔ نے اپنی شاعری میں نت نئے تجربے کیے ہیں۔ان کا تخلیقی وجدان قوس وقزح کے سارے رنگ اپنے اندر سمیٹ کر نئی آب و تاب کے ساتھ شعری پیکر تراشتا ہے۔
قدسیؔ بلاشبہ ایک حساس تخلیقی ذہن کے مالک ہیں جو تجسّس آشنا بھی ہے اور تجسّس آمیز بھی۔غزل گوئی کے ضمن میں پیکریت اور علامت پسندی نے ان کی شاعری کو درجۂ اعتبار عطا کیا ہے۔(ترویج،کٹک ص:۴)

سعید رحمانی ایڈیٹر اخبار اڑیسہ کٹک

سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کی شخصیت جہاں ادبی حلقوں میں موجبِ افتخار سمجھی جاتی ہے وہیں دینی و روحانی اعتبار سے بھی وہ مقامِ بلند پر متمکن نظر آتے ہیں۔وہ بیک وقت جید عالم، مفکر،مدبر،مقرر ہونے کے علاوہ ایک خوش فکر اور ممتاز شاعر بھی ہیں۔انگریزی میں ایم۔اے کیا ہے اور کلکتہ کے مدرسہ عالیہ میں انگریزی کے استاذ بھی رہ چکے ہیں۔انگریزی کے علاوہ اردو،فارسی اور عربی پر بھی یکساں دسترس حاصل ہے۔ان کی روحانی اور صوفیانہ شخصیت کا ایک زمانہ مداح ہے اور ان کے ارادت مندوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستان کے علاوہ امریکہ،کینیڈا،برطانیہ،افریقہ اور ملیشیا تک پھیلی ہوئی ہے۔ان ممالک کا وہ گاہے بگاہے دورہ بھی کرتے رہتے ہیں۔
اپنے شعری سفر کا آغاز انہوں نے ۱۹۷۸ء سے کیا اور ایک قلیل عرصہ کے اندر جس

تیزی سے ادب کے سنجیدہ حلقوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی ایسا کمال برسوں کی ریاضت کے بعد بھی شاذ و نادر کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ تین دہائی سے بھی کم اپنے شعری سفر کے دوران ان کی درجن بھر تصنیفات منظرِ عام پر آ کر پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔ ان میں شعری مجموعوں کے علاوہ تحقیقی اور ادبی مضامین کے مجموعے بھی شامل ہیں۔ صنفِ نعت سے نسبت خاص ہے۔ لیکن غزل، آزاد غزل، ہائیکو اور تکونی جیسی اصناف میں بھی انہوں نے اپنی طبع رسا کے جوہر دکھائے ہیں۔

جہاں تک غزل کا تعلق ہے اس بارے میں وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی غزلوں میں کسی ایک متعینہ ہیئت یا رنگ کے نشانات نہیں ملتے کیونکہ ان کا خلاق ذہن کسی ایک موضوع کی اسیری قبول نہیں کرتا ہے۔ چنانچہ متنوع موضوعات کی یکجائی سے ان کے شعری کینوس پر قوس قزحی کرنوں کی چھینٹ دور دور تک بکھری نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری دراصل انسانی زندگی کے نشیب و فراز کی شاعری ہے جس میں خوبصورت اور نادرہ کار استعاروں اور علامتوں کے وسیلے سے ایسی معنوی تہداری وضع ہوئی ہے جس کے گرد ایک طلسمی حصار کا گمان ہوتا ہے ایک ایسا حصار جس کو توڑ کر معنوی سطح تک رسائی کبھی کبھی مشکل نظر آتی ہے۔ اس لیے قدسی صاحب کو مشکل پسند شاعر بھی کہا گیا ہے لیکن مشکل پسندی کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں سہل ممتنع کے اشعار بھی پائے جاتے ہیں۔ جس کی مثال غالب کے یہاں بھی ملتی ہے۔ مگر ایک بات ہے کہ مشکل لفظیات والی شاعری کو انہوں نے اپنی تخلیقیت افروزی سے کیکٹس بننے نہیں دیا ہے بلکہ گلاب جیسا خوش رنگ پیکر عطا کیا ہے جس کی خوشبو مشامِ جاں کو معطر کرنے لگتی ہے۔ بہرحال قدسی صاحب کے شعری رویہ سے یہ خوشگوار احساس ہوتا ہے کہ نئی لفظیات کے ذریعہ دامنِ شاعری کو کشادہ کرنے کی غرض سے وہ نئے منطقوں کی کھوج میں ہیں اور ان کی یہی کوشش انہیں اپنے ہم عصر شعرا سے ممیز کرتی ہے۔

(ترویج کٹک ستمبر ۲۰۰۸ء، ص: ۵)

شمیم طارق

سید اولادِ رسول قدسیؔ صاحب نے ’’سیرتِ سرورِ دو جہاں‘‘ کے عنوان سے منظوم سیرت لکھنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ وہ شاعر ہیں، ہر صنف پر قدرت رکھتے ہیں مگر ان کا اصل میدان نعت گوئی ہے۔ نعت گوئی اور منظوم سیرت نگاری میں مشترکہ موضوعات کی شمولیت کے اعتراف کے باوجود یہ کہنا درست ہے کہ دونوں کا تعلق دو الگ الگ دائروں سے ہے۔ نعت گوئی آپ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کے بیان، والہانہ مدح و توصیف اور عقیدے کی صحت کے ساتھ عقیدت و فدائیت کے جذبے کے اظہار سے عبارت ہے۔ جبکہ سیرت نگاری کا تعلق حالات، واقعات اور کمالات و احسانات کے ایسے صاف و سلیس اور غیر پیچیدہ بیان سے ہے جس کی بنیاد صحت روایات پر رکھی گئی ہو اور جن کے مطالعہ سے مرسلِ اعظم و آخر ﷺ سے حد درجہ محبت، ہر کام میں آپ ﷺ کی سنّت کے اتباع اور زندگی کے ہر شعبے اور ہر گوشے میں با کمال شئے کا داعیہ پیدا ہوتا ہو۔

میری نظر میں ایسے کچھ شعری نمونے ہیں جنھیں منظوم سیرت نگاری کی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے، مگر میں سید اولادِ رسول صاحب کی ’’سیرتِ سرورِ دو جہاں‘‘ سے ان کا موازنہ کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ وہ ’’صاحب توفیق‘‘ ہیں اور انھوں نے منظوم سیرت نگاری میں ردیف، قافیہ اور ہر مصرع میں ایک ہی وزن کے التزام سے خود کو بچایا ہے، اس کے باوجود ہر مصرع میں شعری آہنگ کو برقرار رکھا ہے۔ آزاد نظم کی یہی خاصیت ہے کہ یہ آزاد کہلانے کے باوجود ’’بے قید‘‘ یا نثر نہیں ہوتی، شاعری ہی رہتی ہے اور اس شاعری سے بھی دل کے تار جھنجھناتے ہیں۔

’’سیرتِ سرورِ دو جہاں‘‘ سے پہلے ان کے کئی شعری مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں اور ان شعری مجموعوں میں سب سے زیادہ تعداد نعتیہ مجموعوں کی ہے۔ میں نے اولادِ رسول قدسیؔ صاحب کا نام سنا تھا، ان کے بعض اشعار بھی پڑھے تھے مگر ان کی شخصیت اور شاعرانہ قدرت سے پورے طور پر واقف نہیں تھا۔ مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب کا میں انتہائی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے وہ نعتیہ مجموعے مہیا کیے اور ’’سیرتِ سرورِ دو جہاں‘‘ پر کچھ لکھنے کی تحریک

دی۔ یہاں میں واضح کردوں کہ قدسیؔ صاحب کی نعت گوئی اور شاعری پر کئی اہلِ قلم نے لکھا ہے مگر ان میں اکثر تحریریں فرمائش کے سائے میں لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ میں نے جو لکھا ہے، اگر چہ مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب کے تحریک دلانے پر لکھا ہے مگر اس میں میرے دل کی اعانت بھی شامل ہے۔ میں پورے خلوص سے یہ عرض کررہا ہوں کہ قدسیؔ صاحب کی یہ کاوش منظوم سیرت نگاری کی روایت کو مستحکم کرے گی۔ وقت کے ساتھ اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوگا۔لوگ محسوس کریں گے کہ نبی مرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں روح تاریخ مضمر ہے۔آپ کا تعلق عالمِ بشریت کے نقطۂ آغاز سے بھی ہے اور اس کے نقطۂ اختتام سے بھی۔ یعنی آپ کی سیرتِ مبارکہ کا تعلق ماضی وحال کی طرح مستقبل سے بھی ہے۔اس لیے دین و دنیا میں سرخ رو ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کی سیرت ہی کو زندگی کا محور اور عنوان بنایا جائے۔قدسیؔ صاحب نے اس سیرتِ طیبہ کو دل نشیں پیرائے میں بیان کرکے اہم کارنامہ انجام دیا ہے اور ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں۔

(سیرتِ سرورِدو جہاں،ص ۴۱، ۴۲، ۴۷)

پروفیسر کرامت علی کرامت

''نعت گوئی'' کا تعلق ''عقیدت'' سے ہے تو سیرت نگاری کا تعلق ''عقیدے'' سے۔ ایک نعت گو شاعر مدحتِ رسول میں تشبیہات، استعارات و علامات جیسے جدلیاتی الفاظ کا استعمال کرسکتا ہے۔جبکہ سیرت نگاری میں اس کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے۔الفاظ کی ''وحدتِ معنی'' کا خاص خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے، لہٰذا سیرت نگاری میں وہی شاعر کامیاب ہوسکتا ہے جو درمیانی راستہ اپنا کر تخلیقیت کے پُل صراط سے صحیح وسالم گزر جائے۔راقم الحروف کا خیال ہے کہ قدسیؔ سیرت نگاری کے اس پل صراط کو بڑی ہوشیاری سے عبور کرکے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ چکے ہیں۔ ہر تخلیق کے پیچھے تخلیق کار کا کچھ نہ کچھ مقصد پوشیدہ ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے مقصد کو پالیتا ہے تو اسے کامیاب تخلیق کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔مثلاً میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ کے تخلیقی مقاصد الگ الگ ہیں۔ترجیحی طور پر میرؔ کا مقصد ''اپنی غم پسندی'' کو اُجاگر کرنا

ہے، تو غالبؔ کا مقصد زندگی کو ''کلّی اکائی'' (Whole integrated) کے طور پر پیش کرنا ہے۔ اقبال کا مقصد خودی کی شناخت کو عمومیت بخش کر خوابیدہ ملتِ اسلامیہ کو بیداری کا پیغام عطا کرنا ہے۔ اس طرح تینوں شعرا اپنے اپنے مقصد میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ جہاں تک ''سیرت نگاری'' کا تعلق ہے ہمیں شاعر کے مقصدِ اعلیٰ پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ تخلیق کا اسلوب اور طرزِ بیان اس مقصدِ خاص پر مبنی ہے، یہی سبب ہے کہ مختلف سیرت نگاروں کے اسالیب و اندازِ بیان میں کافی بُعد و انحراف پایا جاتا ہے۔

قدسیؔ کا ایک اور بہت بڑا مقصد یہ ہے کہ سائنسی ترقی اور مادیت پسندی کے زیر اثر انٹرنیٹ کے ذریعے پھیلائے گئے الحاد، لادینی اور دہریت کے غلبے کے اس دور میں نوجوان پیڑھی کو سیدھے سادے الفاظ میں سرورِ کائنات کے سوانحی حالات اور اخلاقِ حسنہ کے نوری کوائف سے روشناس کرایا جائے تاکہ اس پیڑھی کے دل میں پیغام انسانیت کا تقدس سیدھے اُتر سکے اور آنے والی نسل مادیت اور دہریت کے بجائے روحانیت کے ترفع کی جانب پھر سے مراجعت کر سکے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو قدسیؔ نے نظم آزاد کی صنف کو اپناتے ہوئے رواں دواں بحر میں سادگیِ بیان پر مبنی جس اسلوب کو اختیار کیا ہے، وہ شاعر کے حصولِ مقصد کا سب سے بہتر وسیلہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اولادِ رسول قدسیؔ اپنے مخصوص مقصدِ عظیم میں کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے موصوف ہم سب کی جانب سے ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں۔

؎ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

(سیرتِ سرورِ دو جہاں، ص ۳۹، ۴۰)

ایم نصر اللہ نصرؔ، کولکاتا

سید اولادِ رسول قدسیؔ بھدرک اڑیسہ کے رہنے والے ہیں لیکن کافی دنوں سے بسلسلۂ روزگار امریکہ میں مقیم ہیں۔ اس ترقی یافتہ اور سائنس زدہ ماحول اور تہذیب نو میں رہ کر بھی انھوں نے جس عقیدت اور عشقِ رسول کا مظاہرہ کیا ہے، اس کے لیے موصوف مبارک باد

کے مستحق ہیں۔اس ماحول میں غزل سرائی کی باتیں تو عام ہیں مگر حمد ونعت گوئی سے جو شعرا بھی شغف رکھتے ہیں وہ قابلِ تحسین و مبارک باد ہیں۔قدسیؔ صاحب پر سیدی رنگ کا اثر برقرار رہنا ان کے دین سے قربت کا اقرار نامہ ہے۔

قدسیؔ صاحب کی عالمانہ، فاضلانہ اور داعیانہ حیثیات قابلِ رشک ہیں۔ وہ دین کے فروغ کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن کوشاں نظر آتے ہیں۔ ان کی شخصیت میں یک رُخا پن بالکل نہیں ہے۔ وہ مختلف الجہات شخصیت کے مالک ہیں۔شاعری ان کا پاکیزہ شغل ہے۔ اشعار کو خوب صورت رنگ دینا وہ خوب جانتے ہیں۔کہیں کہیں جدت کاری کی کوشش میں مشکل پسندی کا رنگ بھی نمایاں ہوجاتا ہے۔جو شاعر کے وقار کو مجروح کرتا ہے۔ نیز اس کے شعری قد کو گھٹاتا بھی ہے۔ حد سے زیادہ پیچیدگی قاری کو ناگوار بھی گزرتی ہے۔ نیز اس کی تفہیم میں کافی ریاضت کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔موصوف کو ثقالت پسندی سے سہل پسندی کی طرف آنے کی ضرورت ہے۔ اگر انہوں نے ایسا کرلیا تو ان کے فن کی قبولیت کا دائرہ کافی وسیع ہوسکتا ہے۔ (اردو بک ریویو، جنوری فروری مارچ ۲۰۱۵ء)

وصیل خان، اردو ٹائمز، ممبئی

اپنے خیالات و افکار کو شعری پیکر میں ڈھالنا اور اسے نہایت خوب صورت اور دل آویز انداز میں پیش کرنا بلاشبہ ایک فن ہے لیکن اپنے بلیغ فکری وجدان کی اس طرح شعری تجسیم کرنا جس کا مطالعہ منجمد اور خوابیدہ ذہنوں کو جھنجھوڑ دے، ان میں حرکی قوت بھر دے یہ صفت بہت کم شعرا کے حصے میں آتی ہے۔خصوصاً ایسے دور میں جب اردو ادب اور اس سے منسلک تمام شعبہ جات کا انحطاط عروج پر ہے۔شعرا و ادبا کی ذمے داریاں مزید بڑھ جاتی ہیں کہ وہ ایسا ادب تیار کریں جو کم از کم موجودہ دور کے ساتھ پوری قوت سے ہم آہنگ ہو اور سابقہ کمزوریوں اور فروگذاشتوں کی تلافی کرسکے۔ یہ دور ادب کے انحطاط کا دور ہے اور یہ صورت حال اردو ادب میں ہی نہیں دنیا کی بیش تر زبانوں کے ادب کا کم و بیش یہی حال ہے۔سائنسی اکتشافات و ایجادات نے عام اذہان کو اپنی جانب متوجہ کرلیا ہے۔نتیجتاً ادب کا

کوئی پرسانِ حال نہیں دکھائی دیتا۔اس نازک ترین صورت حال کوادب آشنا بنانے کے لیے ضروری تھا کہ وہ سارے جتن کیے جاتے جس سے اردوزبان وادب کی گم گشتہ قدریں لوٹ آتیں۔اردو کے قاری جوعنقا ہوتے جارہے ہیں ان کی تعداد میں خاطرخواہ اضافہ ہوجائے۔ لیکن فی الحال اس طرح کی کوششیں مفقود ہیں۔سید اولادِ رسول قدسیؔ اسی زوال پذیر زبان کے شاعر ہیں۔ان کی محنت اورلگن دیکھ کر ایک اُمید ضرور بندھتی ہے کہ اردو کا مستقبل مایوس کن ہونے کے باوجود تشویش ناک نہیں ہے۔قدسیؔ ایک حسّاس ذہن انسان ہیں۔وہ اپنے گردوپیش کے نشیب وفراز پر گہری نظر رکھتے ہیں اوراپنے احساسات کو نتیجہ خیز اشعار کی صورت میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ سماج کی ہر اچھی بُری تصویر پوری وضاحت کے ساتھ اُبھر کر سامنے آجاتی ہے۔ان کے یہاں قریاتی اور بلدیاتی تہذیب ومعاشرت کا خوب صورت امتزاج ان کے اشعار کو معنی خیز انفرادیت عطا کرتا ہے۔جس نے ان کی شاعری کو دوآتشہ بنانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔معاشرتی زوال وانحطاط سے جب وہ متاثر ہوتے ہیں تو ان کے اشعار تیکھے اور تیز ہوجاتے ہیں۔جس کی شدید آنچ متعدد اشعار میں محسوس کی جاسکتی ہے۔لیکن جب روایاتِ صالحہ اورقدروں کی آفاقیت کی بات ہوتی ہے تو ان کا قلم انتہائی سبک وشیریں مزاج ہوجاتا ہے۔ان کے یہاں جدید ترکیبوں اورمحاوروں کا استعمال بھی نہایت خوب صورت انداز میں دکھائی دیتا ہے۔ان کا یہ وصف معاصر شعرا کے درمیان انھیں منفرد بنا دیتا ہے۔اصلاً شاعری کی معراج بھی یہی ہے جو انسانی ذہن میں ارتعاش پیدا کردے، آنکھوں سے نیند اُڑا دے، تجزیاتی سطح سے گزارتے ہوئے خود احتسابی پر مجبور کردے۔سید اولادِ رسول قدسیؔ اس فضا سازی میں بڑی حد تک کامیاب ہیں۔

سید محمد اشرف میاں برکاتی

علامہ سید اولا درسول قدسی چوتھی بار اپنے عشق رسول کا ثبوت ''لب ولہجہ'' کے ذریعہ دے رہے ہیں۔اس سے پیشتر قدسیؔ اپنے مجموعہ ہائے کلام ''گل ہائے قدسی''، ''انوارِ قدسیؔ'' اور

''گل ولالہ'' کے ذریعہ تین مرتبہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں نذر گزرانے کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ان کے ہم عصر معاصرین میں کم ہوں گے جنہوں نے کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے فنِ نعت کی اتنی اور ایسی خدمت کی ہو۔

پروفیسر عنوان چشتی

''نعت'' کا لفظ خود سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی مدح میں استعمال ہونے والے الفاظ واسالیب کے لئے برتا ہے اور حضرت علی نے رسول کی مداحی کرتے ہوئے اپنے لئے لفظ ناعت کا استعمال کیا ہے۔اس لئے نعت نگاری ایک مقدس فن ہے اور ناعتِ رسول اکرم ہونا بڑی سعادت ہے مجھے خوشی ہے کہ جناب سید اولا درسول قدسیؔ صاحب سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ناعتوں میں شامل ہیں۔ میں انہیں اس سعادت پر مبارک باد دیتا ہوں۔

ڈاکٹر خواجہ اکرام

سید اولادِ رسول قدسی ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں۔آپ کو علوم دینیہ کے باوصف شاعری پر بھی کمال کا عبور حاصل ہے۔نعت اور غزل ان کی محبوب صنف سخن ہے۔دونوں اصناف میں ان کے فن کی جلوہ طرازیاں قابل دید ہیں۔ان کے لب ولہجے میں کلاسیکی رچاؤ اور دردمندی کا احساس کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔نعتیہ شاعری میں ان کا اسلوب جدّت کا حامل ہے۔جہاں ان کے اشعار عشق کی سرمستی اور سرمدی جذب وکیف میں ڈوبے ہوئے ہیں وہیں بعض اشعار ایسے ہیں جو اخلاق ونصیحت پر مبنی ہیں۔نعت گوئی کی عام روایت یہ رہی ہے کہ اس میں عشق رسول پر مبنی اشعار ہی کہے جاتے ہیں۔مگر سید اولادِ رسول قدسیؔ نے عشق اور نصیحت کے درمیان جو ربط قائم کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔مثلاً ؎

نالاں ہے مسلمان کے کردار سے اسلام
اِک تلخ حقیقت ہے یہ افواہ کہاں ہے

بنتا ہے رحمتوں کا وہی مرکزِ نگاہ
شیشے کی طرح قلب جس انساں کا صاف ہے

اُردو شاعری میں نعت اور مرثیہ دو ایسی اصناف ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کا تعلق مذہب وعقیدہ سے ہے۔ان دونوں اصناف میں طبع آزمائی کرنے والے شروع سے کم رہے ہیں۔ کیونکہ اس میدان میں محض فن پر قدرت کافی نہیں، جب تک جذب وشوق نہ ہو۔ اس صنف میں شعر کہنا مشکل ہے۔ بالخصوص نعت پاک کافن اور بھی مشکل ہے۔ کیونکہ ذراسی لغزش سے نہ صرف فن مجروح ہوتا ہے بلکہ فنکار قعرِ گمراہی تک پہنچ جاتا ہے۔ سید اولادِ رسول قدسی چونکہ عشق رسول کی عظمتوں اور اس منزل کے اسرار ورموز سے واقف ہیں اسی لئے ان کے کلام میں جذب وکیف اور محبت کی سرشاری کے ساتھ ساتھ فکر وخیال کی بلندی نظر آتی ہے۔ اظہارِ جذبات کا شعور اور لفظوں کا خوبصورت استعمال عشق رسول کا بھی غماز ہوتا ہے اور قاری کے لیے کبھی مہمیز کا بھی کام کرتا ہے۔ مثلاً ؎

زخم اس کے بنے باغِ جنت کے پھول
راہِ حق میں جو جانباز گھائل ہوا

یہ میری سعادت ہے کہ ''لَوْحِ مَحْفُوْظ'' پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ خدا سے دعا گو ہوں کہ نعت پاک کے طفیل ہمارے دل کو عشق نبی کا گنجینہ بنا دے۔

مخمور سعیدی دہلی

جناب سید اولادِ رسول قدسیؔ ایک علمی اور دینی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ علم وادب اور دین کی خدمت کا جذبہ انہوں نے ورثے میں پایا ہے۔ عربی، فارسی اور اُردو کے علاوہ وہ انگریزی پر بھی اچھی نظر رکھتے ہیں۔ کئی زبانوں سے قریبی شناسائی اور ان کے علمی اور ادبی ذخیرے سے خاطر خواہ بہرہ یابی نے انہیں فکر ونظر کی وہ وسعت عطا کی ہے جس کا اظہار ان کی شاعری سے ہوتا ہے۔

شاعری میں اپنے مشاہدات اور محسوسات کا اظہار اس طور پر کرنا کہ اس سے شاعر کا ایک

مخصوص لہجہ سامنے آئے اور اسے ہم عصر شاعروں کی بھیڑ میں ایک جُداگانہ پہچان مل سکے، آسان کام نہیں۔ اس کے لیے عالم شناسی کے ساتھ ساتھ خود شناسی بھی ضروری ہے اور جس زبان میں آپ شعر کہہ رہے ہیں اس پر کامل قدرت اور اس کی شعری روایت سے پوری پوری آگاہی بھی۔ قدسی صاحب کا کلام پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان اوصاف سے متصف ہیں اور ان کے یہ اوصاف ان کی غزلوں اور ان کی نعتوں میں یکساں طور پر جلوہ گر ہیں، ان کی غزلوں کی طرح ان کی نعتیں بھی رسمی مضامین کا رسمی انداز میں اظہار نہیں کرتیں۔ ان میں جذبے کی سچائی اور فکر کی نُدرت صاف طور پر جھلکتی ہے۔ غزلوں میں پیکروں اور علامتوں کی وافر موجودگی بھی ان کے مخصوص رجحان کو ظاہر کرتی ہے۔ میں ان کے کلام پر بہت لُطف اندوز ہوا، سوائے اسکے اُس حصّہ کو چھوڑ کر جو آزاد غزلوں پر مشتمل ہے۔ مذہب کی طرح ادب میں بھی بدعت حسنہ کی گنجائش ہے اور اکثر اس کا قبول کرنا یا اسے اختیار کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے لیکن بدعت قبیحہ کا نہ مذہب روادار ہوسکتا ہے نہ ادب۔ آزاد غزل ایک ایسی ہی بدعت ہے جسے کوئی سلیم الطبع شخص قبول کرے تو افسوس بھی ہوتا ہے اور حیرت بھی۔ میں قدسیؔ صاحب کے تابناک مستقبل کا متمنی ہوں۔

محمد رحمت اللہ صدیقی

مدیر اعلیٰ پیغام رضا ممبئی

سید اولادِ رسول قدسیؔ کی شاعری تقریباً تین دہائیوں کو محیط ہے تین دہائیوں کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں ہوتا۔ اس عرصے میں انسان کی فکر ونظر کو ترفع حاصل ہوتا ہے اور اس کے حریم دل میں ہزاروں لطیف تجربے بود و باش اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر انسان ان بکھرے ہوئے جذبوں کو سمیٹ کر شعر کے قالب میں ڈھالتا ہے۔ پاکیزہ و مطہر فکر کی کوکھ سے جو اشعار جنم لیتے ہیں ان میں بڑی گہرائی اور جاذبیت ہوتی ہے۔ جو روح کو جمالیاتی نشاط و بہجت سے ہم کنار کرتی ہے۔ قدسی کی غزل گوئی جدید رجحانات و احساسات کی نمائندگی کرتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نامساعدات میں گھر کر بھی آپ نے غزل کے

تقدس اور اس کی آفاقی قدروں کو مجروح ہونے نہیں دیا۔ یہاں ایک بات عرض کردوں علماء میں بہت کم حضرات شاعر ہوتے ہیں یہی سبب ہے کہ لوگ ان علماء کو زاہد خشک کا درجہ دیتے ہیں لیکن چاہے شعر گوئی ہو یا عرفانِ الٰہی، عشق مجازی ہو یا عشق حقیقی ہر جگہ سوز وگداز کا ہونا ضروری ہے جس کے دل میں سوز وگداز گھر کر گیا ہو وہ ہر میدان میں کامیاب ہوتا ہے بعض صوفیائے کرام نے تو اپنے مریدوں کو کسی دنیوی شاہد سے عشق کرنے کا نسخہ پیش کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کسی حسین سے عشق ہوجائے تو شیخ کے لیے اس سے وابستہ تمام قلبی آلائشوں کو یکجا کر کے باہر پھینک دینے اور اس کی جگہ یکسوئی کے ساتھ عشق الٰہی میں غرق ہونے کا عمل آزمانے میں بڑی سہولت ہوتی ہے گویا عشق مجازی عشق حقیقی تک پہنچنے کا ایک زینہ ہے۔ بقول امجد نجمی۔

سب دیکھتے ہیں حسنِ دلآویز کو تیرے
میں حسن میں اک شانِ خدا دیکھ رہا ہوں

دل میں آکر جذبہ عشق صادق ہوتو یہ عشق اپنے آپ کو غزل کی شکل میں بھی ظاہر کرسکتا ہے اور نعت وحمد کی شکل میں بھی کہنے کا مقصد یہ ہے کہ قدسی سوز وگداز سے لبریز ایک دھڑکتا ہوا دل رکھتے ہیں اور جامیؔ، سعدی، رومی اور حافظ کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ ثابت کرتے ہیں کہ صوفیائے کرام اور علمائے کرام بھی شاعری کے میدان میں ہفت اقلیم طے کرسکتے ہیں اور واردات قلبی کے اظہار میں دوسروں سے کسی طرح کم نہیں۔

ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی

ریڈر طبیہ کالج، دہلی یونیورسٹی، قرول باغ، نئی دہلی

سید اولادِ رسول قدسی کے مجموعۂ کلام ''رفتہ رفتہ'' کا مسودہ نظرنواز ہوا جو حجم کے اعتبار سے مختصر ہے لیکن معنویت کے لحاظ سے ''دریا درکوزہ'' کا مصداق ہے۔ شاعر جو کچھ سوچتا ہے جب تک وہ حواس باطن کی اقلیم میں رہتا ہے اس میں پاکیزگی، لطافت اور شفافیت بہت ہوتی ہے جو الفاظ کے ذریعہ شعر کے قالب میں ڈھلتے ڈھلتے کم ہوتی جاتی ہے۔ ایک اچھے شاعر کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ احساسات وخیالات کے اظہار کے لیے ایسے مناسب الفاظ کا

انتخاب کرے جو مفہوم کی حقیقی تعبیر سے قریب تر ہوں۔ سید اولادِ رسول قدسیؔ کے کلام میں یہ خوبی جامعیت کے ساتھ پائی جاتی ہے اور یہی جامعیت جب انتہائے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو ایک ایک شعر سخن بکفتی و قیمت برفت لولوراع سے عبارت ہوجاتا ہے۔ علامہ نیاز فتحپوری کا خیال ہے کہ حقیقی شاعری نام ہے حقیقتوں کے احساس واظہار کا ایسی زبان اور ایسے لب ولہجہ میں کہ ان حقیقتوں کے سمجھنے کے لیے ہم کو زبان اور لب ولہجہ کو سمجھنے کی ضرورت پیدا نہ ہو۔ لیکن شعر کی اس سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا مطلب نہ بیان کیا جاسکے یعنی تمام تر تعبیر وتشریح کے بعد بھی یہ احساس باقی رہ جائے کہ ہنوز بہت کچھ بیان کرنے سے رہ گیا ہے۔ قدسیؔ کے صحیفۂ غزلیات میں ایسے اشعار کی کمی نہیں ہے جن کو پڑھ کر بے اختیارانہ طور پر واہ نکل جاتی ہے اور اس واہ کی تعبیر لفظوں کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔

عبدالمتین جامی

اُردو بازار، پدماپور، کٹک (اڑیسہ)

سید اولادِ رسول قدسیؔ کی آزاد نظموں کا مجموعہ ''لمحہ لمحہ'' کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کی نظم گوئی کا مرکز ومحور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا تحفظ ہے۔ تاہم یہ بات بھی میرے ذہن کے افق سے اُبھرتی ہے کہ کاش یہ تمام نظمیں پابند نظموں کے پیرائے میں ہوتیں۔ میرے خیال میں اس طرح سے اسلوب بیان میں تھوڑی سی تبدیلی ان نظموں کو لازوال تخلیقات کا قابل اعتبار درجہ عطا کردیتیں۔ بہرکیف قدسیؔ صاحب لائق تحسین ہیں کہ انہوں نے اتنے کم عرصے میں اتنی ساری خوبصورت نظموں کا تحفہ دے کر اُردو شعر وادب کے سرمائے میں خاصا اضافہ کیا ہے۔ یہ بات مشاہدے میں آرہی ہے کہ عموماً جدید شعراء ہوں کہ قدیم شعراء محض غزل گوئی پر اپنی پوری توجہ صرف کررہے ہیں۔ چند ہی استاد شعراء ایسے ہیں جن کے یہاں نظم نگاری کے علاوہ اُردو کی دوسری اصناف سخن میں دلچسپی دکھائی دیتی ہے۔ تاہم یہ خوش آئند بات ہے کہ سید اولادِ رسولؔ قدسی نئی نسل سے تعلق رکھنے کے باوجود اُردو شاعری کی مختلف صنفوں پر طبع آزمائی کی ہے اور ہر مقام سے سرخ رو ہوکر گزرے ہیں جس کے نتیجے میں آج ''لمحہ

لمحہ'' جیسا مجموعہ ہمارے سامنے موجود ہے۔اس مجموعے کی ادبی افادیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔

پروفیسر انوار احمد زئی پاکستان۔

اب تھوڑی سی بات نظم کی بھی ہو جائے اور اس ضمن میں ''فکر مسلسل'' میں قدسی کی نظموں کے مسودے ''لمحہ لمحہ'' پر نہایت خوبصورت اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی نے اُردو نظم کی اساسی منزل کا ذکر کیا ہے۔مگر میرے سامنے اس وقت قدسی صاحب کی منظوم سیرت ہے ''سیرت سرورِ دو جہاں'' جو دراصل پابند نظم کی محدودات سے ماوریٰ نظم معریٰ یا نظم غیر پابند یا نظم آزاد میں ہے یقیناً نثری نظم میں نہیں ہے۔قدسی صاحب نے اس صنف کو جس خوبی سے برتا ہے اسے دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ سیرت نگاری کے لئے جس فکری، ایمانی، تاریخی اور محاکاتی بہاؤ کی ضرورت تھی وہ اس اسلوب سے پوری ہو سکتی تھی۔تاہم جو بات ہمارے پیشِ نظر رہنی چاہئے وہ یہ ہے کہ یہ تاثر شاید درست نہیں کہ اُردو ادب میں صنف نظم کا ملنا ''مغربی ادب سے آئی ہے۔ یہ تاثر دراصل نظم کے اتحادِ ثلاثہ یا شعری مثلث کے حامل تین شاعروں کے حوالے سے پیدا ہوا ہے یعنی الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی اور محمد حسین آزاد۔۔۔۔۔۔۔ان تینوں کو اُردو نظم کا سرخیل مثلث کہا جاتا ہے اور یہ بھی اس لئے کہ ان تینوں سے بیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی عشرے میں گورنمنٹ پنجاب بک ڈپو کے تحت مرتب ہونے والے مغربی ادب کے خزینوں کے اُردو تراجم کی زبان کی درستی کرتے ہوئے ان کی فکر سے یہی کشید کیا تھا اس لئے انہوں نے اُردو شعری مزاج کو رنگِ نو دینے اور انتقادی اصولوں کو وضع کرنے کے لئے مقدمہ شعر و شاعری، شعر العجم اور آبِ حیات کی تخلیقات کے سامان کئے تھے جبکہ سچ یہ ہے کہ ان کی نظم گوئی سے بہت پہلے نظیر اکبر آبادی نے اُردو کے خزینے میں اپنی بے پناہ نظموں کے نمونے ڈال دیئے تھے اس طرح وہ اپنے رنگ کے موجد بھی تھے اور خاتم بھی۔آدمی نامہ اور بنجارہ نامہ، برسات کی بہاریں اس کا ثبوت ہیں اس لئے ہم اس صنف کے مقلد بننے کی بجائے موجد کہلوائیں تو مناسب ہے۔

قدسی صاحب کا اصل مزاج غزل کا ہے۔مگر جب ایمانیات کی مقناطیسیت کے سامنے

آئے تو قدرت نے ان سے منظوم سیرت نگاری کا وہ کام لے لیا جس کی مثال اس اہتمام کے ساتھ پہلے نہیں ملی۔

سید صبیح الدین رحمانی پاکستان

ملی درد رکھتے ہوئے شاعری میں ادبیت اور شعریت برقرار رکھنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔لیکن جن کو اپنے پیغام کی روشنی پھیلانے کا جنون ہوتا ہے وہ اس میدان میں یقینا کامیابی سے ہمکنار ہوجاتے ہیں۔سید اولادِ رسول قدسیؔ کی نعتیہ شاعری، دراصل ملی درد اور عصری گمراہیوں کی آگاہی سے پیدا ہونے والے کرب کی وہ آواز ہے جس کی طرف امت مسلمہ کے ہر فرد کو متوجہ ہونا چاہئے!۔۔۔۔۔۔"فکر مسلسل" کے تخلیقی وفور میں تلمیحاتی حسن اور واقعاتی صداقتوں کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات کی تجلیاں بھی ضوریز نظر آتی ہیں۔ساتھ ہی عصری مسائل اور گمراہیوں سے بچ نکلنے کے لیے رہنما اصول بھی نمایاں ہیں۔میرے نزدیک قدسی کی شاعری اصلاحی نعت کے دائرے میں آتی ہے، جو ایک طرف روایت سے جڑی ہوئی ہے تو دوسری طرف تازہ کاری کی غماز بھی ہے۔اس میں جابجا مختلف اصناف کے پیکر میں فکری اور نعتیہ مضامین جلوہ آرا ہیں جو شاعری میں ایک کامیاب تخلیقی عمل کی نشاندہی کرتے ہیں۔قدسی کی شاعری میں ایک اور بات خصوصی طور پر دامن فکر کو اپنی طرف کھینچتی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے افکار اور ان کے عشق نبوی کی چھینٹ نے ان کے کلام میں جگہ جگہ عقیدے کی پختگی اور عشق کی روشنی کے دائرے کو وسیع تر کردیا ہے۔میں اس خوبصورت نعتیہ مجموعے کا دل کی گہرائیوں سے خیر مقدم کرتا ہوں!!!

سیّد اولاد رسول قدسیؔ کا شمار دانشور علما میں ہوتا ہے انہوں نے بیک وقت تحریر، تدریس، تقریر اور شاعری کو مذہبی قدروں کے فروغ کا وسیلہ بنا رکھا ہے۔امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں رہتے ہوئے جہاں آپ صوبائی و عالمی نعتیہ مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں وہیں ایک واعظ وخطیب کی حیثیت سے بڑے بڑے جلسوں و کانفرنسوں سے بھی خطاب کرتے ہیں۔آپ نے مذہبی، مسلکی اور جماعتی تشخص اور تفرد کو اب تک ہر طرح کے داغ

دھبّوں سے بچائے رکھا ہے۔ پانیوں میں رہ کر اپنا رنگ جدا رکھنا بہت بڑی بات ہے، امریکہ جیسی سرزمین میں سکونت اختیار کرنے کے بعد بہت کم لوگ اپنے مذہبی تشخص کو حالات اور ماحول کے گرد وغبار سے محفوظ رکھ پاتے ہیں۔قدسی کی ذات ایسے لوگوں کے لیے منہاج و معیار کی حیثیت رکھتی ہے۔آپ اپنے مذہبی تشخص، علمی تفرد اور شعری رجحانات وخیالات کی بنیاد پر ہر طبقے میں انتہائی احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔آپ کے قدردانوں کا ایک وسیع حلقہ ہے۔ان میں عوام بھی ہیں خواص بھی ہیں۔مفکرینِ دین ومذہب بھی ہیں اور ناقدینِ شعر وادب بھی۔ان کی شخصیت اور شاعری کے حوالے سے جہاں ناقدین زبان وادب کے مثبت تاثرات وخیالات ملتے ہیں وہیں علما ومشائخ کے بھی تعریفی وتوصیفی کلمات ملتے ہیں ذیل میں دانشورانِ مذہب وملّت کے تاثرات وخیالات پیش کیے جاتے ہیں:

ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد، خطیب وامام فتح پوری شاہی مسجد، دہلی

سیّد اولادِ رسول قدسی کا پانچواں مجموعۂ نعتیہ کلام میرے سامنے ہے۔اس سے پہلے چوتھے مجموعۂ کلام ''لب ولہجہ'' کا بھی میں نے مطالعہ کیا ہے۔ماشاءاللہ ثم ماشاءاللہ۔سیّد اولادِ رسول قدسی جدید وقدیم علوم وفنون کے ساتھ علومِ قرآن کریم اور مضامینِ احادیثِ رسولِ مقبول ﷺ کا بھی گہرا مطالعہ رکھتے ہیں۔ان کے دل میں عشق ومحبت کے وہ گرانمایہ ذخیرے ہیں جو الفاظ کی شکل میں صفحۂ قرطاس پر ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ان کے کلام میں جامعیت اور گہرائی ہے۔روانی، سلاست اور شگفتگی ان کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے۔یہ ابھی نوجوان ہیں ان شاءاللہ طویل عمر ہوگی تو ان کی شاعری کے مزید پوشیدہ پہلو سامنے آئیں گے۔(قدسی شخص اور شاعر، ص:۱۴۸)

حضرت مولانا بدر القادری، اسلامک اکیڈمی ہالینڈ

راقم الحروف بایں نسبت نعتِ رسول کے حوالے سے حضرت قدسی کا مزید قدرداں ہے کہ یورپ وامریکہ کی اخلاق سوز، حیا کش دنیا میں حضرت قدسی، حضور قدسی مرتبت ﷺ کے رُخِ زیبا اور پیکرِ نوری کے ترجمان بن کر ابھر رہے ہیں۔ہر سال ہالینڈ کی بزمِ نعت کے

مشاعرہ میں اپنے کلام سے شرکت فرماتے ہیں۔ نیز ان کی وصف بیانی سے امریکہ میں رہنے والے مسلمانوں کے قلوب واذہان عشقِ رسول کے شمامۃ العنبر سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت قدسیؔ فکروفن کے دھنی ہیں۔ زبان و بیان پر قدرت رکھتے ہیں۔ قادرالکلام ہیں۔ چھوٹی بڑی ہر طرح کی بحروں میں طبع آزمائی فرماتے ہیں۔

آج جب کہ نعتِ رسولِ مقبول ﷺ ایک باقاعدہ صنفِ سخن کی حیثیت اختیار کررہی ہے۔ جہدِ مسلسل اور مساعیِ جمیلہ کے اس دور میں حضرت قدسیؔ کی پرکشش نعتیہ اور غزلیہ شاعری کو ضرور ایک اہم مقام ملنا چاہیے۔

کسی ناعتِ مخلص کی سب سے بڑی آرزو تو یہ ہوتی ہے کہ حضور صاحب نعت ﷺ اس کے نذرانۂ محبت کو قبول فرمالیں۔ مگر کیا خوب ہو کہ الفت و محبت کے ان چمنستانوں کو ہم ایک تہذیبی رنگ بھی دے دیں اور اردو ادب میں نعتیہ شاعری کو اس کا باوقار مقام دلانے کی سعی کریں۔ (قدسی شخص اور شاعر، ص: ۴۷)

حضرت مولانا ملک الظفر سہسرامی

سید اولادِ رسول قدسیؔ نعتیہ شاعری کے محراب و منبر کی عزّت و حرمت کے پاسدار واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے لب ولہجہ سے نعتیہ شاعری کی لوح وقلم کو نیا رنگ و آہنگ دیا ہے۔ نئے استعارات، منفرد تشبیہات، خوب صورت لفظیات اور جدّتِ تراکیب نے قدسیؔ کے نعتیہ دیوان کو شعر وسخن کا شاہکار بنادیا ہے۔ لفظ و معنی کی حرمت کا انہیں قدم بہ قدم احساس ہے۔ نعتیہ شاعری کی راہ میں فکر وخیال کے جن زادِ سفر کی بہر گام ضرورت ہوتی ہے مقامِ حمد ہے کہ قدسیؔ کا دامنِ خیال اس سے محروم نہیں ہے۔ مشرقی علوم کی تحصیل میں قدسیؔ نے اپنی حیاتِ عزیز کے قیمتی لمحات صَرف کیے ہیں۔ تب انہیں یہ مقام ومراتب عطا ہوئے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد اس امر کی تصدیق ہوجاتی ہے کہ وہ بحرِ علم کے ساحل پر کھڑے تماش بینوں میں نہیں ہیں بلکہ اس میں انہوں نے مستقل شناوری کی ہے اور یہ مشغلہ آج بھی ان کی زندگی کا ایک اہم حصّہ ہے۔ ان کی شاعری میں بحرِ علم کی شناوری کا احساس و

ادراک کیے بغیر آگے نہیں بڑھا جا سکتا۔ انہوں نے گوہرِ صدف سے اپنے کلام کے لیے خوب زیب وزینت کا سامان فراہم کیا ہے۔ قدسؔی کی نعتیہ شاعری کے تشکیلی عناصر میں جو شئے سب سے زیادہ نمایاں ہوکر سامنے آئی ہے وہ عشقِ رسول ﷺ ہے۔ یہی وہ عنصر ہے جس نے قدسؔی کی نعتیہ شاعری کو تب وتاب عطا کی ہے۔ ''فکرِ مسلسل''، قدسؔی کا ساتواں شعری مجموعہ ہے اس کا مطالعہ قارئین کے بے قرار جذبوں کو تسکین بھی دے گا اور عشقِ رسول ﷺ کی تپش میں اضافہ بھی کرے گا۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، ریڈر شعبۂ علومِ اسلامیہ، جامعہ ہمدرد، دہلی

قدسؔی صاحب کو میں اسی وقت سے جانتا ہوں جب وہ درسِ نظامی کے طالب علم تھے اور وہ عصری علوم کی تکمیل کر کے ملک کی عظیم درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ میں صرف اور صرف اپنے والد ماجد کی تمنّا کی تکمیل کے لیے آئے تھے۔ ورنہ والد ماجد کی آغوشِ تربیت سے انہیں کیا نہیں ملا تھا۔ انہوں دورانِ طالب علمی سے ہی مشقِ سخن شروع کر دی تھی اور نعتِ رسول سے متعلق پاکیزہ خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنانے لگے تھے۔ اسی وقت ان کا ایک نعتیہ دیوان چھپ کر حلقۂ علم وادب میں قبولِ عام حاصل کر چکا تھا۔ درسِ نظامی کی تکمیل کرتے ہی وہ دینی مدارس کی روایت تدریس اور عصری درس گاہوں کی عصری تعلیم کے سنگم بن گئے۔ قدیم وجدید تعلیم حاصل کرتے ہی ان کی شخصیت بڑی اہم اور پرکشش بن گئی۔ عروس البلاد ممبئی میں کچھ دنوں دینی خدمت انجام دی اور پھر سات سمندر پار امریکہ چلے گئے جہاں وہ انگریزی زبان وادب میں مہارت کے باعث دعوتِ دین کا فریضہ جس خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں وہ نہ یہ کہ صرف قابلِ ستائش ہے بلکہ قابلِ تقلید بھی ہے۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ان کی تمام تر علمی اور دینی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین! (قدسؔی شخص اور شاعر، ص: ۷۷)

حضرت مولانا قمر الحسن بستوی

مولانا سید اولادِ رسول قدسؔی ایک طبع زاد شاعر ہیں۔ تقریباً تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ مگر ان کا یہ کارنامہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پوری سیرتِ

طیبہ کو آزاد نظم میں رقم کرنے کا عزم رکھتے ہیں، یہ اس کا پہلا حصہ ہے۔ حفیظ جالندھری صاحب نے صرف حضور کی حیات کے ان گوشوں کو نظمایا ہے جو غزوات وسراپا سے متعلق ہیں۔ اسی وجہ سے ''شاہ نامہ اسلام'' حصہ چہارم جو غزوۂ احزاب (خندق) تک ہے صرف رقم کیا جاسکتا ہے۔ مگر قدسی صاحب نے حیاتِ اقدس کے تمام گوشوں کا اِحتوا کرنے کا عزم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اِس حسنِ ظن کو عملی جامہ پہنادے۔

آزاد نظمی کے اسلوب میں اسوۂ حسنہ کا شعری سفر مترنم، مسلسل، مربوط اور رواں بھی ہے۔ جیسے کوئی خوب صورت آبشار سنگلاخ چٹانوں سے پھوٹ کر نکلتا ہے اور لذتیات کی پوری توانائی کے ساتھ بہتا رہتا ہے۔ اس مخصوص اسلوب میں رقم کیا جانے والا میری دانست میں قدسی صاحب کا یہ پہلا شاہ کار ہوگا۔ اور یہ آزاد نظم میں سیرتِ نبوی رقم کرنے والوں کے میرِ کارواں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ قدسی صاحب کو اس کا اجر عطا فرمائے اور اس کاوش کو مقبولیت عامہ عطا فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

قافیہ وردیف کی ثقالت کلام کے زبان زد خاص وعام بننے کی راہ میں شدید مزاحم ہوگی اور کوئی کتنا ہی خوش گلو ہو سامعین کو جھنجھوڑنے میں ناکام اور داد پانے سے محروم رہ جائے گا۔ جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اوراق کے دفینے تک وہ سرمایہ محصور ہو کر رہ جائے گا اور یہ چیز قدسؔی کی شاعری کے لیے کوئی نیک شگون نہیں ہے۔ اس لیے اگر قدسؔی مشکل پسندی کے حصار سے نکلیں اور سہل پسندی کے گنبد و مینار میں آجائیں اور ان ہی ردیف و قافیہ کو اپنے چلبلے تخیل کی لوحِ مشق بنائیں جو سب کے لیے سہل الحصول ہو تو ان کے کلام کی نغمگی کی لہر کو کوئی اِس پار سے اُس پار جانے سے روک نہیں سکے گا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قدسؔی کی تمام نعتیں سہل ممتنع کے جواہر و عناصر سے عاری ہیں۔ نہیں ان کی بعض نعتوں میں تو سہل ممتنع کے باوصف جمالیاتی نشاط انگیزی، معنوی روانی و دوانی، تخیل کی مینا کاری و بلند پروازی اپنے نقطۂ

عروج پر ہے۔ حسنِ شعری کا ہر تیور قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتا اور کمیت کی تنگناؤں سے کیفیت کی وسیع فضاؤں میں پہنچاتا ہے۔ (قدسی شخص اور شاعر، ص:۲۰۱)

حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجد

نعت نویسی عبادت ہے اور مذہب کے حوالے سے زبان وادب کی غیر معمولی خدمت بھی۔ یہ الگ بات ہے کہ ادب کے جملہ عناصر کی ترکیب اور شاعری کے تمام لوازمات و نوادرات کی یکجائی کے باوجود ناقدینِ ادب نے صنفِ نعت کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اِدھر چند برسوں میں نعت، تنقیدِ نعت اور صنفِ نعت کی تحقیقی نوعیت سے متعلق پاکستان میں خاصہ کام ہوا ہے۔ جس سے اس منفی رویہ کی شدّت میں کمی آئی ہے اور نعت کے عنوان پر لکھنے والوں کا ایک حلقہ تیار ہو گیا ہے۔ کئی ایک معیاری نعتیہ مجموعے بھی منظرِ عام پر آئے ہیں۔ یہ نعتیہ مجموعے محض عقیدتوں کے منظوم گلدستے نہیں بلکہ ادب کے اعلیٰ نمونے بھی ہیں جنہیں ہم ادب میں گراں قدر اضافہ کہہ سکتے ہیں۔

ہندوستان کے دیگر صوبوں کی طرح اڑیسہ بھی نعت نویسی کی پاکیزہ روایت قائم رکھنے میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ عبدالمجید بھویاں حیاؔ، خاتم پپراجپوری، سلطان راجی، امین اللہ چرخی، مجرم سمبل پوری، ظہور الحق ظہوری، شمس الحق شمس، عبدالرحیم احسن، عرفان علی فدائی، مولا بخش مولا، نور علی انور، عبدالعزیز عاشق اور رفیع الدین رفیعؔ جیسے شعرا نے اڑیسہ میں نعتیہ ادب کو زندہ رکھا ہے اور اسی سرزمین کے ایک عالمِ دین عربی، اردو اور انگریزی کے معروف اسکالر ہیں جناب مولانا سیّد اولادرسول قدسیؔ، جن کا تازہ مجموعۂ کلام ''لب ولہجہ'' کے نام سے منظرِ عام پر آیا ہے۔

یہ شاعر کا چوتھا مجموعۂ کلا ہے۔ جسے پڑھ کر یہ تاثر ملتا ہے کہ اس میں مطالعہ کی وسعت، فن کی پختگی، بیان کی ندرت اور عشقِ رسالت کے گوناگوں جلوے سمٹے ہوئے ہیں۔

سیّد اولادرسول قدسیؔ نے اپنی نعتوں میں سیرت رسولِ پاک کے مختلف جلوؤں اور دامنِ سرکار سے وابستہ عیب تناہی سے پاک صفات و معجزات کو جدید لب ولہجہ میں نظم کرنے

کی اچھی کوشش کی ہے۔

جناب قدسی خوش بخت ہیں کہ انہوں نے اپنی شاعری کو ان آلودگیوں سے پاک رکھا ہے جس کے لیے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں۔ اور اپنی فکر کا محور اسی مرکزِ کائنات، اصل موجودات اور قبلۂ حاجات کو بنایا ہے جو کعبے کا کعبہ ہے اور مسلمانوں کا قبلۂ توجہ۔

ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم چوں سمت کج کلاہے

(قدسی شخص اور شاعر، ص: ۲۰۳)

حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر ساحل شہسرامی (علیگ)

سیّد اولا د رسول قدسی اہلِ سنّت کے ایک قابلِ قدر فرد، ممتاز عالمِ دین اور بہترین ادیب ہیں۔ ان سے ذاتی سطح پر بالمشافہ تعارف کا اتفاق اس وقت ہوا جب وہ اہلِ سنّت کی عظیم درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ میں دینی علوم کے حصول کے لیے حاضر ہوئے۔ ۱۹۸۸ء کے اخیر میں انہوں نے جماعتِ رابعہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۹۲ء کے اوائل میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اس پانچ سالہ مدّتِ تعلیم میں ناچیز کو ان کی علمی رفاقت کا شرف حاصل رہا۔ انہیں قریب سے دیکھنے، سننے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ اس دوران مجھے وہ ایک ادب شناس، باذوق اور جفاکش ''طالب علم'' نظر آئے جو واقعی علم کے متلاشی تھے۔ ان کی کثیر الجہات شخصیت نے نگاہوں کو جلد ہی اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ طلبہ اور اساتذہ ان کے قدرداں اور مدّاح تھے اور رفقائے درس انہیں اپنی جماعت کے افتخار کا سرمایہ سمجھتے.... قدسی ہیں بھی بے حد جاذب، وجیہہ وشکیل، خوش اطوار، پاکیزہ گفتار، ملنسار اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک۔ اس لیے طلبہ ان سے مانوس اور اساتذہ قدرداں تھے۔ یونیورسٹی بیک گراؤنڈ ہونے کے باوجود قدسی میں طلبِ علم کی جیسی لگن دیکھی ویسی دوسروں میں کم نظر آتی ہے۔ ریاض ومشق، مذاکراتی نشست اور مطالعہ وافادہ ان کی پہچان بن کر رہ گئی تھی۔ ادبی ذوق اس پر مستزاد۔ شعر وسخن سے ناچیز کا بھی واجبی سا تعلق ہے۔ اس حوالے سے بھی قدسی سے رابطے استوار تھے۔ کبھی وہ

خود شعر سناتے، کبھی محفلوں میں میرے شعر بھی سن کر ''معقول'' حصّے پر داد سے نوازتے۔ لیکن میں ذرا تنہائی پسند انسان ہوں، اس لیے ہم درس ہونے کے باوجود تعلقات پر تکلف کا ایک باریک سا حجاب پڑا رہا۔ اس لیے میں ان کے فن کے اظہارات سے ہی واقفیت رکھتا ہوں۔
(قدسی شخص اور شاعر، ص: ۱۲۷)

حضرت مولانا عبدالمالک مصباحی

سیّد اولادِ رسول قدسی کی نعتیہ شاعری اگر ایک طرف بارگاہِ رسالت میں شوق و وارفتگی کے ساتھ نذرانۂ عقیدت ہے تو دوسری طرف دل کی اتھاہ گہرائیوں میں پیوست ہو جانے والے اشعار کے ذریعہ باطل عقائد و نظریات کی بیخ کنی اور فاسد خیالات کی تردید بھی ہے۔ دین اور مذہب کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرنے والے افراد کی نشاندہی کر کے ان کے مکر و فریب سے باز رکھنا قدسی کا بنیادی نقطۂ نظر ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنے اشعار میں جابجا ان لوگوں کی نقاب کشائی کر کے عوام اہلِ سنّت کو ان سے دور رہنے کی تاکید کی ہے۔ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی سے توسّل پر کچھ لوگوں کو خواہ مخواہ اعتراض ہے ان کی فہمائش کرتے ہوئے قدسی نے بڑے نفیس انداز میں اسلامی تاریخ کے اس عظیم پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ جنّت سے اس خاکدانِ گیتی پر جلوہ فگن ہونے کے بعد حضرت آدم علیٰ نبینا علی التحیۃ والثنا تقریباً تین سو سال تک اشکِ ندامت بہاتے رہے۔ بالآخر جب اس نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلے سے آپ نے دعا کی تو آپ کی دعا فوراً بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی۔ اس سلسلے میں قدسی رقم طراز ہیں

ہوئی ہے توبہ آدم کی جس اسم سے مقبول
کہو وسیلۂ عظمیٰ وہ نام ہے کہ نہیں
بلا وسیلہ وصالِ خدا نہیں ممکن
بشر حبیب سے مل کر خدا سے ملتا ہے

(قدسی شخص اور شاعر، ص: ۱۸۵)

حضرت مولانا محمد قمر الزماں مصباحی، پرنسپل الجامعۃ الرضویہ پٹنہ

حضرت علامہ سیّد اولاد رسول قدسیؔ کی ذات مطلعِ شعر و سخن پر جس آب و تاب کے ساتھ روشن ہے اسے دیکھ کر یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ان کی شخصیت کا چاند کبھی گہن آلود نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ آپ نے جس فن کو اپنا محبوب ترین مشغلہ بنایا ہے وہ نعت نگاری ہے جو اصنافِ سخن میں سب سے پاکیزہ صنف ہے جس میں شاعر کا مرکزِ فکر وہ انسانِ کامل ہے جو کلک قدرت کی سب سے خوبصورت تصویر ہے اور جس کے سرِ مبارک پر ''بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر'' کا تاجِ زرّیں جگمگا رہا ہے۔ اس لیے اہلِ نظر نے اسے عبادت کا ایک حصّہ قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب شاعر نعت کہتا ہے تو یادِ نبی کے سائے میں بیٹھ کر عشق کے ''گل و لالہ'' جو قرطاس کے سینے پر سجانے کی اس کی پاکیزہ کوشش ہوتی ہے۔ اور اس کی زندگی کے روزن سے محبت کی شوخی اور عشق کی سرخی لمحہ لمحہ جھانک رہی ہوتی ہے۔

قدسیؔ بھی اس راہِ پُر خطر سے نہایت کامیابی کے ساتھ گذرے ہیں نہ تو ادب کے وقار اور فن کی بہار کو کہیں مجروح ہونے دیا ہے اور نہ عشق کی جھلملاہٹ کہیں سے کم ہوتی نظر آتی ہے۔ آپ کا تخلیقی اسلوب اپنے عہد کا پُر جوش نمائندہ ہے اور ان کا طائرِ فکر ہر گھڑی ایک نئے آکاش کی تلاش میں مصروف ہے۔ آپ کے کلام کی ندرت، خیال کی رنگینی، احساس کا کرب، جذبات کی سلامتی اور فکر کی نزاکت کمال کی بلندیوں کو چھو رہی ہے۔

حضرت مولانا مفتی شمشاد حسین رضوی، پرنسپل مدرسہ شمس العلوم بدایوں

سیّد اولاد رسول قدسیؔ کے فکر و فن، شعر و ادب اور اس کے تجزیاتی مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے۔ ان کی شخصیت ایسی شخصیت ہے جس میں خوبیاں ہیں، کمالات ہیں اور جمالیاتی کیفیات کی بے شمار پرتیں ہیں۔ اور وہ پرتیں اس قدر پُر پیچ ہیں کہ ان کا ادراک، احساس اور شعور آسان نہیں۔ ان کی شخصیت میں گہرائی بھی ہے، وسعت بھی ہے، آگہی کا جمال بھی ہے اور شعری لطافتیں بھی ہیں۔ ان کے شعری

اظہارات کی تابانی ذہن و دماغ کے تاریک گوشوں کو روشن کرتی ہے۔ان کے فکری وشعری اثاثے میں ماضی کی یادیں، مستقبل کے خواب اور حال کے ایسے رموز واسرار ہیں جو بمشکل نمایاں ہوتے ہیں۔ان اسرار تک رسائی کے لیے ایک قاری کو شدید جدو جہد کی ضرورت پڑتی ہے۔ان کی ثقالت پسندی میں بھی لطف ولذّت کی ایک کائنات آباد ہے۔

قدسی کی جامعیت اور دیدہ وری کے لیے ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بےنوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت مولانا توفیق احسن برکاتی

سیّد اولادرسول قدسی نے ابتدائی مذہبی تعلیم والد ماجد مفتی اعظم اڑیسہ سے پائی۔ ۱۹۷۹ء میں میٹرک اور ۱۹۸۲ء میں بی۔اے پاس کیا۔ ۱۹۸۵ء میں انگریزی اور ۱۹۸۷ء میں اردو زبان وادب میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی ،عصری علوم کی تحصیل کے بعد ۱۹۸۸ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا اور ۱۹۹۲ء میں وہاں سے سندِ فضیلت اور دستار سے سرفراز کیے گئے اور اس کے بعد سے میدانِ عمل میں اتر کر جہاں مذہبِ حق کی تعلیم وتبلیغ میں مصروف ہیں وہیں اردو زبان وادب کی زلفِ برہم کی مشاطگی بھی کمالِ مہارت سے کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں چند برس گزارنے کے بعد دیارِ غیر میں مستقل اقامت پذیر رہتے ہوئے غزل اور نظم کے ساتھ تقدیسی شاعری کے ذریعے اردو کی نئی بستیوں کو جو شعری تمازت اور خوش ذوقی عطا کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ۱۵ برس کی عمر سے انہوں نے شاعری شروع کی۔ مسلسل تین دہائیوں سے زائد عرصے کی شعری وفکری ریاض نے قدسی کے فکروفن میں وہ توانائی ،ادبیت اور شفافیت بخش دی ہے جس کے حامل شعرا وادبا خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ یہ صرف میں مذہبی ادب کے حاملین کی بات نہیں کر رہا ہوں بلکہ اس عموم میں غزل اور نظم کا ہر شاعر وادیب داخل ہے۔ مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے سیّد اولادرسول قدسی کے اکثر غزلیہ، نظمیہ اور نعتیہ مجموعوں کا مطالعہ کیا ہے اور کئی ایک پر خامہ فرسائی بھی کی ہے۔

(ماہنامہ سنّی دعوتِ اسلامی، ممبئی، ستمبر ۲۰۱۴ء، ص: ۴۴)

حضرت مولانا ناظفر قادری پوکھریروی، سیتامڑھی، بہار

بلاشبہہ نعت گوئی عبادت ہے لیکن غزل گوئی اگر اس کا رُخ محبوبِ حقیقی کی سمت ہے تو اسے بھی عبادت کا درجہ حاصل ہے غزل میں جو چھوٹ ہے وہ نعت میں نہیں۔ نعت میں قدم قدم پر خطرات کے پرندے بال و پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں۔ تھوڑی سے لغزش ایمان و عمل کی تباہی کا باعث ہوسکتی ہے۔ اس راہ میں سفر کرنے والوں کے لیے شرعی علم اور عملِ صالح کے سرمائے کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ خشیت الٰہی اور حبِّ رسالت پناہی کی پونجی اگر ساتھ میں ہو تو اچھی نعتوں کے امکانات روشن ہوتے ہیں۔

سیّد اولادِ رسول قدسیؔ دینی و دنیوی دونوں علوم سے بہرہ ور ہیں۔ انہوں نے نعت و غزل دونوں اصناف میں اپنی بھرپور صلاحیتوں کا استعمال کیا ہے اور ہر راہ سے کامیابی کے ساتھ گزرے ہیں۔ ان کے ''لب لہجہ'' میں بڑی مٹھاس شیرینی ہے۔ انہوں نے بنجر زمین پر ''گل و لالہ'' کھلائے ہیں۔ ان کا قاری ''لوحِ محفوظ'' کے انور و عرفان سے لذتِ عشق کشید کرتا ہے۔ ان کی شاعری ادب میں بیش بہا اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔ شاعری کے میدان میں موصوف نے جو چراغ روشن کیے ہیں ان کی روشنی ادب کے صحرا میں بھٹکنے والوں کو سمتِ منزل کا پتہ دیتی رہے گی۔ ہمیں مستقبل میں ان سے بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں۔ (پیغامِ رضا، جنوری ۲۰۰۵ء، ص: ۱۳۱)

ڈاکٹر غلام زرقانی، ہیوسٹن، امریکہ

یہی کوئی چند ماہ قبل کی بات ہوگی جب دورانِ گفتگو حضرت علامہ سید اولادِ رسول قدسیؔ نے فون پر بتایا کہ وہ آزاد نظم کے قالب میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ جمیل کی جھلکیاں سمونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور آج جب کہ وہ خواب حقیقتِ محسوس کی شکل میں میری میز پر جلوہ گر ہے تو عقل حیران ہے کہ اتنا ضخیم دستاویز اور اس قدر قلیل مدت میں، یقیناً اسے فیضانِ بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہتے ہیں کہ جب وہ اپنی عنایاتِ بے پایاں سے کسی کو نواز دیں تو

عقل کی گرہیں کھلتی چلی جاتی ہیں، افکار کے روزن سے آمد شروع ہوجاتی ہے اور موزوں کلام صفحۂ قرطاس پر تیزی کے ساتھ منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔

میں اپنی قوتِ حافظہ کی بنیاد پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ منظوم سیرت النبی ﷺ کی مثالیں تو مل جاتی ہیں، لیکن آزاد نظم کی صورت میں سیرتِ پاک ﷺ پر کوئی کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گزری۔ یہ حقیقت اگر تسلیم کر لی جائے تو حضرت قدسیؔ مدظلہ العالی اس میدان کے اولین شہسوار قرار پائیں گے۔ یہاں پہنچ کر مجھے کہنے دیا جائے کہ پامال شدہ راستے پر سفر کرنا قابل قدر ضرور ہے، لیکن عقل وخرد، فکر وجستجو اور تحقیق وتدقیق کے پیچیدہ میدان میں اپنے لیے نئی راہ تلاش کرنا سب کے بس کی بات نہیں۔ پھر یہ بھی تو دیکھیے کہ حضرت قدسیؔ نے نہ صرف اس نئی راہ کو ڈھونڈ نکالا بلکہ کمالِ ہنرمندی کے ساتھ اس پر چل کر وہ منزلِ مقصود تک پہنچ بھی گئے ہیں۔

نعت پاک کے ہر شعر میں ایک نئی فکر کے اظہار کی گنجائش ہوتی ہے اور اسی مناسبت سے الفاظ وتراکیب کا بحر ذخار بھی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے، لیکن طے شدہ واقعات کو تسلسل اور ربطِ باہمی کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فکر کی آزادی سلب ہوجاتی ہے اور پھر الفاظ وتراکیب کا دامن بھی تنگ ہوجاتا ہے۔ ایسے نازک موڑ پر موضوع کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے اسے شعر کے قالب میں ڈھالنا امرِ مشکل ہے۔ اس حوالے سے آپ جگہ جگہ یہ محسوس کریں گے کہ حضرت قدسیؔ کمالِ قدرت کے ساتھ ان مشکلات سے بآسانی گزرتے چلے گئے ہیں۔ (سیرتِ سرورِ دو جہاں، ص ۴۸-۴۹)

حضرت مولانا عبدالرزاق پیکرؔ، الجامعۃ الرضویہ، پٹنہ

سید اولادِ رسول قدسیؔ شعر وادب کے حوالے سے کوئی نیا نام نہیں ہے۔ وہ بڑے کہنہ مشق، بلند خیال اور زود گو شاعر ہیں۔ عہدِ حاضر کے اصحابِ نقد ونظر نے ان کی شاعری کو خوب سراہا ہے۔ ان کی پوری زندگی اسی دشت کی سیاحی میں گذری ہے۔ وہ اس کے پیچ وخم اور ہر نشیب وفراز سے خوب اچھی طرح واقف ہیں۔ اپنی محنت وریاضت سے انھوں نے جو

ہمہ گیر شہرت و عظمت کا حسین تاج محل تعمیر کیا ہے وہ ہر نگاہ کو خیرہ اور ہر دل کو مسرور کرتا ہے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ شعر و ادب میں کسی کے مقلد نہیں ہیں۔ پامال زمین پر چلنا، ان کی فنی و فکری عظمتوں کے خلاف ہے۔ وہ خود اپنے فن کا انتخاب اور اپنی زمین خود ایجاد کرتے ہیں۔ اس لیے ان کا ہر شعری مجموعہ لب و لہجہ، ردیف و قافیہ و دیگر ادبی و لسانی محاسن کے اعتبار سے اچھوتا اور منفرد ہوتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ان کی مذہبی شاعری بھی اسی رنگ و آہنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ گویا وہ اپنے فن میں بڑے سخت جاں واقع ہوئے ہیں۔ یہ وہ ڈگر ہے جس پر چلنے سے بڑے بڑے شعرا کے پسینے چھوٹنے لگتے ہیں۔ اردو میں مذہبی شاعری کی عمر زیادہ لمبی نہیں ہے۔ ن،م راشد اور محمد ثناء اللہ ڈار کو اس کا سرخیلِ کارواں سمجھا جاتا ہے۔ آج کے عہد میں اس روش پر چلنے والے ادبی ستاروں کی کمی نہیں ہے، ایک سیلاب ہے کہ دن بہ دن اُمڈا چلا آ رہا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اردو میں سیرت النبی کے عنوان سے آزاد شاعری کے نمونے مل جاتے ہیں لیکن مبسوط اور مکمل طریقے سے ایک خاص اعتبار و وقار کے ساتھ اس کی منزلیں سر کرنے والے بالکل باب شاذ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آزاد شاعری کے اُفق سے طلوع ہونے والا یہ منفرد شاعر، جو اولادِ رسول قدسیؔ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ نئے رنگ و آہنگ اور جدید طرز کی فنکاری و ہنرمندی کے لحاظ سے ان کا کوئی دوسرا ہمسر نظر نہیں آتا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں کہ منظوم ''سیرتِ سرورِ دو جہاں'' ایک قابلِ قدر کارنامہ بھی ہے اور شعر و ادب کے باب میں خوب صورت اضافہ بھی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی کہنہ مشق شاعر کے لیے طے شدہ عنوان کی روشنی میں نظم لکھنا آسان ہے، کیوں کہ اس کے سامنے فکری آزادی کی وسیع تر فضا موجود ہے لیکن سیرتِ نبوی اور اس سے ملحق تمام اخلاقی، علمی، عملی، سماجی، سیاسی اور جنگی حالات و واقعات کو موضوعِ سخن بنانا، کہیں زیادہ مشکل کام ہے۔ کیوں کہ یہاں وہ آزادی میسر نہیں جو دوسری نظموں میں موجود ہے۔ نہ خیالات اپنے ہیں، نہ واقعات۔ یہاں شاعر محدود دائرے میں رہ کر تاریخی سرمائے کو شعری زبان میں منتقل کرنے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ گویا یہ شعری عمل، ہر اعتبار

سے کسی بھی شعری تخلیق سے زیادہ کٹھن ہے۔لیکن اولادِ رسول قدسیؔ نے اپنی شعری مشق و مہارت اور فنی ممارست سے مکمل سیرتِ نبوی کو آزاد نظموں میں اس انداز سے پیش کیا ہے کہ ہر قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ کوئی نثری کتاب مطالعہ کر رہا ہے۔منظوم سیرت کا ہر باب تاریخی معلومات کا خزانہ ہے،جن کے ہر پیرائے بلکہ ہر جملہ و ہر لفظ سے شاعر کی پروازِ فکر اور عشقِ رسول کی روشنی پھوٹ رہی ہے۔ یہ شعری تصنیف موضوع،فن،مواد،عناوین ہر لحاظ سے نہایت کامیاب اور جاذب نظر ہے۔

مولانا انیس عالم سیوانی

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں زیر تعلیم تھا۔سید اولادِ رسول قدسیؔ کا ابتدائی زمانہ تھا۔انھوں نے درجاتِ عالیہ میں داخلہ لیا تھا۔اِدارے میں ان کی حیثیت بہر حال ایک طالب علم کی تھی لیکن ان کی جسامت وقدامت اور شکل وشباہی ایسی تھی کہ دیکھنے والے انھیں جامعہ کا استاذ سمجھتے تھے۔انھوں نے عصری تعلیم کی تکمیل کے بعد دینی درس گاہ کا رُخ کیا تھا اور دینی تعلیم کی بھی بیشتر منزلیں طے کر چکے تھے۔جامعہ میں داخلہ کے وقت سند کے اعتبار سے مولانا کے علاوہ وہ سب کچھ تھے۔نثر نگار، انشاء پرداز، شاعر و ادیب، واعظ وخطیب اور انگریزی زبان وادب کے اچھے واقف کار۔ان سب کے باوصف نسبی وجاہت،ان کے نثری وشعری فن پارے ہندو پاک کے معیاری اخبار ورسائل میں چھپا کرتے تھے۔انھیں خوبیوں کی بنیاد پر اساتذہ وطلبہ دونوں میں آپ عقیدت و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔راقم الحروف کے ساتھ ان کی بڑی شفقتیں تھیں۔جب بھی دیکھتے قریب بلاتے اور سر پہ ہاتھ رکھ کر ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازتے۔ان کی بے لوث شفقتیں اور پُرخلوص دعائیں آج بھی میرے ساتھ ہیں اور ان کی عقیدت واحترام کا چراغ آج بھی میرے طاقِ دل میں اسی طرح روشن ومنور ہے۔

سید اولادِ رسول قدسیؔ جب جامعہ میں داخل ہوئے تو طلبہ میں شعر وسخن کا ذوق پیدا ہوا۔آپ نے طلبہ کے اندر کے شاعر کو بیدار کرنے میں بڑی محنتیں کیں۔جامعہ کی وہ تمام

تقریبات جو طلبہ کے زیر اثر ہوا کرتی تھیں ان میں آپ کی علمی، معلوماتی اور نکات آفریں تقریر کا ہونا لازمی تھا۔ کئی علمی، فکری اور ثقافتی پروگرام کو آپ نے وجود بخشا۔ سب سے پہلا پروگرام آپ نے حضور مجاہدِ ملت کی یاد میں مشاعرہ اور سیمینار رکھا۔ یہ دونوں تقریبات بڑی کامیاب ہوئیں۔ اس کے بعد کانفرنس وسیمنار، نعتیہ وغزلیہ مشاعری اور اعراسِ بزرگاں کی ایک آندھی سی چل پڑی۔ نعتیہ اور غزلیہ مشاعروں میں کبھی کبھی سو سے زائد شعرا ہوتے اور ان مشاعروں پہ آل انڈیا مشاعروں کا گمان ہونے لگتا۔ سیمنار وغیرہ میں بھی بڑے تحقیقی اور معلوماتی مقالات پڑھے جاتے۔ انھوں نے طلبہ میں شعر وسخن، مقالہ نگاری اور تقریر و خطابت کا شعور بیدار کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ آج جامعہ کے طلبہ جو تحریر وتقریر اور شعر و سخن کے میدان میں اپنے وجود کا احساس دلا رہے ہیں، انھیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ آپ جامعہ میں فتویٰ نویسی اور معین المدرسین کے بھی فرائض انجام دیتے تھے۔ ان کی خصوصیات و کمالات کا چند اوراق میں احاطہ بہت مشکل ہے۔ ان کی شخصیت کا دائرہ بہت پھیل چکا ہے۔ ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ جہاں بھی رہتے ہیں فکر وآگہی کا چراغ جلائے رہتے ہیں۔ ربِّ کائنات انھیں دین وشریعت کی خوب خوب خدمت کی توفیق بخشے۔ آمین

حضرت مولانا محمد عیسیٰ رضوی مصباحی

قلم بچوں کے ہاتھوں میں بھی ہوتے ہیں اور جوان، بوڑھے، مرد وعورت سب بطور ضرورت یا بطور زینت اپنے پاس رکھتے ہیں۔ قلم سے نیکیوں کی اشاعت بھی ہوتی ہے اور برائیوں کا پرچار بھی۔ قلم امن کا داعی بھی ہوتا ہے اور نفرت کا پیامی بھی۔ قلم سے جنگ کا ماحول بھی بنایا جاتا ہے اور جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو قلم کے سہارے ٹھنڈا بھی کیا جاتا ہے۔ قلم اہلِ ہنر بھی رکھتے ہیں اور بے ہنر بھی۔ لیکن وہ قلم سب سے خوش بخت اور قابلِ صد احترام ہوتا ہے جو نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رقم طرازی کرے اور وہ ذات بھی تقدس کی علامت تصور کی جاتی ہے جو صادق جذبوں کے ساتھ نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کے لیے قلم اپنے ہاتھ میں لے۔

رہ کے ان کی ثنا کے گلستان میں　　میرا رنگِ چنیدہ چمکنے لگا
قدسیؔ مِرا قلم لکھ کے نعتِ نبی　　بن گیا برگزیدہ چمکنے لگا

حضرت علامہ سید اولادِ رسول قدسیؔ کا قلم نعتِ حبیب خدا ﷺ کہتا ہے۔ ان کی شاعری میں جو طہارت و پاکیزگی ہے اس کی مثال عصرِ حاضر میں بمشکل پیش کی جا سکتی ہے۔ ربِّ کائنات انھیں ہر طرح سلامت رکھے۔ آمین ان کی ذات جماعتِ اہلِ سنّت کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد احسن رضا قادری باتھوی

نعت گوئی کے لیے تقدیسِ فکر و خیال لازمی و ضروری ہے۔ اس راہ کے مسافر کے لیے علم، عمل اور عشق کا توشہ سب سے اہم ہے۔ بغیر ان چیزوں کے اچھی نعتیں وجود میں نہیں آ سکتیں۔ اس لیے کہ نعت گوئی کا میدان شعلہ بدوش ہوتا ہے۔ تھوڑی سی لغزش رحمتِ الٰہی سے دوری کا سبب بن جاتی ہے اور عملِ خیر کی ساری پونجی لمحوں میں خاکستر ہو جاتی ہے، اور شاعر کو اس کا احساس تک نہیں ہو پاتا۔ اسی لیے ایک عاشقِ صادق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے نعت گو شعرا کے لیے اپنا پیغام یوں نشر کیا ہے ؎

رہبر کی رہِ نعت میں گر ہو حاجت　　نقشِ قدم حضرتِ حسّان بہت ہے
کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں　　کہ رضائے عجمی ہو سگِ حسّانِ عرب

نعت محبت کے محفوظ جذبات کا پاکیزہ اظہار و اعلان ہے۔ نعت حریمِ جاناں میں اذانِ شوق ہے۔ نعت لیلائے عشق کی پیشانی پر نجات کی تابندہ قندیل ہے۔ نعت عاشقِ رسولِ اکرم ﷺ کا وظیفۂ حیات ہے۔ نعت محبت کے تپتے صحرا میں بھٹکنے والوں کے لیے شبنمِ رحمت ہے۔ نعت عبادت بھی ہے اور اندازِ غلامی کا سنجیدہ اظہار بھی۔ نعت سنّتِ الٰہی بھی ہے اور قربِ الٰہی کا ذریعہ بھی۔ نعت نگار کے لیے قرآن و احادیث کے علوم و معارف سے آگاہی انتہائی ضروری ہے، اس لیے کہ قرآنِ حکیم و احادیث کریمہ نعتِ نبی اکرم ﷺ کے بوستان میں ان دونوں ماخذ سے الگ ہو کر کوئی نعت گو شاعر قابلِ احترام نہیں ہو سکتا۔ قرآنِ حکیم نے

بارگاہِ رسالت کے آداب و انداز بتائے ہیں۔ اسی کی روشنی میں شعرا کو اپنا شعری سفر جاری رکھنا ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی کا اندازِ ثنا خوانی دیکھیے ؎

اللہ کی سر تا بہ قدم شان ہیں یہ   ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں   ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

ان کی ایک نعتیہ رباعی ملاحظہ کریں جو نعت گو شعرا کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے ؎

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ   بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی   یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

ہمیں خوشی ہے کہ حضرت علامہ سید اولادِ رسول قدسی کا پورا شعری سرمایہ قرآن و احادیث کی خوشبو میں بسا ہوا ہے۔ ان کا شمار دنیا کے بڑے نعت نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان سے اردو دنیا کو بہت ساری اُمیدیں ہیں۔

حضرت مولانا محبوب گوہر اسلام پوری، ناظم اجلاس

علامہ سید اولادِ رسول قدسی کثیر الجہات شخصیت کے مالک ہیں۔ انھوں نے نعتیہ اور نظمیہ ادب میں بیش بہا اضافے کیے ہیں۔ ناقدینِ شعر و سخن نے ان کی شاعری کو سندِ جواز فراہم کیا ہے۔ انھوں نے روایتی شعری لفظیات و اصطلاحات سے گریز پائی اختیار کر کے نئی اور سخت زمینوں پر فن کے نت نئے پھول کھلائے ہیں۔ اس کے باوجود ماضی کی مستند روایتوں سے ان کا رشتہ کہیں ٹوٹتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔ وہ ''لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو'' کے قائل ہیں۔ ان کے خمیر میں مذہبی رکھ رکھاؤ شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام پسند شعرا میں ان کا مقام و مرتبہ خاصا بلند ہے۔ مسلکی و مشربی تصلب ان کی ذات پہ حاوی ہے۔ مصلحت کوشی کو قدسی فطرت سے بغاوت کا نام دیتے ہیں۔ ان کی اس روش سے ایک مخصوص حلقہ سخت نالاں ہے۔ اسی چیز کو بنیاد بنا کر وہ حلقہ ان کی فنی اور لسانی عظمتوں کے اعتراف سے گریز کرتا ہے۔ اس حقیقت سے کوئی صاحبِ بصیرت جرأت انکار نہیں کرسکتا کہ ان کے

فن کی شفاف چاندنی سے بزمِ شعروادب کی روشنی میں اضافہ ہوا ہے۔ان کے نزدیک
شاعری کارِعبادت کا ایک حسین اور پاکیزہ تسلسل ہے۔خود لکھتے ہیں ؎

شاہد ہے اس پہ حضرتِ حسّان کا عمل
نعتوں میں کھوئے رہنا عبادت ہے زندگی

قدسی کا شعری سرمایہ ہر اعتبار سے قبل احترام ہے انہوں نے شعری سخن کی دنیا کو ایک
جداگانہ ڈگر دی ہے رب کائنات انہیں عمر طویل سے ہمکنار کرے۔آمین

قدسی کی نعت گوئی احادیث کی روشنی میں

سید اولاد رسول قدسیؔ (ولادت ۱۹۶۳ء) اپنی ذات میں انجمن کی حیثیت رکھتے ہیں جہاں انہوں نے دینی علوم وفنون کے حصول میں جہد مسلسل سے کام لیا ہے وہیں دنیوی علوم و فنون پر بھی قابل ستائش مہارت حاصل کی ہے۔

دینی و دنیوی علوم وفنون کی بہریابی کے باعث ان کی فکر میں بڑی وسعت وگہرائی پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے معاصرین میں انفرادیت کے حامل ہیں۔ ان کی انفرادیت اور وسعت خیال کو ناقدین ادب نے تسلیم کیا ہے۔ ان کی مشق وممارست کا زمانہ تین دہائیوں پر محیط ہے۔ تین دہائیوں کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں ہوتا۔ اس عرصے میں انسانی فکر ونظر کو ترفع حاصل ہوتا ہے اور اس کے حریمِ دل میں نت نئے تجربات ومشاہدات کے ہزاروں دیپ جلنے لگتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنے مشاہدات کو کاغذ کے سینے پر بکھیرتا ہے تو اس میں بڑی آفاقیت اور گہرائی ہوتی ہے جو قاری کو دادِ تحسین پر مجبور کر دیتی ہے اور آنے والی نسلوں کے لے وہ شئے چراغِ راہ کا کام دیتی ہے۔

سید اولاد رسول قدسیؔ کے پانچ ضخیم نعتیہ مجموعے زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں اور چھٹا نعتیہ مجموعہ ''دیوان قدسیؔ'' کی شکل میں زیر ترتیب ہے۔ جلد ہی اس کی اشاعت بھی عمل میں آنے والی ہے۔ قدسیؔ کے شعری سرمائے پر ریسرچ وتحقیق کی بنیاد بھی رکھی جاسکتی ہے۔ ان کی شاعری میں نیاپن ہے، جدت ہے اور سوز وگداز بھی۔ ان کا طائر فکر ہمیشہ نئی فضاؤں میں سانسیں لیتا ہے۔ وہ نئی اور خاردار زمینوں پر چلنے میں لطف ولذت محسوس کرتے ہیں۔ ان کے شعروں میں نئے نئے استعارات، نئے نئے محاورات اور نئی نئی تشبیہات کی رنگارنگی ہوتی ہے۔ وہ تازگیِ فکر کے قائل ہیں۔ شاعری میں اپنے مشاہدات خود لکھتے ہیں ؎

سن کے اشعار اربابِ فن نے کہا
قدسیؔ تیرے خیالات اچھے لگے

قدسیؔ اربابِ فن یہ بول پڑے
تیرے شعروں کی ہے ادا تازہ

رضا کے فیض و کرم سے کلامِ قدسیؔ میں
بلند و بالا خیالات دیکھتے رہیے

اور اسی طرح کے دو شعر اور ملاحظہ کریں ؎

کیا توڑ پائیں گی اسے دنیا کی گردشیں
قدسیؔ کی فکر کی بڑی اونچی فصیل ہے

سخنور ہی کیا خود سخن دنگ ہے آج
ہے قدسیؔ کی پروازِ تخیل ایسی

پورا قرآن حکیم مصطفی جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعتوں کا حسین گلدستہ ہے اور احادیث مبارکہ قرآن حکیم کی تفسیر ہے۔ مفسرینِ قرآن نے احادیث پاک ہی کو اپنا اولین ماخذ بنایا ہے۔ احادیث سے ہٹ کر کوئی تفسیر قابلِ توجہ نہ سمجھی جائے گی، علوم وفنون کے جتنے بھی چشمے پھوٹے ہیں، سب کے سب قرآن و احادیث سے ہی ماخوذ و مربوط ہیں جہاں دنیا کے دوسرے اہلِ فضل وکمال نے قرآن واحادیث کو ماخذ ومراجع کے طور پر استعمال کیا ہے وہیں ہر زمانے کے نعت گو شعراء نے بھی ان ہی دونوں مصادر پر اپنی فکر کی بنیاد رکھی ہے۔ وہ نعتیہ شاعری بے جان ہے جو قرآن واحادیث کی ترجمان نہ ہو اور ایسی شاعری عشق وعقیدے کے بھی خلاف ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ایسی شاعری اہل فن کو اپنی طرف متوجہ بھی نہیں کر پاتی۔ جو قرآن واحادیث کی ترجمان تو ہو لیکن اس میں کوئی نیا پن نہ ہو، اردو نعت گو شعراء میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو امام اعظم کا درجہ حاصل ہے، خود قدسیؔ صاحب نے امام احمد رضا کو امیر کاروانِ عشق تسلیم کیا ہے، ملاحظہ کریں ؎

قدسیؔ ہوں اس رضا کے درِ پاک کا گدا
سیکھی ہے جس نے نعت خدا کی کتاب سے

امام احمد رضا کے چند اشعار ملاحظہ کریں جن میں آپ نے قرآن واحادیث کی عمدہ

ترجمانی کی ہے ؎

ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم
وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم
انگلیاں پائیں وہ پیاری پیاری جن سے دریائے کرم ہیں جاری
جوش پر آتی ہے جب غم خواری تشنے سیراب ہوا کرتے ہیں
لب پر آجاتا ہے جب نامِ جناب، منہ میں گھل جاتا ہے شہد نایاب
وجد میں ہو کے اے جان بیتاب، اپنے لب چوم لیا کرتے ہیں

(حدائق بخشش)

اسی طرح کے مفاہیم کو قدسی نے یوں بیان کرنے کی کوشش کی ہے ؎

رب نے قرآن میں کھائی جس کی قسم
ہے وہ عظمت سے معمور کوئے نبی
خلق میں رب نے ان کو کیا لاجواب
کوئی ان کی طرح ہے کہاں لاجواب
وہ چاہیں تو انگلی سے چشمے بہا دیں
بشر میں یہ قدرت ہے کس کی نبی کی

قدسیؔ دینی عصری علوم وفنون کے ماہر ہیں۔ان کے مطالعہ میں بڑی وسعت ہے۔وہ اکثر دور کی کوڑی لانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ اس کوشش میں کامیاب بھی ہیں۔ان کے نعتیہ اشعار میں قرآن و احادیث کے مفاہیم کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ہم یہاں احادیث مبارکہ کی روشنی میں قدسیؔ کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ یہ ایک دقت طلب کام ہے۔ پھر بھی دلچسپ ہے۔ ذیل میں قدسیؔ کے نعتیہ کلام سے ان اشعار کو پیش

کرتے ہیں جو احادیث کے مفاہیم کے نور سے معمور ہیں۔

فصیح اللساں مصطفیٰ جانِ رحمت

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک اپنے ہر وصف میں کامل و مکمل ہے۔ رب کائنات نے آپ کو تمام خوبیوں کا جامع بنا کر مبعوث فرمایا، آپ کی ولادت عرب میں ہوئی۔ اہل عرب کو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر ناز تھا۔ وہ اپنے علاوہ ساری دنیا کو بہرا، گونگا سمجھتے تھے، جب حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو آپ کی فصاحت و بلاغت کے سامنے سارے فصحائے عرب کے چراغ بجھ گئے، آپ سے زیادہ فصیح آج تک کسی ماں نے بچہ پیدا نہیں کیا، امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ایک شعر کے حوالے سے اس کی یوں ترجمانی کی ہے ؂

ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

(حدائق بخشش)

حدیث پاک ہے ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ تو آپ کہیں باہر تشریف لے گئے اور نہ آپ نے لوگوں میں نشست و برخاست رکھی پھر بھی آپ ایسی فصاحت کہاں سے لے آئے، آپ نے فرمایا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی لغت اور اصطلاح جو ناپید اور فنا ہو چکی تھی اسے میرے پاس جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے جسے میں نے یاد کرلیا، نیز آپ نے فرمایا ''ادبنی ربی فاحسن تادیبی'' میرے رب نے مجھے ادب سکھایا تو میرے ادب کو بہت اچھا کر دیا۔ مزید آپ نے فرمایا میری نشو و نما قبیلۂ بنی سعد بن بکر میں ہوئی ہے۔ بنی سعد کے لوگ پورے عرب میں سب سے زیادہ فصیح اللسان تھے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فصاحت کے ضمن میں قدسیؔ رقمطراز ہیں ؂

فصیح اللساں مصطفیٰ جانِ رحمت

بلیغ البیاں مصطفی جانِ رحمت
فصاحت نے سجدہ کیا ان کو بڑھ کر
نصیبِ زباں مصطفی جانِ رحمت

نہ سمجھا کسی نے نہ سمجھے گا کوئی

حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالی کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہیں۔آپ کی حقیقت کو کوئی انسان نہ سمجھ سکا،لباس بشریت میں آپ کا آنا اس لئے تھا کہ لوگوں کو ہدایت حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔اگر آپ کی حقیقت بے نقاب ہوجاتی تو کوئی انسان آپ کے قریب آنے کی جرأت نہ کرتا۔خود ایک بار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ ''یاابابکر لم یعرفنی حقیقتاً غیر ربی'' اے ابوبکر میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اسی چیز کو قدسیؔ نے اپنے شعر میں یوں بیان کیا ہے ؎

نہ سمجھا کسی نے نہ سمجھے گا کوئی
ہیں سرِّ نہاں مصطفی جانِ رحمت

ہر اک شئے میں ہے ان کی جلوہ طرازی

آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پاک ہر شئے میں جلوہ گر ہے۔کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں جس میں آپ کے نور کی جھلک نہ ہو۔خود سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا اور میرے نور سے ساری کائنات کو وجود بخشا۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اپنی مشہور کتاب ''اشعۃ اللمعات'' میں فرماتے ہیں (ترجمہ) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مومنوں کا نصب العین اور عبادت گزاروں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔جمیع احوال واوقات میں خصوصاً حالتِ عبادت میں اور اس کے آخر میں نورانیت کا وجود اور انکشاف ان احوال میں زیادہ اور بہت قوی ہوتا ہے۔ بعض عرفاء نے کہا ہے تشہد میں خطاب اسی وجہ سے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ موجودات کے تمام ذرات اور ممکنات کے تمام افراد میں جاری وساری ہے۔پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نمازیوں کی ذاتوں میں موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا نمازی کو چاہیے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی سے غافل نہ رہے تا کہ انوارِ قرب اور اسرار معرفت سے منور اور فیضاب ہو۔

اسی چیز کی وضاحت قدسیؔ نے اس انداز میں کی ہے ؎

ہر اک شئے میں ہے ان کی جلوہ طرازی
نہ پوچھو کہاں مصطفٰی جانِ رحمت

اسی مفہوم کو دوسری جگہ یوں بیان کرنے کی کوشش کی ہے ؎

نبیوں کی صف میں کوئی بھی ان کا بدل نہ تھا
جلوہ نہ جس میں ان کا ہو ایسا محل نہ تھا

نہ سایہ تھا اس کا ریتیلی زمیں پر

حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمین پر سایہ نہ ہوتا تھا آپ سورج کی روشنی میں چلتے یا چاند کی چاندنی میں، فقہا اور محدثین نے اس موضوع پر بڑی نفیس بحثیں کی ہیں ''نوادر الاصول'' وغیرہ میں اس طرح کی روایتیں دیکھی جاسکتی ہیں اور بعض حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ آپ کی آخری آرام گاہ یعنی گنبد خضریٰ کا بھی سایہ نہیں ہے۔ آپ کے جسم پاک کا سایہ نہ ہونے میں مصلحت کیا ہے۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ رب کائنات کو یہ چیز پسند نہ تھی کہ میرے محبوب کے جسم کے سائے پر کسی کا قدم پڑے۔ پھر یہ کہ آپ ساری کائنات کے لئے سایہ بن کر تشریف لائے تھے۔ اس لئے آپ کا سایہ نہ رکھا گیا۔ حضرت جامی نے اس مفہوم کو اپنے شعر میں یوں بیان کیا ہے ؎

امی و دقیقہ دانِ عالم
بے سایہ و سائبانِ عالم (جامی)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سراپا نور تھے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ اس طرح کی ہے ؎

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

قدسی نے حضرت جامی اور امام احمد رضا علیہم الرحمہ کی متابعت کرتے ہوئے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے ؎

دلیل اس پہ ہے ان کا معدوم سایہ
ہیں سایہ کناں جانِ جانانِ عالم

ترے اوصاف کے ان منظروں میں کھوگیا عالم
تو ہے سایہ فگن سب پر، ترا سایہ نہیں رہتا

نہ سایہ تھا اس کا ریتیلی زمیں پر
کڑی دھوپ کے درمیاں وہ کھڑا تھا

دامن میں سیہ کار کو لیتے ہیں بلا کر

حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات میں سے ایک صفت شفیع المذنبین بھی ہے یعنی گناہ گاروں کی شفاعت کرنے والے آپ دنیا وآخرت دونوں میں امت کے شفیع ہیں لیکن حقیقی شفاعت کا اظہار واعلان میدان محشر میں ہوگا جہاں سب اولین وآخرین جمع ہوں گے۔ محشر کے انعقاد کی واحد وجہ آپ کی بے پناہ عظمت ورفعت کا اظہار ہے۔ حضرت حسن رضا بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزم محشر کا
ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

(ذوق نعت)

میدانِ محشر میں کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوگا، سب نفسی نفسی کے عالم میں ہوں

گے۔ امت محمد یہ حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے مشاہیر انبیاء کرام کی بارگاہوں میں شفاعت کی درخواست لے کر حاضر ہوگی لیکن کوئی شفاعت کے لئے تیار نہ ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رہنمائی فرمائیں گے کہ آج حضور نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی شفاعت نہیں کرسکتا۔ یہ مقام و مرتبہ صرف انہیں کے حصہ میں ہے، لہٰذا لوگ پریشان حال آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور شفاعت کی درخواست پیش کریں گے، آپ درخواست قبول فرمائیں گے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں گے اور اس وقت تک سجدے سے اپنا سر نہ اٹھائیں گے جب تک اپنی ایک ایک گناہ گار امت کو جہنم سے نہ نکال لیں، محشر میں سرکار گناہ گاروں کو اپنے دامن میں جگہ عطا فرمائیں گے۔ حضرت حسن رضا بریلوی فرماتے ہیں ؎

ڈھونڈا ہی کریں صدرِ قیامت کے سپاہی
وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہو

(ذوق نعت)

شفاعت کے تعلق سے احادیث کثرت سے آئی ہیں۔ تفصیل کے لئے ''مدارج النبوۃ''، ''معارج النبوۃ''، ''شواہد النبوۃ''، ''تجلی الیقین''، ''الامن و العلی'' اور اسی طرح کی دوسری معتبر کتابوں سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ محشر میں آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کا انداز بڑا پیارا ہوگا۔ عشاق اپنی خوش بختی پر ناز کریں گے اور معاندین کف افسوس ملیں گے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے ؎

شفاعت کرے حشر میں جو رضا کی
سوا تیرے کس کو یہ قدرت ملی ہے

(حدائق بخشش)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کا یہ شعر، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی شفاعت، رحمت و رافت اور احوال محشر کے تعلق سے ہے، اعلیٰ حضرت کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' میں شفاعت کے حوالے سے اور بھی اشعار پائے جاتے ہیں۔ ان سب کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔

قدسیؔ جدید لب ولہجہ کے شاعر ہیں۔ آپ کے انداز میں جدت بھی ہے، ندرت بھی اور انوکھا پن بھی ہے۔ ہر بات کو نئے رنگ و روپ اور نئے پیرہن میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، شفاعت کے تعلق سے جو انہوں نے خیال پیش کیا ہے اس میں بھی بڑی جدت و نفاست ہے۔ وہ لکھتے ہیں ؎

دامن میں سیہ کار کو لیتے ہیں بلا کر
محشر میں شفاعت کی یہ تقریب نرالی

دنیا میں آج تک کوئی ایسی تنظیم، تحریک یا شخصیت پیدا نہ ہوئی جو گنہگار، مجرم اور خطا کار کو اپنے دامن کرم میں سانس لینے کی اجازت دیتی ہو۔ دنیا میں مجرمین کے لئے سخت سے سخت قانون بنائے گئے ہیں اور اس قانون کا نفاذ بھی ہوتا رہتا ہے بلکہ بہت ساری جگہوں پر لوگ مجرمین کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کرتے ہیں۔ اخبارات و رسائل میں آئے دن اس طرح کی رپورٹیں آتی رہتی ہیں، لیکن حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی واحد ذات ہے جو دنیا میں بھی گنہگاروں کو ڈھونڈتی رہی اور کل میدان قیامت میں بھی سیہ کاروں کی جستجو میں رہے گی، مذکورہ شعر میں سیہ کار اور تقریب کے الفاظ نے شعر میں بڑی کشش اور جاذبیت پیدا کر دی ہے جس سے عام قاری لطف ولذت محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے گا، قدسیؔ نے ایک اور جگہ شفاعت کے حوالے سے اپنا نفیس اور انوکھا خیال پیش کیا ہے۔ ملاحظہ کریں ؎

بہا کر ہمیں خلد میں لے چلے گی
قیامت میں ان کی شفاعت کی بارش

اسی چیز کو دوسری جگہ یوں پیش کیا ہے ؎

سب سے یہی کہتا ہے یہ میدان قیامت
آج ان کی شفاعت کے سوا راہ نہیں ہے

نعتیہ دیوان کے سارے دفاتر دیکھ جایئے شاید ہی کسی نے شفاعت کی بارش کا استعمال کیا ہو۔ ایسے ہی خیالات قدسیؔ کو اپنے ہم عصروں میں انفرادیت عطا کرتے ہیں۔ شفاعت کے موضوع پر اس طرح کے اور بھی اشعار ان کے نعتیہ دواوین میں دستیاب ہیں ۔

صحابہ کے آداب زرّیں ہیں شاہد

حضور رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب و احترام اور تعظیم و توقیر جس طرح صحابۂ کرام نے کیا ہے اس کی دوسری مثال نہیں پیش کی جاسکتی، آج جہاں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے چراغ جل رہے ہیں یہ صحابۂ کرام کے ہی حسن ادب کا عکس ہے۔ کتب احادیث و کتبِ سیر میں اس طرح کے واقعات کثرت سے موجود ہیں۔ ذیل میں چند حدیثیں ملاحظہ کریں:

''حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی طویل حدیث بیان کی گئی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صفات مذکور ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب کوئی ایک بھی نہ تھا اور نہ میری آنکھ میں آپ سے زیادہ کوئی بزرگ و عظیم تر تھا اور میرا حال یہ تھا کہ میری طاقت اتنی نہ تھی کہ میں آپ کو آنکھ بھر کر دیکھ سکوں اور نہ آپ سے آنکھیں سیر ہوتی تھیں۔ اگر کوئی مجھ سے کہے کہ میں حضور کا وصف بیان کروں تو مجھ میں اتنی قدرت نہیں، اس لئے کہ میں آپ کے سامنے اپنی آنکھیں اوپر نہیں اٹھا سکتا تھا۔''

(مدارج النبوت، ج اول، ص: ۵۳۹)

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوا تو آپ کے صحابہ آپ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور ان کا حال یہ تھا گو یا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

عروہ بن مسعود کہتے ہیں کہ جس وقت ان کو سال حدیبیہ میں قریش نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تو صحابۂ کرام کو حضور کی تعظیم اور احترام کرتے ہوئے دیکھا کہ جب حضور وضو فرماتے ہیں تو آبِ وضو لینے میں جلدی کرتے اور ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں اور قریب ہوتا ہے کہ باہمی خون خرابہ ہو جائے مگر پانی زمین پر گرنے نہیں دیتے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آبِ دہن مبارک یا آبِ بینی شریف یا آبِ حلق مبارک جدا ہونے نہیں پاتا کہ آگے بڑھ کر اپنی ہتھیلیوں میں لے لیتے اور اپنے چہروں اور اپنے جسموں پر مل لیتے اور حضور کا جو موئے مبارک جدا ہوتا اسے جلد حاصل کر لیتے اور تبرک بنا کر اس کی حفاظت کرتے اور جب کوئی حکم فرماتے تو امتثالِ امر میں شتابی کرتے۔ جب بات کرتے تو اپنی آوازوں کو پست کر لیتے اور کسی کو یارانہ ہوتا کہ نگاہ اٹھائے اور آپ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے، یہ نہایت تعظیم اور اجلال کی وجہ سے تھا جب عروہ لوٹ کر قریش کی طرف گئے تو ان کو دیکھتے ہی کہنے لگے اے گروہ قریش میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کو ان کی بادشاہی کے زمانے میں دیکھا ہے مگر قسم ہے خدا کی میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا جیسے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں ہیں۔ایک اور روایت میں ہے کہ کہیں میں نے کسی بادشاہ کے ہم نشینوں کو بھی ایسی تعظیم کرتے نہیں دیکھا جیسا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان کے اصحاب تعظیم کرتے ہیں۔

اس طرح کے اور بھی بے شمار واقعات ہیں۔اگر سارے واقعات قید تحریر میں لائے

جائیں تو مکمل ایک کتاب وجود میں آ جائے۔ انہیں مذکورہ واقعات کی ترجمانی حضرت علامہ سید اولادرسول قدسیؔ نے اپنے ذیل کے شعر میں یوں کی ہے ؎

صحابہ کے آدابِ زرّیں ہیں شاہد
وہی ان کے در کے سراپا ادب ہیں

قدسیؔ کے نعتیہ کلام میں احادیث کے مفاہیم کی جلوہ ریزی کثرت سے پائی جاتی ہے۔ ان کا شاید ہی کوئی ایسا شعر ہو جس کا مفہوم قرآن و احادیث سے ماخوذ نہ ہو۔ یہ خصوصیت بہت کم شعراء کے حصے میں آئی ہے۔ نعت گو شعراء کی بھیڑ میں یہی چیز ان کو دوسرے شعراء سے ممتاز کرتی ہے۔

جب چھڑے ذکر کبھی امت کا

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھیں غم امت میں ہر وقت اشکبار رہتیں۔ آپ کی بے قراری کو دیکھ کر رحمت الٰہی جوش میں آئی اور طائر سدرہ حضرت جبرئیل علیہ السلام خدائی پیغام لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ ''ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ'' اے محبوب عن قریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ یہ آیت پاک نازل ہوئی تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک اپنی ایک ایک امت کو جہنم سے نہ نکال لوں، اس پیغام مسرت کے بعد بھی آپ کا سینۂ پاک غم امت سے کبھی خالی نہ رہا، مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں دست مبارک اٹھا کر امت کے حق میں رو رو کر دعا فرمائی اور عرض کیا: اللہم امتی اللہم امتی اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا کہ محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر دریافت کرو رونے کا کیا سبب ہے، باوجود کہ اللہ تعالیٰ دانا ہے، جبرئیل نے حسب حکم حاضر ہو کر دریافت کیا۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں تمام حال بتا دیا اور غم امت کا اظہار فرمایا۔ جبرئیل امین نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا۔ تیرے حبیب فرماتے ہیں۔ باوجود کہ تو خوب جاننے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم

دیا کہ جاؤ اور میرے حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے کہو ہم آپ کی امت کے بارے میں عنقریب آپ کو راضی کریں گے اور آپ کو گراں خاطر نہ ہونے دیں گے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(حدائق بخشش)

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت امت کے لئے فکرمند رہتے، ولادت سے لے کر گنبدِ خضریٰ میں آرام فرمانے تک کے حالات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کی ظاہری حیات کا کوئی لمحہ غم امت سے خالی نہ تھا۔ قدسیؔ نے بھی اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے ؎

ان کو سب سے بڑا محسن لکھنا
خلق کے بخت کا ضامن لکھنا
جب چھڑے ذکر کبھی امت کا
روتے رہتے تھے وہ ہر دن لکھنا

دہر نے امتوں کی الفت میں
ان کے رخسار پر لہو دیکھا

لپٹی ہے یادِ امتِ عاصی ہے ہر گھڑی
آقا کے قلبِ ناز کی دھڑکن کی نکہتیں

حیران سازشیں تھیں اشاعت پہ دین کی

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا اولین مقصد انسان کو جہالت کی تاریکی سے

نکالنا، بندوں کی پیشانی کو سجدوں کی لذت سے آشنا کرنا اور زمین کو فتنہ وفساد سے پاک کرنا تھا۔ آپ کے اعلان نبوت کے بعد ہر سمت سے مخالفت کی صدائیں بلند ہونے لگیں، ایک طوفان بدتمیزی تھا جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ کل تک جو لوگ آپ کی افضلیت، صداقت اور شرافت کے خطبے پڑھ رہے تھے اب وہی لوگ آپ کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بڑھتے ہوئے اثرات سے کفر ساز ذہنیت کا سکون درہم برہم ہو گیا۔ لوگ آپ کو راستے سے ہٹانے کی تدبیر میں جٹ گئے، سازشوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کے باوجود آپ کی تبلیغی سرگرمیاں تیز سے تیز تر ہوتی رہیں۔ کفر مبہوت ہے، حیران ہے، پریشاں ہے، لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر اضطراب کی کوئی لکیر دیکھنے کو نہیں ملتی۔ قدسیؔ نے انہیں حالات کی ترجمانی اس انداز میں کی ہے ؎

حیران سازشیں تھیں اشاعت پہ دین کی
لاکھوں خلل کے بعد بھی کوئی خلل نہ تھا

ایک شعر اسی قبیل اور ملاحظہ کریں۔ اس شعر میں غالباً شب ہجرت کی طرف اشارہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، سازشی لوگوں کی ایک بڑی تعداد حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعاقب میں سائے کی طرح رہتی لیکن تاریخ حیران و پریشان ہے اور اپنا سر نوچتی ہے کہ منافقین کی جماعت کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئی۔ قدسیؔ رقمطراز ہیں ؎

ہوئی منہدم شرپسندوں کی سازش
علم تیرا قلبِ جہاں پر گڑا ہے

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمتوں کے منارے ساری کائنات میں سب سے پاکیزہ مقامات پر بنائے گئے ہیں اور ان پر آپ کے فضل وکمال کے جھنڈے آویزاں ہیں۔ ہر جگہ آپ کی رفعتِ شان کے خطبے پڑھے جاتے ہیں۔ منافقین اور معاندین کی ہزار ریشہ دوانیوں کے باوجود آپ کے عشاق دنیا میں پھیلتے جا رہے ہیں۔ امام اہلسنّت نے کیا خوب کہا

ہے ے

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچہ تیرا

(حدائق بخشش)

قدسیؔ ترجمانِ عظمت رسالت ہیں۔ وہ اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہر سانس کو شعر کے قالب میں پیش کرنے کی شدید خواہش رکھتے ہیں۔ اس پاکیزہ جذبے کا انہوں نے بارہا اظہار بھی کیا ہے۔ قدسیؔ عرض گزار ہوتے ہیں کہ میں ہر وقت نعت کی فکر میں الجھا رہتا ہوں اور یہی فکر میرے لئے آخرت میں امن وعافیت کا پیش خیمہ ہوگی ے

ہیں فدا اس پہ رحمتیں قدسیؔ
ذکرِ حق سے جو داغ ہے روشن

قدسیؔ مجھے کریں گی عطا امن اخروی
افکارِ نعتیہ کی یہ الجھن کی نکہتیں

قدسیؔ میں شاعری میں گزاروں نہ وقت کیوں
افکارِ نعتِ مصطفیٰ اشغالِ دین ہیں

بیاض ان کی نعتوں سے یوں پُر ہو قدسیؔ
سمندر میں جیسے نمک کی قطاریں

لعابِ پاک تیرا جس پہ پڑ جائے میرے آقا

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لعابِ دہن کی بے پناہ خیرات وبرکات پہ کتب احادیث میں مستقبل باب موجود ہے۔ سیرت کی معتبر کتابیں بھی اس کے ذکر سے خالی

نہیں،حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لعابِ پاک ہر مرض کے لئے تریاق تھا،صحابۂ کرام جب بھی کسی درد کے شکار ہوتے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے، آقائے کائنات کبھی موضع درد پر دست کرم پھیر دیتے اور کبھی اپنا لعاب دہن ڈال دیتے۔درد دفعتاً دور ہوجاتا اور مریض کے لبوں پر تبسم کی لکیریں ابھر جاتیں،ہم لعاب دہن کے تعلق سے ذیل میں چند احادیث پیش کرتے ہیں:

''حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ حدیبیہ پہنچے،حدیبیہ کے کنوئیں میں اس قدر پانی تھا کہ پچاس بکریاں بھی سیراب نہیں ہوسکتی تھیں،حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ گئے،پھر دعا کی یا لعابِ دہن ڈالا جس کی وجہ سے کنوئیں میں پانی جوش مارنے لگا۔پس ہم نے خود بھی سیر ہوکر پیا اور اپنے جانوروں کو بھی پلایا۔

(حجۃ اللہ علی العالمین،جلد:۲،ص:۲۷۱)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا لعاب دہن اگر کنوئیں میں ڈال دیتے تو کھارا کنواں میٹھا ہوجاتا،کھانے میں ڈال دیتے تو تھوڑا سا کھانا پورے لشکر یا جماعت کے لئے کافی ہوتا۔اگر زخم پر ڈال دیتے تو زخم فوراً مندمل ہوجاتا اور ایسا محسوس ہوتا کہ یہاں کبھی زخم نہیں تھا۔لعاب دہن کے متعلق اس طرح کے واقعات سے کتابوں کے اوراق بھرے ہوئے ہیں ؎

لعابِ پاک تیرا جس میں پڑجائے مرے آقا
کبھی پھرتا قیامت وہ کنواں کھارا نہیں رہتا

اسلامی تاریخ میں جنگِ خیبر کو بڑی اہمیت حاصل ہے،اس جنگ میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک تھے،خیبر میں یہودیوں کے کئی مضبوط قلعے تھے۔ان میں سب سے مضبوط قلعہ ''قموص'' تھا،اس قلعے پر اسلامی جھنڈا لہرانے کے لئے صحابۂ کرام کئی روز سے جان توڑ کوشش کررہے تھے،لیکن کامیابی نہیں مل پارہی تھی:

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک رات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''لاعطین الرایتہ غداً ارجلا تحبہ اللہ ورسولہ یفتح اللہ علیہ۔'' کل میں اس شخص کو علم دوں گا یا یہ فرمایا کہ کل وہ شخص جھنڈا لے گا جس کو اللہ اور اس کا رسول پسند فرماتا ہے اور اللہ اس پر فتح فرمائے گا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ''رجلکر ارو غیرفرار'' یعنی وہ مرد بار بار پلٹ پلٹ کر دشمن پر حملہ کرے گا اور پیچھے نہ ہٹے گا۔ ''روضۃ الاحباب'' میں اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ شخص بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے۔ پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے، جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ خبر بشارت اثر اور مژدۂ سعادت ثمر دیا تو تمام صحابہ راہ میں دیدۂ امید اور چشم انتظار لئے قبول درگاہ پر بیٹھ گئے تاکہ یہ دولت نصیب میں آئے اور اس فضیلت کے ساتھ مخصوص ہوں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور کی چشم حق کے سامنے گیا اور سلام عرض کر کے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا اور پھر اس امید کے ساتھ اٹھا کہ میں اس فضیلت کا مستحق ہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بجز اس روز کے امارت کو کبھی پسند نہیں کیا اور نہ کبھی خواہش کی، ایک روایت میں ہے کہ قریش کی جماعت ایک دوسرے سے کہتی تھی یہ تو طے سمجھو کہ علی ابن ابی طالب تو اس مراد سے فائز نہ ہوں گے کیونکہ ان کی آنکھ اس شدت سے درد کرتی ہے کہ وہ اپنے پاؤں تک نہیں دیکھ سکتے۔

منقول ہے کہ جب امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضور سے ایسی بشارت کو فرماتے سنا تو ان کی خواہش میں لگن پیدا ہوئی اور دل چشم توکل میں اور امید بر فضلِ خدا رکھ کر دعا مانگی ''اللہم لا مانع لما اعطیت و لا معطی لما منعت'' اے خدا جب تو دینا چاہے تو کوئی روکنے والا نہیں اور

جب تو باز رکھے تو کوئی دینے والا نہیں، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ درد چشم کی بنا پر خیبر کے سفر سے تخلف کر کے مدینہ طیبہ میں ہی رہ گئے تھے۔ انہیں سخت ترین آشوب چشم تھا اور وہ اپنے سے کہا کرتے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جدا ہو کر مشغلۂ جہاد سے دور رہ کر اچھا نہیں کیا ہے۔ سفر کی تیاری کر کے مدینہ طیبہ سے چل دیئے، اثنائے راہ میں یا خیبر پہنچنے کے بعد حضور کو ان کی آمد کی اطلاع ملی، جب دن ہوا تو حضور نے فرمایا۔ علی ابن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے ہر طرف سے عرض کیا وہ یہیں ہیں لیکن ان کی آنکھ اتنی درد کرتی ہے کہ وہ اپنے پاؤں تک دیکھ نہیں سکتے۔ فرمایا ان کو میرے پاس لاؤ۔ سلمہ بن اکوع گئے اور ان کو ہاتھ سے پکڑ کر حضور کے سامنے لائے، اس کے بعد حضور نے ان کے سر کو اپنی مبارک ران پر رکھا اور اپنا لعاب دہن مبارک لگایا اور دعا مانگی۔ اسی وقت ان کی آنکھ سے درد جاتا رہا اور انہیں شفائے کلی حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد انہیں کبھی درد چشم اور درد سر لاحق نہ ہوا۔

(مدارج النبوۃ، جلد: ۲، ص: ۴۱۱-۴۱۲)

اسلام کا ابتدائی زمانہ ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت مدینہ طیبہ ہجرت کر چکی ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حکم الٰہی کے انتظار میں ہیں، کچھ دنوں کے بعد آپ کو اللہ کی جانب سے ہجرت کا حکم ملتا ہے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر کو اپنے ساتھ لیتے ہیں اور جانب مدینہ طیبہ روانہ ہو جاتے ہیں۔ کفار مکہ آپ کے تعاقب میں ہیں، ایسی صورت میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غار ثور میں قیام کرنا مناسب سمجھا۔ جب غار کے بالکل قریب پہنچ گئے تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں یوں عریضہ پیش کیا:

یا رسول اللہ مجھے اجازت دیں کہ پہلے میں اندر جا کر غار کی صفائی کر دوں پھر سرکار رونق افروز ہوں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابو بکر کو محبت بھری

نگاہوں سے دیکھا اور اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکر نے ایک درخت کی شاخ سے غار میں جھاڑو دی۔ اپنی چادر پھاڑ کر دھجیوں سے غار کے سوراخوں کو بند کیا، کپڑا ختم ہوگیا، ایک سوراخ پھر بھی باقی رہ گیا جس پر آپ نے اپنی ایڑی لگائی اور پیچھے کی دیوار سے ٹیک لگا کر کچھ ایسی شکل اختیار کرلی جیسے قرآن کریم رکھنے کے لئے رحل ہوتا ہے۔ اب حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے اندر رونق افروز ہونے کی درخواست کی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اندر داخل ہوکر کچھ اس طرح سے لیٹ گئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقدس سر ابوبکر کے زانو پر تھا اور پائے مبارک سامنے کی دیوار سے لگے ہوئے تھے، گویا ابوبکر قرآن کے لئے بلکہ صاحب قرآن کے لئے رحل بنے ہوئے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آرام ملا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آنکھیں بند فرمالیں، عاشق کو موقع ملا اپنی آنکھیں محبوب کے نورانی چہرے میں گڑا لیں اور بغور دیکھ رہے تھے اور اپنے مقدر پر ناز کررہے تھے۔ اس مقام پر ذرا رکئے اور غور کیجئے کہ جس خوش نصیب کو قرب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ موقع ملا ہے کیا کوئی امتی اس کی عظمت ورفعت کو چھوسکتا ہے اور کیا کسی کو ''ایمان وتقویٰ'' اس کے کمال ایمان وتقویٰ کا اعتراف کئے بغیر نصیب ہوسکتا ہے۔ عشق ومحبت کی اس وارفتگی کے دوران ہی سوراخ سے ایک سانپ نے آپ کی ایڑی پر ڈسنا شروع کیا، وہ اپنا کام کرتا رہا لیکن عاشق اپنی کیفیت میں مست رہا، زہر کا اثر پورے جسم میں سرایت کرگیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے، لیکن کیا مجال کہ پائے ثبات میں حرکت آجاتی، یہ ثبات کا وہ اعلیٰ مقام ہے جو سوائے ابوبکر کے کسی کو نصیب نہ ہوسکا۔ ہاں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق میں مست ہوتے ہیں انہیں ابوبکر کے صدقے اس کا کچھ حصہ نصیب ہوجاتا ہے، آج

کی شب ابوبکر کو جو ثبات نصیب ہوا وہ دم آخریں تک ان کے عمل و کردار میں کارفرما رہا کہ دشوار ترین مرحلہ میں بھی وہ پیکر ثبات و استقامت نظر آتے ہیں۔ یاد کیجئے اس نازک موقع کو جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا سے ظاہری پردہ فرمایا اور یاد کیجئے اس اہم فیصلہ کو جو حضرت ابوبکر نے مانعین زکوٰۃ سے مقابلہ کے لئے لیا۔

حضرت ابوبکر نے جن کے لئے یہ ایثار کیا وہ بھی کوئی معمولی ہم جیسا انسان نہ تھا بلکہ وہ اللہ کے بااختیار نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جنہیں اللہ نے اپنی قدرت کا مظہر بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا، جن کے پاس صرف زہر کا ہی تریاق نہیں بلکہ ہر مرض کا علاج موجود ہے۔ چاہے وہ جسمانی ہو یا روحانی وہ طب القلوب بھی ہیں، عافیۃ الابدان بھی اور نورالابصار بھی ہیں، پس جب آنکھ کھولی یارِ غار کا حال دیکھا تو پوچھا کیا ہوا عرض کی حضور! کوئی کیڑا ڈس رہا ہے، فرمایا دکھاؤ کہاں، آپ نے اپنی ایڑی دکھائی، سرکار نے اپنا لعاب مبارک نکالا اور لگا دیا، لعاب کا لگنا تھا کہ زہر کا اثر کافور ہوا، سانپ نے سوراخ سے جھانک کر اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی اور دوبارہ سوراخ کے اندر چلا گیا، یہ تھا اثر شافی الامراض، آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لعاب مبارک کا۔

(یاایہاالذین آمنو اجلد:۱،ص:۱۴۰۔۱۴۱)

انہیں واقعات کی طرف قدسی نے اپنے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے۔فرماتے ہیں:

زہریلے اژدہا کا اثر سخت تھا مگر
کافور درد ہوگیا ان کے لعاب سے

ان کے لعابِ پاک کی تاثیر دیکھئے
چشمِ زدن میں درد کو آرام ہوگیا

قتادہ کی آنکھیں ہوئیں اور روشن
نبی نے لعابِ اپنے ڈالے نرالے

مصطفی کے لعابِ اقدس سے
مل گئی درد کو دوا تازہ

جونہی لعابِ پاک لگایا حضور نے
فی الفور درد کو ملی راحت کی روشنی

سرکار سے پہلے کبھی اس دہر نے قدسیؔ

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک سراپا معجزہ ہے، آپ کی ہر سانس معجزہ ہے، ہر ادا معجزہ ہے، یہ بات بھی حقیقت ہے کہ رب کائنات کی جانب سے دوسرے انبیاء کرام کو بھی معجزات عطا کئے گئے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تمام انبیاء ورسل کے معجزات ماہیت کے مطابق ظہور پذیر ہوئے، مگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات ماہیت کے خلاف واقع ہوئے۔ اس سلسلے میں حضرت امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

''نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا پتھر سے پانی پھوٹ پڑنے سے عجیب تر اور بڑا ہے جو عصائے موسوی کی ضرب سے جاری ہوا تھا کیونکہ پتھر سے پانی رواں ہونا امرِ عادی ہے جب کہ گوشت اور خون کے درمیان سے پانی نکلنا خلافِ عادت اور معجزانہ فعل ہے۔
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشت ہائے مبارکہ سے کثیر مقامات پر پانی جاری ہونے کے معجزہ کو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں حضرت انس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن

عباس، حضرت ابویعلیٰ، حضرت ابورافع، خادم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت عبداللہ بن خطب، حضرت حبان بن بج اور زیاد بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار نماز کا وقت آیا تو جن لوگوں کے گھر مسجد کے قریب تھے وہ اپنے گھروں میں وضو کرنے کے لیے چلے گئے اور کچھ لوگ باقی رہ گئے (جو وضو نہ کر سکے) اسی اثناء میں ایک پتھر کا پیالہ جس میں پانی تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا، وہ پیالہ اتنا چھوٹا تھا کہ اس میں ہتھیلی کو پھیلایا نہیں جاسکتا تھا۔ آپ نے اس میں دست اقدس ڈالا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی نکلنے لگا جس سے سب لوگوں نے وضو کیا۔ ہم نے حضرت انس سے پوچھا ان لوگوں کی تعداد کتنی تھی، فرمایا وہ اسّی کے لگ بھگ تھے۔

(بخاری شریف)

زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک سفر میں نماز فجر کے وقت پڑاؤ کیا، پھر میری طرف التفات کر کے دریافت فرمایا: اے صدائی بھائی کچھ پانی ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھوڑا سا ہے جو آپ کے لئے کافی نہ ہوگا، فرمایا: اسے کسی برتن میں ڈال کر لے آؤ، پس میں نے حکم کی تعمیل کی اور پانی حاضرِ خدمت کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی اس پانی میں رکھ دی۔ میں نے دیکھا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو انگلیوں کے درمیان سے چشمہ ابل رہا ہے، آپ نے فرمایا صحابۂ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میں اعلان کر دو جنہیں پانی کی ضرورت ہے وہ لے جائیں، چنانچہ میں نے ندا دی تو جنہیں خواہش تھی انہوں نے پانی لے لیا۔

(مسند ابن ابی اسامہ۔بیہقی،ابونعیم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ لشکر میں کسی کے پاس پانی نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پورے لشکر میں کسی کے پاس پانی نہیں ہے، آپ نے دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ پانی ہے؟ اس نے جواب دیا ''جی ہاں'' آپ نے فرمایا اس کو میرے پاس لے آؤ، وہ ایک برتن میں جس میں تھوڑا سا پانی تھا لے آیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی انگشتان مبارکہ اس برتن کے منہ پر رکھیں، پھر انہیں کشادہ کیا، حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے ان چشموں کا مشاہدہ کیا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں سے ابل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو آواز دیں تا کہ وہ وضو کے لئے بابرکت پانی لے جائیں۔ (احمد،بیہقی،طبرانی، ابونعیم)

ابونعیم مطلب بن عبداللہ بن خطب بن عبدالرحمن بن ابی عمرو انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ ایک جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے۔ لوگوں کو شدید بھوک اور پیاس محسوس ہوئی تو آپ نے چمڑے کا ایک برتن منگوا کر سامنے رکھا۔ پھر اس میں پانی کی کلی فرمائی اور کچھ پڑھا۔ بعد ازاں آپ نے اس میں اپنی چھوٹی انگلیاں ڈالیں، میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے نکلتے دیکھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ پانی پی لیں نیز اپنے مشکیزوں میں بھی بھر لیں تو لوگوں نے حکم کی تعمیل کی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ معجزانہ منظر دیکھ

کر مسکرا پڑے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک ڈاڑھیں نظر آنے لگیں۔

انہیں احادیث کی امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے اس انداز میں منظر کشی کی ہے، آپ فرماتے ہیں ؎

انگلیاں پائیں وہ پیاری پیاری، جن سے دریائے کرم ہیں جاری
جوش پر آتی ہے جب غم خواری تشنے سیراب ہوا کرتے ہیں

سید اولادِ رسول قدسیؔ چونکہ اپنے آپ کو امام احمد رضا بریلوی کی محبت کا قیدی تصور کرتے ہیں اور انہیں اپنے انداز غلامی پر فخر بھی ہے، آپ نے بھی مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں اپنے افکار کے موتی بکھیرے ہیں، ملاحظہ کریں ؎

سرکار سے پہلے کبھی اس دہر نے قدسیؔ
انگشتِ مقدس میں سمندر نہیں دیکھا

تشنگی بجھ گئی ہزاروں کی
پھر لبلب وہی سبو دیکھا

وہ چاہیں تو انگلی سے چشمے بہادیں
بشر میں یہ طاقت ہے کس کی نبی کی

ان کی انگشتِ مقدس سے سمندر نکلے
مسکرائے تو چمکتے ہوئے گوہر نکلے

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک سے وابستہ ہر چیز کو نعت گو شعراء نے شعری لبادے میں پیش کیا ہے۔ اردو نعتیہ ادب کی تاریخ میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ نے نعت گوئی کو تحریک عشق رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آقا کی محبت کے جو نقش ونگار آپ نے واضح کئے ہیں اس کی کوئی

دوسری تمثیل بہت مشکل سے پیش کی جاسکتی ہے۔قدسیؔ نے امام عشق رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فکر کے سائبان میں بیٹھنے کا اعتراف کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیہ فکر میں امام احمد رضا کے افکار کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے،حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت کے حوالے سے ایک حدیث آئی ہے جس کو اکثر محدثین نے نقل کیا ہے اور نعت گو شعراء نے اسے شعری پیکر میں پیش کیا ہے۔امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے بھی اس حدیث کے مفہوم کو شعری پیرہن دیا ہے اور گدائے بارگاہِ رضا قدسیؔ نے بھی۔حدیث پاک یوں ہے:

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں،قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ بعض اوقات میں بھوک کی شدت سے زمین پر پیٹ لگا کر لیٹ جاتا تھا اور کبھی پیٹ کے ساتھ پتھر باندھ لیتا تھا، ایک دن بھوک سے بیتاب ہوکر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے راستہ میں بیٹھ گیا،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر ہوا تو ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی،مقصد یہ تھا کہ اپنی حالت زار کی طرف توجہ دلاؤں۔وہ گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے۔ان سے بھی اسی غرض سے ایک آیت پوچھی کہ مجھے ساتھ لے جاکر کھانا کھلائیں مگر انہوں نے بھی بے التفاتی کی اور چلے گئے، بعدازاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گزر وہاں سے ہوا۔میری حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے ارادے سے آگاہ ہوگئے اور مسکرا کر فرمایا ابوہریرہ! میں نے عرض کیا، لبیک یارسول اللہ،صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا میرے ساتھ چلو تو میں ساتھ ہولیا،آپ کاشانۂ اقدس میں داخل ہوئے تو میں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔آپ نے اذن باریابی عطا فرمایا۔پھر ایک دودھ کے پیالے پر نظر پڑی، دریافت کیا یہ کہاں سے آیا ہے؟ تو اہل خانہ نے بتایا یہ فلاں

آدمی یا فلاں عورت نے بطور ہدیہ پیش کیا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ! میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حکم دیا اہلِ صفہ کو بلا لاؤ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں اہلِ صفہ اسلام کے مہمان تھے، نہ ان کے رہنے کی جگہ تھی، نہ کھانے کا ٹھکانہ، بس مسجد میں قیام پذیر رہتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس صدقے کا مال آتا تو ان کے پاس بھجوا دیتے۔ خود نہ لیتے تھے مگر جب کوئی ہدیہ آتا تو اس میں سے کچھ خود رکھ لیتے کچھ انہیں بھیج دیتے، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ صفہ کو بلانے سے دل میں گرانی محسوس ہوئی، دل میں کہا یہ تھوڑا سا دودھ کیا کفایت کرے گا، میں ہی پی لیتا تو گزارا ہو جاتا اور کچھ طاقت سی آ جاتی مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ماننے بغیر چارہ بھی نہ تھا، اہلِ صفہ کو بلا لیا، وہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! اے ابوہریرہ ان لوگوں کو دودھ پلاؤ، پس میں نے باری باری پلایا۔ یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیالہ ہاتھ پر رکھا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے، فرمایا: اب صرف ہم اور تم باقی ہیں۔ آؤ بیٹھو اور پینا شروع کرو، پس میں نے سیر ہو کر پیا، پھر آپ بار بار اصرار فرماتے رہے پیو پیو، میں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اب قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ پھر پیالہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیش کر دیا تو آپ نے اللہ کا شکریہ بجالاتے ہوئے اسے نوش فرمالیا۔

(بخاری شریف، حجۃ اللہ علی العالمین، جلد:۲، ص:۲۶۰-۲۶۱)

اے جناب بوہریرہ کیسا تھا وہ جام شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

(امام احمد رضا)

قدسیؔ نے اس حدیث پاک کی یوں ترجمانی کی ہے ؎

لعابِ مقدس پڑا شیر میں جب
ہوئے شاد ستر منور منور

بے جان کنکری بھی یہ کہتی تھی قید میں

پرورش لوح وقلم قدسیؔ کے مشرب میں داخل ہے۔ ان کی نعتیہ لے خوشبو میں ڈوبی ہوتی ہے، مسرت وشادمانی کے ساتھ ساتھ ہجر وفراق کا شکوہ بھی ان کے یہاں ملتا ہے، دینی علوم وفنون کی بہریابی کے باعث ان کی نعتیہ شاعری کا زیادہ حصہ قرآن واحادیث کا ترجمان ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ اعجاز ہے کہ آپ ان چیزوں کو بھی دولت نطق عطا فرمادیتے تھے جن میں روح کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے، تمام انبیاء ورسل کے فضائل وکمالات کو رب کائنات نے آپ کی ذات پاک میں جمع فرمادیا تھا، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جب راستے سے گزرتے تو سنگ وشجر آپ کو سلام عرض کرتے۔ جانور فریاد لے کر حاضر ہوتے اور چرند وپرند اپنے اپنے طور پر آپ کی بارگاہ میں نذرانۂ غلامی پیش کرتے۔ یہ حدیث پاک بہت مشہور ہے کہ:

> ایک بار ابوجہل دربار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اگر آپ بتادیں کہ میری مٹھی میں کیا ہے تو میں آپ کی نبوت کو تسلیم کرلوں گا، آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بتاؤں یا تیری مٹھی میں جو چیز قید ہے وہ بتادے کہ میں کیا ہوں، اس نے کہا یہ تو اور بھی بہتر ہے۔ آپ نے اشارہ فرمایا تو اس کی مٹھی سے کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی آواز آنے لگی۔ جب اس نے دیکھا کہ سنگ ریزے ان کی رسالت کی گواہی دے رہے ہیں تو

اس نے سنگ ریزوں کو اپنی مٹھی سے آزاد کردیا۔ اس پس منظر میں قدسیؔ کے چند اشعار ملاحظہ کریں ؎

بے جان کنکری بھی یہ کہتی تھی قید میں
بوجہل میں غرور و شقاوت ہے بے پناہ

کفرِ بوجہل ہوا شرم سے پانی پانی
سنگ ریزے بھی رہے ان کی نبوت کے گواہ

کہتی تھی کنکری سبھی بوجہل سے یہی
پیوست تیرے کفر میں ذہنی فتور ہے

چاند ٹکڑے ہو اور سنگ کلمہ پڑھے
ایسی قوت نبی کے اشاروں میں ہے

یوں رہا ان سے عداوت کا بھیانک یہ اثر
روسیہ کرگئی بوجہل کو ذلت کی آگ

اثراتِ کلمۂ شہِ کونین مرحبا
بوجہل کی بھی مشت کے کنکر سے پوچھئے

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں پتھر اور درخت سلام پیش کرتے۔ اس تعلق سے کثرت سے حدیثیں آئی ہیں:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب سے میری طرف وحی بھیجی گئی اس وقت سے ہر شجر و حجر مجھ پر السلام علیک یا رسول اللہ عرض کرتے ہیں۔

مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ کے بعض اطراف میں چلے راہ میں جو بھی درخت یا پہاڑ ملتا وہ کہتا السلام علیک یا رسول اللہ۔

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدوی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معجزہ مانگا تو حضور نے بدوی سے فرمایا۔ اس درخت سے کہو کہ رسول اللہ تجھے بلاتے ہیں۔ بدوی نے ایسا ہی کیا۔ حکم رسالت پاتے ہی وہ درخت اِدھر اُدھر اور آگے پیچھے جنبش کی اور زمین سے اپنی پھیلی ہوئی جڑوں کو نکالا اور پھر زمین کو چیرتا ہوا اور جڑوں کو گھسیٹتا ہوا حضور کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ۔ پھر بدوی نے کہا اب اس درخت کو اپنی جگہ واپس ہونے کا حکم دیجئے تو وہ لوٹ کر اپنی جگہ چلا گیا اور اس کے رگ و ریشے زمین میں پیوست ہو گئے۔

(مدارج النبوۃ، ج:۱،ص:۷ ۳۴ـ۳۴۸)

پڑھ کے ان پہ درود اور سلام
بے زباں پھر شجر شجر نہ رہا

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جہاں سنگ و شجر سلامی پیش کرتے وہیں آپ کو سجدہ بھی کرتے۔ دارمی، بیہقی اور ابونعیم حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعض خصوصی علامتیں تھیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی راستے سے گزرتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے آنے والا آپ کی خوشبو سے پہچان لیتا تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس راستے سے گزرے ہیں۔ آپ جس درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا۔ اس تعلق سے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کا ایک شعر ملاحظہ کریں:

اپنے مولا کی ہے بس شانِ عظیم جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم، پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں
اس تعلق سے قدسیؔ کا رنگ سخن دیکھئے ؎

ان کے قدموں پہ سجدہ ریز ہے پیڑ
کیف سے مست ہو چلی ہے شاخ

جب سنا ہے کہ کرتے تھے سجدہ انہیں
تب سے مجھ کو نباتات اچھے لگے

رسالتِ شہِ عالم کے روبرو کیسے
ہیں سجدہ ریز نباتات دیکھتے رہئے

ازدحام ملائک ہیں صبح ومسا

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ وہ بارگاہ ہے جہاں ہر وقت فرشتگانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے۔اس سلسلے میں حدیثیں کثرت سے ملتی ہیں۔

کعب بن احبار کی حدیث میں ہے کہ روزانہ صبح طلوع آفتاب سے قبل ستر ہزار فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور کا طواف کرتے ہیں۔وہ بازوؤں کو جنبش دے کر آپ پر درود وسلام عرض کرتے ہیں اور شام کے وقت آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔پھر اور ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں۔روزانہ اسی طرح ہوتا رہے گا۔یہاں تک کہ جس دن زمین کھولی جائے گی اور میں باہر آؤں گا تو ستر ہزار فرشتوں کا جھرمٹ مجھے گھیرے ہوگا اور مجھے اس شان سے بارگاہ رب العزت میں لے جائیں گے جیسے دلہن کو براتی دولہا کے گھر لے جاتے ہیں۔

(مدارج النبوۃ، جلد:۱، ص:۴۸۰)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

ستر ہزار صبح ہیں ستر ہزار شام
یوں بندگیٔ زلف و رخ آٹھوں پہر کی ہے

اس حدیث پاک کی قدسیؔ نے یوں منظر کشی کی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کریں ؎

ازدحام ملائک ہے صبح و مسا
نکہتوں سے ہے مسرور کوئے نبی

آتے ہیں سلامی کے لئے ہر روز فرشتے
ہے رشکِ جناں روضۂ ضوبار کا منظر

سلامی دیں ملک جہاں
ہے ان کا پاک وہ دیار

درِ مصطفی پر ملک کی قطاریں
زمیں سر بہ خم اور فلک کی قطاریں

سرکارِ کائنات کے روضے کے اردگرد
روزانہ صبح و شام ملک کی قطار ہے

صبح و شام آتے ہیں ملک
ایسی طیبہ میں کشش ملی

دائمی مشک سے ہر ذرّہ نہا جاتا ہے

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم پاک سے جو خوشبو نکلتی تھی اس سے بہتر خوشبو کا آج تک کوئی سراغ نہ لگا یا سکا ہے۔ جب آپ راستہ سے گزرتے تھے تو گلیاں معطر ہوجایا کرتی تھیں۔ جو شخص آپ سے مصافحہ کرلیتا اس کا ہاتھ کئی روز تک خوشبو میں بسا رہتا۔ جس کا جسم آپ کے جسم پاک سے مس ہوجاتا اس کے جسم سے عجیب طرح کی خوشبو پھیلتی رہتی۔ جب صحابۂ کرام حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ڈھونڈنے نکلتے تو راہ کی خوشبو ان کی رہنمائی کرتی۔ شادی وغیرہ کی تقریبات میں صحابۂ کرام خوشبو کی جگہ آپ کے پسینہ کا استعمال کرتے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کی خوشبو کے تعلق سے ذیل میں چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم کی خوشبو سے کسی بھی عنبر و مشک کو خوشتر نہیں پایا۔ کہتے ہیں جس آدمی نے بھی آپ سے مصافحہ کیا تمام دن اس کے ہاتھوں سے خوش کن خوشبو آتی رہتی اور آپ جس بچے کے سر پر دست شفقت رکھتے وہ دوسرے لڑکوں میں خوشبوئے سر کے باعث ممتاز ہوجاتا تھا۔ ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر آرام فرمارہے تھے کہ آپ کو پسینہ آ گیا۔ حضرت انس کی والدہ محترمہ ایک بوتل لاکر اس میں آپ کا پسینہ جمع کرنے لگیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہوکر پوچھنے لگے کہ اسے کیا کروگی؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسے میں اپنی خوشبو میں ملا لوں گی کیونکہ آپ کے پسینہ کی خوشبو تمام خوشبوؤں سے بہتر ہے۔

بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے کہ جب رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی راہ سے گزرتے تو بعد میں گزرنے والے فوراً سمجھ جاتے کہ حضور ابھی اس راہ سے گزرے ہیں۔ (شواہد النبوۃ، ص: ۲۳۴-۲۳۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ حضور اس کی بچی کی شادی کرنے میں اس کی مدد فرمائیں۔ حضور نے فرمایا اس وقت کوئی چیز موجود نہیں۔ جب صبح ہو تو ایک چوڑے منہ والی شیشی اور درخت کی ٹہنی لے آنا۔ صبح ہوئی تو وہ شیشی اور ٹہنی لے کر حاضر ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے اپنی کلائی مبارک سے پسینہ اس شیشی میں ڈالنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ شیشی بھر گئی۔ پھر فرمایا کہ اپنی لڑکی سے کہو جب وہ خوشبو کا استعمال کرنا چاہے تو اس ٹہنی سے شیشی میں سے جو بھی نکلے اپنے جسم پر مل لے۔ کہتے ہیں جب بھی وہ لڑکی ایسا کرتی تو تمام مدینے والے آپ کے پسینہ کی خوشبو سے لطف اندوز ہوتے اور اس لڑکی کے گھر کو ''بیت السلام'' اور ''بیت السرور'' کے نام سے پکارنے لگے۔ (شواہد النبوۃ، ص:۲۳۵-۲۳۶)

بزار اور ابو یعلیٰ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ شریف کے کسی کوچے سے گزرتے تو لوگ آپ کی مہک محسوس کر کے کہتے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس راستے سے گزرے ہیں۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ رات کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پہچان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشبو سے ہو جاتی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سوت کات رہی تھی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جوتا گانٹھ رہے تھے۔ اسی دوران آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشانی پر پسینہ آنے لگا اور اس پسینہ سے ایسی نورانیت ظاہر ہونے لگی کہ میں حیران و ششدر رہ گئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری حالت دیکھ کر پوچھا عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمہیں کیا ہے؟ تم حیران و ششدر ہو، میں نے عرض کیا کیا رسول اللہ! آپ کی پیشانی عرق آلود ہو گئی ہے جس سے نورانیت پیدا ہو رہی ہے۔ اگر ''ابو کبیر ہذلی'' آپ کو دیکھ لیتا تو اپنے ان اشعار کا مصداق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرار دیتا:

ومبرا من كل غبر حيضه
وفساد مرضعة وداء مغيل
واذا نظرت الى اسرة وجهه
برقت بوروق العارض المتهلل

(ایسا پاک سرشت) جو حیض کے آخری ایام کے جماع، دودھ پلانے والی کے فساد اور مدت رضاعت کی حاملہ عورت کی بیماری سے پاک تھا جب تو اس کے رخِ تاباں کی لکیریں دیکھئے تو ایسی چمکتی ہیں جیسے بادل میں بجلی کوندتی ہے۔ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دست اقدس سے جوتا رکھ دیا اور اٹھ کر میری دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا: اللہ تمہارا بھلا کرے۔ عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) مجھے یاد نہیں کہ مجھے کبھی ایسی خوشی ہوئی ہو جیسی اس وقت تمہارے کلام سے ہوئی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ خوبرو اور خوش رنگ تھے۔ اسی لئے آپ کے وصف خواں ہمیشہ آپ کے چہرۂ انور کو ماہ کامل سے تشبیہ دیتے تھے اور آپ کے رخ انور کا پسینہ موتی کی طرح روشن اور کستوری کی مانند خوشبودار تھا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ چل رہا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے قریب آؤ، میں قریب ہوا تو مجھے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدنِ اطہر سے ایسی خوشبو محسوس ہوئی جو مشک وعنبر سے زیادہ لطیف تھی۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، جلد: ۲، ص: ۳۷۸-۳۷۹)

طبرانی کبیر و اوسط میں نیز بیہقی میں عتبہ بن فرقد کی بیوی ام عاصم سے مروی ہے کہ عتبہ کی زوجیت میں چار عورتیں تھیں اور ہم میں سے ہر عورت خوشبو لگانے کی بڑی کوشش کرتی تھی تاکہ وہ اپنے شوہر کو زیادہ خوشبودار معلوم ہو جب کہ عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اپنی خوشبو ہم سب سے زیادہ تیز ہوا کرتی تھی حالانکہ وہ کوئی خوشبو نہ لگاتے تھے۔ عتبہ جب لوگوں کے

پاس جاتے تو وہ کہتے ہم نے عتبہ کی خوشبو سے زیادہ تیز خوشبو نہیں سونگھی۔ پس ہم نے عتبہ سے اس کا راز پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ عہد رسالتِ مآب میں مجھے چھپا کی ہوگئی تھی۔ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے بے لباس ہونے کا حکم دیا اور میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا اور اپنے مقام ستر پر پردہ کرلیا۔ پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک پر دم کر کے لعاب دہن ڈالا اور میری پشت اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو اس دن سے یہ خوشبو میرے بدن پر مہکنے لگی۔

بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتا یا میرا جسم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے کسی حصے سے چھو جاتا تو میں اپنے ہاتھ میں تین دن تک خوشبو محسوس کرتا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، جلد:۱، ص:۷۰۲)

قدسیؔ نے انہیں احادیث کو پیش نظر رکھ کر اپنے فکر وفن کی خوشبو یوں بکھیری ہے ؎

دائمی مشک سے ہر ذرہ نہا جاتا تھا
جب نکلتی تھی محمد کے بدن کی خوشبو

سب ہیچ ان کے بوئے عرق کے ہیں روبرو
سنبل کہ نسترن کہ ہوں چندن کی نکہتیں

جبین مشک کی خم ہوگئی عقیدت سے
نبی کے جسم میں جب بھی عرق ہوا روشن

سراپا جسم مقدس ہے عطر بیز عجب
گزر کے راہِ گزر کو بسا گئے آقا

مہکتی تھیں گلیاں گزرتا تھا جس دم

وہ رحمت کی خوشبو میں ایسا بسا تھا

گزرتے تھے راہوں سے جب شاہ عالم
نکلتی تھیں بھینی مہک کی قطاریں

راہی سے یہ کہتی تھیں گلی گزرے ہیں آقا
کیا مجھ کو لطافت سے معطر نہیں دیکھا

خوشبوئے خلد دیکھ کے ششدر سی رہ گئی
یوں قطرۂ عرق رہا عنبر لئے ہوئے

قدسیؔ کے نعتیہ دواوین میں اس طرح کے اور بھی بہت سارے پھول ہیں اور سب کی خوشبو ایک دوسرے سے جدا ہے۔ قدسیؔ نے جہاں ان اشعار میں اپنے فن کے خوب خوب جلوے بکھیرے ہیں وہیں رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی بے پناہ عقیدت کا بھی ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس چیز کا کما حقہ عرفان ان کے نعتیہ دواوین کے مطالعہ کے بغیر ممکن نہیں۔ کچھ لوگ قدسیؔ کی پیچیدہ بیانی کے شاکی ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ پیچیدہ بیانی ہی ان کی شناخت ہے۔ وہ عام فہم الفاظ میں بھی اچھی نعتیں کہہ سکتے ہیں اور بہت ساری نعتیں انہوں نے سہل زمین پر بھی کہی ہیں۔ چند اشعار اس تعلق سے ملاحظہ کریں ؎

یہ ان کی عنایت کی دلکش کلی ہے
مرے دل میں شمع محبت جلی ہے
نسیم اور صبا سب کے سب سرنگوں ہیں
مدینے کی تازہ ہوا یوں چلی ہے

دوعالم کے مختار کا تذکرہ ہو

رسولوں کے سردار کا تذکرہ ہو

کیا رب کا دیدار جس شب نبی نے
اسی شب کے اسرار کا تذکرہ ہو

بے اثر ہو مری آہوں کی صدا ناممکن
چھوڑ دے مجھ کو عنایت کی ضیا ناممکن

جب وہ غیروں پہ بھی کرتے ہیں کرم بارش
ہم غلاموں پہ نہ ہو ان کی عطا ناممکن
راہوں میں نبی کے جو بچھاتے رہے کانٹے
گرویدہ وہی بن کے ہٹاتے رہے کانٹے
کیا بات کریں گل کی وہ بھاتا ہے ہر اک کو
پر دل میں مدینے کے سماتے رہے کانٹے

قدسیؔ کے نعتیہ دواوین سے وہ کلام جو سہل ممتنع میں کہے گئے ہیں ان کے انتخاب کا کام جاری ہے۔ بہت جلد وہ ''انتخاب قدسیؔ'' کے عنوان سے منظر عام پر آئے گا:

کن کی کنجی ہے زبانِ مصطفی

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رب کائنات نے ہر کمال سے نوازا تھا۔ کوئی ایسی خوبی نہیں جو آپ کی ذات میں موجود نہ ہو، آپ کی زبان حق ترجمان سے جو بات نکل جاتی وہ ہو کے رہتی یا جس کے بارے میں آپ جو فرما دیتے بعینہ وہی ہو کے رہتا۔ اس ضمن میں کتب صحاح ستہ میں حدیثیں موجود ہیں:

حضرت زبیر بن بکار حضرت ابراہیم بن حارث سے روایت کرتے ہیں کہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ ذی قرد ۷ھ میں ایک چشمہ پر نزول فرمایافقیل لہ اسمہ بیسان ومائہ ملح فقال بل ہو نعمان و مائہ طیب مطاب صحابہ نے عرض کیا اس چشمہ کا نام بیسان اور اس کا پانی نمکین ہے، فرمایا (نہیں) بلکہ اس کا نام نعمان اور اس کا پانی میٹھا ہے تو وہ میٹھا ہے۔ (شفا شریف، ص:۲۱۸)

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حکم بن عاص، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں آجاتا اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلام فرماتے تو وہ منہ مار مار کر آپ کا سانگ لگایا کرتا تھا۔
فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کن کذالک فلم یزل یختلج حتی مات ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو فرمادیا ایسا ہی ہو جا بس آپ کی زبانِ پاک سے کلمۂ کن کا نکلنا تھا وہ ایسا ہی ہو گیا اور مرتے دم تک منہ مارتا رہا۔
(طبرانی، مستدرک، بیہقی، خصائص، جلد:۲، ص:۷۹)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔
فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل بیمینک فقال لا استطیع قال لا، استطعت ما منعہ الاالکبر قال فمارفعہا الی فیہ۔
تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا دائیں ہاتھ سے کھا اس نے کہا دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا یعنی بیکار ہے۔ آپ نے فرمایا جا آج سے بیکار ہی ہے۔ اس نے یہ جھوٹا عذر صرف تکبر سے کیا تھا۔ چنانچہ اس دن سے

وہ ہاتھ ایسا بیکار ہوا کہ پھر کبھی منہ تک نہ آ سکا۔

(مسلم شریف، مشکوۃ شریف، ص:۵۳۶)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص وحی لکھتا تھا تو مرتد ہو گیا اور مشرکوں سے مل گیا۔

فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان الارض لا تقلبہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو زمین قبول نہیں کرے گی (یعنی اندر نہ رکھے گی)۔

جب وہ مر گیا اور مشرکوں نے اسے دفن کیا تو زمین نے باہر پھینک دیا۔ کئی دفعہ قبر کو گہرا کر کے دفن کیا گیا مگر وہ جب بھی دفن کر کے واپس لوٹتے قبر باہر پھینک دیتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص قبر کے باہر ہی پڑا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا جسم نیست و نابود ہو گیا، مگر قبر یعنی زمین نے قبول نہ کیا ۔

(بخاری شریف، مسلم شریف، ج ۲ ص:۵۳۵)

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام (حدائق بخشش)

قدسؔی نے زبانِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک پوری نعت ہی کہی ہے۔ اس تعلق سے ان کے دواوین میں اور بھی اشعار پائے جاتے ہیں۔ چند اشعار کے بعد ہم وہ پوری نعت ذیل میں پیش کرتے ہیں:

جو وحیِ خدا ہے وہی بولتے ہیں
ہیں یوں حق نشاں مصطفی جانِ رحمت

نہیں ان کے جیسا نہ تھا اور نہ ہوگا
شہِ کن فکاں جانِ جانانِ عالم

رخ ہے قرآن وحیِ خدا ہے زباں
ان کے ہونٹوں کو لوح و قلم بو لیے
جو زباں سے کہا وہ ہوکے رہا
حکم ان کا کبھی بھی ٹل نہ سکا
ان کی بولی اجابت کی تقدیر ہے
کن کی کنجی نبی کی زباں لاجواب

کن کی کنجی ہے زبانِ مصطفی
قولِ ربی ہے زبانِ مصطفی
ان کا درِ لفظ ہے نورِ جہاں
جانِ ہستی ہے زبانِ مصطفی
ہوگئی لادینیت خبط الحواس
ایسی ہادی ہے زبانِ مصطفی
موجِ رحمت بہہ رہی ہے صبح و شام
فیضِ باری ہے زبان مصطفی
ہیں اجابت کی نگاہیں فرشِ راہ
شان والی ہے زبانِ مصطفی
ان کا ہے ہر حرف کوثر سے دھلا
کتنی میٹھی ہے زبانِ مصطفی
جھک گئی حسنِ فصاحت کی جبیں
یوں انوکھی ہے زبانِ مصطفی
آمرِ معروف و منکر کے لئے

قدسی ناہی ہے زبانِ مصطفی
خالق نے ان کو سونپ دیا اختیار کل

ہر انسان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں خودمختار رہے لیکن نظام قدرت اس کے برعکس ہے۔ پوری انسانی دنیا اللہ تعالیٰ کی رعایا ہے، اللہ انسان کا خالق بھی ہے، رازق بھی ہے اور حاکم مطلق بھی، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف قبائل میں تقسیم کر رکھا ہے تاکہ ہر شخص اپنے قبیلے کے ذریعہ پہنچایا جائے، قرآن واحادیث سے اس بات کی توثیق ہوتی ہے۔ انسانی تاریخ میں حاکم ومحکوم کا تصور ہمیشہ سے موجود رہا ہے، یہ حاکمیت ومحکومیت انسانی شیرازہ بندی کے لئے ازحد ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتو انسانی زندگی لاقانونیت کی شکار ہوجائے، امن وقانون کی بحالی کے لئے کسی حکومت کا وجود لازمی ہے، اسی لئے مدینہ طیبہ کی سرزمین پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ انسان اپنے مقصد حیات سے غافل تھا اور طوائف الملوکی کا شکار تھا۔ اسے ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، ظلم وبربریت کی شکار انسانی آبادی کے لئے مدینہ طیبہ کی سرزمین جائے پناہ تھی۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ انسان ہونے کی بنیاد پر کسی کو ایک دوسرے پر فوقیت نہیں، فوقیت اور برتری کا معیار اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ ہے اور علم وفضل بھی برتری کی سند ہے، اسلام نے علم وتقویٰ ہی کو معیار بنا کر مناصب تقسیم کئے ہیں، اس باب میں اسلام کی پوری تاریخ دیکھی جاسکتی ہے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں کو اعلیٰ مناصب پر فائز فرماتے جو زہد وتقویٰ، علم وفضل اور عقل وتدبر کے اعتبار سے اعلیٰ ہوتے اور جو اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل نہ ہوتے انہیں درسگاہ نبوت سے خصوصی حصہ دے کر اعلیٰ مناصب تفویض کے جاتے، اس ضمن میں بھی کئی مثالیں موجود ہیں جو شہر اسلام کے زیر اثر آجاتا۔ اس شہر کے نظم وضبط کے لئے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کچھ افراد کو متعین فرما دیتے اور ان کے اختیارات کی بھی ایک حد مقرر کردی جاتی، عاملین کو مقررہ اختیارات سے تجاوز کرنے کی صورت میں احتسابی عمل سے گزرنا پڑتا، جب کسی عامل یا

قاضیِ شہر کو اپنے اختیارات میں وسعت کی ضرورت محسوس ہوتی۔ وہ مرکزی حکومت یعنی مدینہ طیبہ سے رجوع ہوتا۔

ذاتی طور پر اسلام نے ایک عام انسان کو بھی بہت سارے اختیارات دے رکھے ہیں۔انسان اپنے اختیارات کو برتنے میں ذاتی طور پر خود مختار ہوتا ہے لیکن اسے کوئی ایسا کام کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا جو اسلامی اصولوں سے متصادم ہو۔اسلامی آئین کی روشنی میں جو لوگ زندگی گزارتے ہیں ان میں کئی طبقے ہیں۔ ہر طبقہ ایک دوسرے پر فضیلت رکھتا ہے۔ انسانوں میں جو سب سے افضل و اعلیٰ طبقہ ہے وہ انبیائے کرام و رسولانِ عظام کی جماعت ہے، انبیائے کرام و رسولانِ عظام کو بھی ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔اس سلسلے میں قرآن حکیم ناطق ہے ''کہ یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا'' اس آیت پاک کی تفسیر یوں آئی ہے:

> اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب جداگانہ ہیں، بعض حضرات سے بعض افضل ہیں۔اگر چہ نبوت میں کوئی تفرقہ نہیں وصفِ نبوت میں سب شریک یک دیگر ہیں مگر خصائص وکمالات میں درجے متفاوت ہیں، یہی آیت کا مفہوم ہے اور اسی پر تمام امت کا اجماع ہے (خازن، مدارک) یعنی بے واسطہ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر کلام سے مشرف فرمایا اور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معراج میں (جمل) وہ حضور پُرنور سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں کہ آپ کو بدرجات کثیرہ تمام انبیاء علیہم السلام پر افضل کیا۔اس پر تمام امت کا اجماع ہے اور بکثرت احادیث سے ثابت ہے، آیت میں حضور کی اس رفعت و مرتبت کا بیان فرمایا گیا اور نام مبارک کی تشریح نہ کی گئی۔اس سے بھی حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوِشان کا اظہار مقصود ہے کہ ذات والا کی یہ شان ہے کہ جب

تمام انبیاء پر فضیلت کا بیان کیا جائے تو سوائے ذات اقدس کے یہ وصف کسی پر صادق ہی نہ آئے اور کوئی اشتباہ راہ نہ پا سکے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ خصائص و کمالات جن میں آپ تمام انبیاء پر فائق و افضل ہیں اور آپ کا کوئی شریک نہیں بے شمار ہیں کہ قرآن کریم میں یہ ارشاد ہوا۔ درجوں بلند کیا ان درجوں کا قرآن کریم نے کوئی ذکر نہیں فرمایا۔تو اب کون حد لگا سکتا ہے۔

ان بے شمار خصائص میں سے بعض کا اجمالی ومختصر بیان یہ ہے کہ آپ کی رسالت عامہ ہے۔تمام کائنات آپ کی امت ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وما ارسلکناک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیراً۔

دوسری آیت میں فرمایا: لیکون للعالمین نذیرا۔مسلم شریف کی حدیث میں ارشاد ہوا: ارسلت الی الخلائق کافۃ اور آپ پر نبوت ختم کی گئی۔قرآن پاک میں آپ کو خاتم النبیین فرمایا۔حدیث شریف میں ارشاد ہوا ''ختم بی النبیون'' آیات بینات ومعجزات باہرات میں آپ کو تمام انبیاء پر افضل فرمایا گیا۔آپ کی امت کو تمام امتوں پر افضل کیا گیا،شفاعت کبریٰ آپ کو مرحمت ہوئی۔قرب خاص معراج آپ کو ملا۔علمی وعملی کمالات میں آپ کو سب سے اعلیٰ کیا۔اس کے علاوہ بے انتہا خصائص آپ کو عطا ہوئے۔

(مدارک،جمل،خازن،بیضاوی وغیرہ،کنزالایمان،پارہ:۳)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصوصی کمالات واختیارات کے شواہد قرآن میں موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں۔یہاں اختیارات کے حوالے سے چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

حدیث صحاح ستہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ میں ہلاک ہو گیا۔فرمایا کیا

ہے؟ عرض کی میں نے رمضان میں اپنی عورت سے نزدیکی کی، فرمایا! غلام آزاد کرسکتا ہے۔ عرض کی نہ، فرمایا! لگاتار دو مہینے کے روزے سکتا ہے۔ عرض کی نہ، فرمایا! ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے۔ عرض کی نہ، اتنے میں خرمے خدمت اقدس میں لائے گئے، حضور نے فرمایا! انہیں خیرات کردے۔ عرض کی کیا اپنے سے زیادہ محتاج پر۔ مدینے میں کوئی گھر ہمارے برابر محتاج نہیں۔ فضحک النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتی بدت نواجذہ وقال اذہب فاطعمہ اہلک رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ سن کر ہنسے، یہاں تک کہ دندانِ مبارک ظاہر ہوئے اور فرمایا! جا اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ ایک روزہ کا کفارہ شریعت کے نزدیک ایک غلام کو آزاد کرنا یا لگاتار دو ماہ کا روزہ رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا ہے۔ لیکن یہاں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعطائے الٰہی اپنے خصوصی اختیارات کا استعمال فرمایا اور سزا کو انعام میں تبدیل فرمادیا۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیارات کے باب میں حدیثیں کثیر ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے اپنی مشہور کتاب ''الامن والعلیٰ'' میں پینتیس حدیثوں کا ذکر کیا ہے۔ ان سب کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔ ہم ذیل میں ان کی ایک مختصر فہرست پیش کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے ''الامن والعلیٰ'' دیکھئے:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے شش ماہا بکری کی قربانی جائز فرمادی!
(۲) ایک بار عتبہ بن عامر کے لئے بھی اس کی اجازت عطا کی۔
(۳) ام عطیہ کو ایک جگہ نوحہ کرنے کی رخصت بخش دی۔
(۴) ایک بار خولہ بنت حکیم کو نوحہ کی اجازت فرمادی۔
(۵) یونہی اسماء بنت یزید کو ایک دفعہ نوحہ کی پروانگی عطا کی۔

(۶) اسماء بنت عمیس کو عدت کا سوگ معاف فرما دیا۔
(۷) ایک صحابی کو بجائے مہر کے صرف سورۂ قرآن سکھانا کافی کر دیا۔
(۸) ایک صاحب کو جوانی میں ایک بی بی کا دودھ پینے کی اجازت دے دی اور اس سے حرمت رضاعت ثابت فرما دی۔
(۹) مولیٰ علی کو بحالت جنابت مسجد اقدس میں رہنا مباح فرما دیا۔
(۱۰) براء بن عازب کو سونے کی انگوٹھی پہننی جائز فرما دی۔
(۱۱) معاذ بن جبل کو اپنی رعیت سے تحائف لینا حلال فرما دیا۔

اب ان احادیث کی روشنی میں اختیارات مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قدسیؔ کے اشعار ملاحظہ کریں ؎

وہ حلت کو چاہیں تو حرمت بنا دیں
شریعت، طبیعت، ہے کس کی، نبی کی

آقا کی طرح دہر میں ذی جاہ نہیں ہے
مملوک ہیں سب ان کے کوئی شاہ نہیں ہے

خالق نے ان کو سونپ دیا اختیارِ کل
زیرنگیں انہیں کے فلک اور زمین ہے

دستِ قدرت ہے دستِ شاہِ زمن
کچھ بھی ان کے لئے محال کہاں

لاشئے کو چاہیں چشمِ زدن میں کریں وہ شئے
رب کی عنایتوں سے انہیں اختیار ہے

تجھے کہتے رہیں گے مالک و مختار عالم کا
کہ محبوب و محبت میں جب مرا تیرا نہیں رہتا

وہ مختارِ کل ہیں مگر یہ تواضع

غذا جو کی روٹی قناعت کا باعث
خلد میں بھی نہیں ہے ان کو گوارہ فرقت

قدسیؔ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات، سیرت و کردار، سیادت و قیادت، رفعت و عظمت اور اسی طرح کے دوسرے بہت سارے پہلوؤں کو شعری رنگ و روپ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے اشعار میں بڑی گہرائی و گیرائی ہے۔ اگر ان کے سارے دواوین بحث کی کی میزان پر رکھیں جائیں تو کئی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔ پھر بھی راقم الحروف اپنی بساط بھر کوشش کرے گا۔

خزائن الٰہی کی چابیاں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست تصرف میں ہیں، جنت آپ کی ملکیت ہے۔ بلکہ کائنات کی ہر شئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زیر فرمان ہے۔ آپ جس کو جو چاہیں عطا فرما دیں۔ کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے کوئی نعمت کسی کو نہیں ملتی۔ مگر حضور کی سرکار سے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مالک جنت ہیں جسے چاہیں جنت عطا کر دیں۔ اس ضمن میں بہت ساری احادیث پیش کی جاسکتی ہیں، لیکن یہاں اختصار مقصود ہے۔ اس لئے دو چند پہ اکتفا مناسب ہوگا۔ صحیح مسلم شریف و سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ و معجم کبیر طبرانی میں سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

قال کنت ابیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاتیتہ بوضوء و حاجتہ فقال لی سل ولفظ الطبرانی فقال یوما یا ربیعۃ سلنی فاعطیک ورجعنا الیٰ لفظ مسلم۔ قال فقلت اسئلک مرافقتک فی الجنۃ فقال او غیر ذٰلک قلت ہو ذاک قال فاعنی علی نفسک بکثرۃ السجود۔

میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس رات کو حاضر رہتا۔ ایک شب حضور کے لئے آب وضو وغیرہ ضروریات حاضر لایا (رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بحر

رحمت جوش میں آیا) ارشاد فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے کہ ہم تجھے عطا فرمائیں، میں نے عرض کی، میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں اپنی رفاقت عطا فرمائیں۔ فرمایا کچھ اور میں نے عرض کی میری مراد تو صرف یہی ہے۔

(الامن والعلیٰ ص:۱۸۹، رضا اکیڈمی)

خلد میں بھی نہیں ہے ان کو گوارہ فرقت
کتنی پیاری ہے ربیعہ کو رفاقت ان کی

جہاں تک جنت عطا کرنے کی بات ہے تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور دوسرے کئی صحابی کو اس بشارت اعظمیٰ سے نوازا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے دو حدیثیں آئی ہیں:

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ میں کسی سے فرمایا کہ اپنا گھر میرے ہاتھ بیچ ڈال، کہ مسجد حرام میں زیادت فرماؤں اور تیرے لئے جنت میں مکان کا ضامن ہوں، اس نے عذر کیا، پھر فرمایا: انکار کیا۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی۔ یہ زمانۂ جاہلیت میں ان کا دوست تھا۔ اس سے باصرار تمام دس ہزار اشرفی دے کر خرید لیا، پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی کہ حضور اب وہ گھر میرا ہے: فهل انت اخذ هذا بيت تضمن في الجنة۔ کیا حضور مجھ سے ایک مکان بہشت کے عوض لیتے ہیں جس کے حضور میرے لئے ضامن ہو جائیں: قال نعم۔ فرمایا ہاں، فاخذها منه و ضمن له بيتا في الجنة و اشهدله على ذلك المومنين۔ حضور نے ان سے وہ مکان لے کر جنت میں ان کے لئے ایک مکان کی ضمانت فرمائی اور مسلمانوں کو اس معاملہ پر گواہ کرلیا۔

جب مہاجرین مکہ معظّمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں آئے۔ یہاں کا پانی پسند نہ آیا۔ شور تھا بنی غفار سے ایک شخص کی ملک میں ایک شیریں چشمہ مسمیٰ

رومہ تھا۔ وہ اس کی ایک نیم صاع کو بیچتے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:بعہابعین فی الجنۃ۔ یہ چشمہ میرے ہاتھ ایک چشمۂ بہشت کے عوض بیچ ڈال،عرض کی یارسول میری اور میرے بچوں کی معاش اسی میں ہے۔ مجھ میں طاقت نہیں، یہ خبر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی وہ چشمۂ مالک سے پینتیس ہزار روپئے میں خرید لیا۔ پھر خدمتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کی:یارسول اللہ، اتجعل لی مثل الذی جعلت لہ عینا فی الجنۃ ان اشتریتہا۔ یارسول کیا جس طرح حضور اس شخص کو چشمۂ بہشتی عطا فرماتے تھے۔ اگر میں یہ چشمہ اس سے خرید لوں تو حضور مجھے عطا فرمائیں گے۔قال نعم-فرمایاہاں عرض کی، میں نے بیر رومہ خرید لیا اور مسلمانوں پر وقف کر دیا۔ اسی طرح حضور مالک جنت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:لک الجنۃعلی یاطلحہ غداً۔ کل تمہارے لئے جنت میرے ذمہ پر ہے۔

(الامن والعلی،ص:۳۲۴-۳۲۵)

شاہدِ عدل ہے اقصیٰ میں امامت ان کی

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات میں معجزۂ سفر معراج کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ رب کائنات نے انبیاء کرام ورسولان عظام کو اپنے خصوصی انعام واکرام سے نوازا ہے،اللہ کے بندوں میں سب سے اعلیٰ وافضل جماعت انبیاء کرام کی ہے۔ ان کی بعثت کا اولین مقصد بندوں کو ان کے مقصد وجود سے آگاہ کرنا تھا اور یہ انتہائی کٹھن کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رب کائنات انہیں اپنے وقت کی جابر وظالم طاقتوں کو زیر کرنے کی صلاحیتیں دے کر زمین پر مبعوث فرماتا، ہر نبی ورسول کو اپنے عہد اپنے زمانے اور اپنے علاقوں کے مطابق معجزات دیئے گئے تاکہ ان کی حقانیت وصداقت کا سورج سب کی نگاہوں میں آجائے اور وہ دولت ایمان ویقین سے سرفراز ہوسکیں، تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ

علیہ السلام کی امت کو جادو میں بڑا کمال حاصل تھا۔ ہزاروں جادوگر دربار شاہی سے وابستہ تھے، ان کی کفالت کی ساری ذمہ داری حکومت وقت کے سپرد تھی، اس لئے رب کائنات نے حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ السلام کو ہر طرح کے جادو کی کاٹ کے معجزات دیئے گئے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا دور دورہ تھا، اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ، کوڑھیوں کو تندرست کرنے کی طاقت دے کر بھیجا گیا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ ہر نبی اپنے وقت کے ہر کمال سے آگے ہوتا ہے۔ امت کمال کی جس بلندی پر ہوتی ہے نبی کے کمال کی وہاں سے ابتدائی ہوتی ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے امام و پیشوا ہیں۔ رب کائنات نے تمام انبیاء کرام کے کمالات و معجزات کو آپ کی ذات میں جمع فرما دیا تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات حساب وشمار سے باہر ہیں۔ آپ کے بہت سارے معجزات ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور بہت سارے ظاہر ہونے والے ہیں۔ آپ کے معجزات میں قرآن حکیم اور سفرِ معراج کا معجزہ سب سے نمایاں ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سفر معراج کی ابتداء مکہ معظّمہ سے ہوئی، آپ وہاں سے بیت المقدس تشریف لے گئے، بیت المقدس میں تمام انبیاء کرام و رسولان عظام پہلے سے آپ کو استقبالیہ دینے کے لئے موجود تھے، مصلیٰ امامت بچھا ہوا تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کا ہاتھ تھاما اور آپ کو مصلیٰ امامت پر بڑھا دیا۔ آپ امام بنے اور تمام انبیاء کرام مقتدی قرآن حکیم میں سفر معراج کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے: سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیتنا انہ ہو السمیع البصیر۔

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔ (کنزالایمان، پ:۱۵، آیت:۱)

مذکورہ آیت کی تفسیر، یوں کی گئی ہے:
معراج شریف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک جلیل معجزہ اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور اس سے حضور کا وہ کمال قرب ظاہر ہوتا ہے جو مخلوق الٰہی میں آپ کے سوا کسی کو میسر نہیں، نبوت کے بارہویں سال سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج سے نوازے گئے۔ مہینہ میں اختلاف ہے مگر اشہر یہ ہے کہ ستائیسویں رجب کو معراج ہوئی، مکہ مکرمہ سے حضور کا بیت المقدس تک شب کے چھوٹے حصہ میں تشریف لے جانا نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ اس کا منکر کافر ہے اور آسمانوں کی سیر اور منازل قرب میں پہنچنا احادیث صحیحہ معتمدہ مشہورہ سے ثابت ہے جو حدِ تواتر کے قریب پہنچ گئی ہیں۔ اس کا منکر گمراہ ہے، معراج شریف بحالت بیداری جسم وروح دونوں کے ساتھ واقع ہوئی۔ جمہور اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے اور اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کثیر جماعتیں اور حضور کے اجلہ اصحاب اسی کے معتقد ہیں۔ نصوص آیات و احادیث سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے، تیرہ دماغانِ فلسفہ کے اوہام فاسدہ محض باطل ہیں۔ قدرت الٰہی کے معتقد کے سامنے وہ تمام شبہات بے حقیقت ہیں، حضرت جبرئیل کا براق لے کر حاضر ہونا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غایت اکرام واحترام کے ساتھ سوار کر کے لے جانا، بیت المقدس میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انبیاء کی امامت فرمانا پھر وہاں سے سیر سموات کی طرف متوجہ ہونا، جبریل امین کا ہر ہر آسمان کے دروازے کھلوانا، ہر ہر آسمان پر وہاں کے صاحب مقام انبیاء علیہم السلام کا شرف زیارت سے مشرف ہونا اور حضور کی تکریم کرنا، احترام بجا لانا، تشریف آوری کی مبارک بادی دینا، حضور کا ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف سیر فرمانا۔ وہاں کے عجائب دیکھنا اور تمام مقربین کی نہایت

سدرۃ المنتہی کو پہنچنا، جہاں سے آگے بڑھنے کی کسی ملکِ مقرب کو بھی مجال نہیں ہے، جبرئیل امین کا وہاں سے معذرت کر کے رہ جانا پھر مقام قرب خاص میں حضور کا ترقیاں فرمانا اور اس قرب اعلیٰ میں پہنچنا کہ جس کے تصور تک خلق کے اوہام و افکار بھی پرواز سے عاجز ہیں۔ وہاں مورد رحمت و کرم ہونا اور انعامات الٰہیہ اور خصائص نعم سے سرفراز فرمایا جانا اور ملکوت سموات و ارض اور ان سے افضل و برتر علوم پانا اور امت کے لئے نمازیں فرض ہونا، حضور کا شفاعت فرمانا، جنت اور دوزخ کی سیریں اور پھر اپنی جگہ واپس تشریف لانا اور اس واقعہ کی خبریں دینا، کفار کا اس پہ شورشیں مچانا اور بیت المقدس کی عمارت کا حال اور ملک شام جانے والے قافلوں کی کیفیتیں حضور علیہ السلام سے دریافت کرنا، حضور کا سب کچھ بتانا اور قافلے کے جو احوال حضور نے بتائے قافلوں کے آنے پر ان کی تصدیق ہونا، یہ تمام ''صحاح ستہ'' کی معتبر احادیث سے ثابت ہے اور بکثرت احادیث ان تمام امور کے بیان اور ان کے تفاصیل سے مملو ہیں۔

(کنزالایمان، ص:۴۰۸)

حدیث پاک میں اس کی تفصیل یوں آئی ہے:

امام نسائی نے بطریق یزید بن مالک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میرے پاس ایک چوپایہ جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، لایا گیا، اس کا قدم منتہائے نظر پر پڑتا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا۔ جبرائیل میرے ساتھ تھے اور روانہ ہوئے، جبرئیل نے کہا یہاں اتر کر نماز پڑھئے میں نے اتر کر نماز پڑھی، جبرئیل نے عرض کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے نماز کہاں پڑھی ہے؟ یہ طور سینا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ ہمکلامی عطا فرمایا۔ پھر آگے

چل کر) جبرئیل نے کہا اتر کر نماز پڑھئے، چنانچہ میں نے نماز پڑھی، جبرئیل نے پوچھا آپ جانتے ہیں یہ کون سا مقام ہے جہاں آپ نے نماز ادا کی؟ آپ نے بیت اللحم میں نماز پڑھی ہے، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی، پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا، میرے لئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا اجتماع کیا گیا تھا، جبرئیل امین نے مجھے آگے بڑھا دیا تو میں نے سب کی امامت کی، پھر مجھے آسمان دنیا کی طرف لے جایا گیا وہاں دو خالہ زاد بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے، پھر جبرئیل مجھے تیسرے آسمان پر لے گئے۔ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام موجود تھے، پھر مجھے چوتھے آسمان پر لے جایا گیا وہاں حضرت ہارون علیہ السلام تھے، اس کے بعد مجھے پانچویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں حضرت ادریس علیہ السلام تشریف فرما تھے، پھر چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، اس کے بعد مجھے ساتویں آسمان پر لے جایا گیا جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے، پھر جبرئیل مجھے ساتویں آسمان سے اوپر لے گئے اور میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا تو مجھے ایک بدلی نے ڈھانپ لیا، میں سجدہ ریز ہو گیا تو مجھ سے کہا گیا جس روز سے میں نے آسمان و زمین کو پیدا کیا میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، لہٰذا آپ ان پر عمل پیرا رہیں اور اپنی امت کو بھی ان کا پابند بنائیں۔ وہاں سے لوٹ کر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے دریافت کیا، کیا آپ کے پروردگار نے آپ کی امت پر کچھ فرض کیا ہے؟ میں نے جواب دیا پچاس نمازیں فرض کی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، آپ اور آپ کی امت ان نمازوں کی پابندی نہ کر سکیں گے، کیونکہ بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض کی تھیں مگر وہ ان کو ادا نہ

کر سکے، لہٰذا اپنے پروردگار کے پاس جا کر تخفیف کی درخواست کیجئے، چنانچہ میں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو مجھ سے دس دس نمازوں کی تخفیف کی گئی، یہاں تک اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ پچاس کے بدلے پانچ نمازیں ہیں، چنانچہ میں نے سمجھ لیا کہ یہ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حتمی ہیں، لہٰذا میں نے پھر تخفیف کی التجا نہ کی۔

(حجۃ اللہ علیہ العالمین جلد:ا،ص:۵۷۱-۵۷۲)

سفر معراج کے حوالے سے قدسیؔ کے چند اشعار ملاحظہ کریں ؎

سارے نبیوں سے ہیں وہ افضل و اعلیٰ قدسیؔ
شاہدِ عدل ہے اقصیٰ میں امامت ان کی

معراجِ شاہِ کون و مکاں ہے دلیل تام
ہر وصف ہر کمال حبیبِ خدا میں ہے

معراج انبیاء کی بھی اقصیٰ میں ہوگئی
فیاض ہے نبی کی امامت کی روشنی

رف رف نے کہا آئے ہیں وہ اپنے ہی گھر میں
معراج کا دولہا کوئی مہمان نہیں ہے

کریں اقتداء ان کی سب انبیاء بھی
انوکھی امامت ہے کس کی، نبی کی

ہر ایک سو شب معراج تھی عجب روشن

کہ فرش و عرش تلک ہر طبق ہوا روشن

حدِّ امکاں سے پرے ان کا سفر
چشمِ عالم پہ ہے حیرت ظاہر

مقتدی ان کے بنے سارے نبی
شاہد اقصیٰ ہے امامت ظاہر

جب چلے سدرہ سے آگے مصطفیٰ
دنگ سا جبرئیل کا شہپر رہا

قدسیؔ قریب قریب اٹھائیس سال سے نعتیہ ادب کی خدمت میں مصروف ہیں، انہوں نے نعتیہ ادب کے دامن کو نت نئے جواہرات سے مزین کیا ہے، فن کے احترام کا جو خالص جذبہ ان کے یہاں ملتا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں یہ خالصیت بہت کم دیکھنے میں آتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نعت گوئی کے جو لوازمات ہیں، قدسیؔ ان سے اچھی واقفیت رکھتے ہیں، نعت گو شعراء میں قدسی سب سے زیادہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ سے متاثر نظر آتے ہیں، اس چیز کا انہوں نے اکثر اعتراف بھی کیا ہے، لکھتے ہیں ؎

ہے یہ سبق ''حدائقِ بخشش'' کا لاجواب
نعتِ رسول سیکھئے رب کی کتاب سے

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی ذات قدسیؔ کے لئے چراغ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ بات صرف نعت گوئی کے میدان تک محدود نہیں ہے، بلکہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں انہیں میر کارواں تسلیم کرتے ہیں، قدسیؔ کے باغ فن میں طرح طرح کے پھول کھلے ہیں، ان

کا ہر باذوق قاری ان پھولوں کی خوشبو میں نہا تا رہتا ہے،قدسیؔ کے نعتیہ سرمائے کو سامنے رکھ کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جامع سوانح ترتیب دی جاسکتی ہے،خود قدسیؔ کے دل میں بھی بہت دنوں سے یہ خواہش مچل رہی ہے۔اس چیز کا انہوں نے بارہا اظہار بھی کیا ہے۔

ان کے اخلاق کی تیز برسات میں

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب دنیا اخلاق کے معنی و مفہوم سے قطعاً ناواقف تھی،قتل وخونریزی،ظلم و جبر اور شراب وشباب ان کے محبوب مشاغل تھے۔معصیت شعاری میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے،جس طرح چاند ستاروں میں نمایاں ہے اسی طرح پوری دنیا میں وہ گناہوں کے معاملے میں نمایاں تھے،دنیا میں کوئی ایسی خامی نہ تھی جو ان میں نہ پائی جائے۔وہ برائیوں کے فروغ میں ساری دنیا کی مقتدا بنے ہوئے تھے،حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چراغ ہدایت بن کر جلوہ افروز ہوئے۔روشنی پھیلنے لگی۔کفر وشرک کا سینہ جلنے لگا،سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی ادا انہیں اچھی نہیں لگتی تھی،وہ سمجھ نہیں پارہے تھے کہ یہی وہ ذات ہے جو آگے چل کر ہمارے سارے خودساختہ خداؤں کی کمر توڑ دے گی،جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نبوت ورسالت کا اعلان فرمایا،مکہ کی سرزمین پر مخالفتوں کا طوفان کھڑا ہوگیا۔امین وصادق کہنے والے توہین و تضحیک کے تیر پھینکنے لگے مگر صداقتوں کی خوشبو کو پھیلنے سے کوئی روک نہیں پارہا تھا۔دعوت و تبلیغ کی راہ میں قدغنیں لگائی جارہی تھیں مگر سچائی ساری رکاوٹوں کو کچل کر اصلاح پسند ذہنوں میں اترتی چلی جارہی تھی۔حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلق کا تیر شر کے آر پار ہوتا جارہا تھا۔آوارگیِ فکر کی زمین پر رحمتِ الٰہی کا بادل ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہا تھا۔نفرتوں کے ایوان میں محبت کی صدا گونجتی ہے۔میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔قرآن حکیم نے آپ کی صداقتوں کا اعلان فرمایا:وانک لعلیٰ خلق عظیم-بلاشبہ آپ عظیم اخلاق پر فائز ہیں۔آپ کا یہ محبت و پیار میں ڈوبا ہوا پیغام آج بھی دنیا کے کانوں میں رَس

گھول رہا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ کس مومن کا ایمان افضل ہے۔ آپ نے فرمایا جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر روایت کرتے ہیں حضور رحمت و عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک تم میں وہ شخص میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوگا جو تم میں اخلاقی اعتبار سے سب سے اچھا ہوگا۔ (بخاری شریف)

ایک شخص حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سامنے سے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا حسنِ اخلاق۔ پھر داہنے آکر پوچھا کون سا عمل بہتر ہے؟ فرمایا حسنِ اخلاق، پھر سرکار کے بائیں سے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا کام سب سے اچھا ہے؟ فرمایا حسنِ اخلاق، پھر وہ سرکار کے پیچھے آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کون سا عمل افضل ہے؟ تو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تمہیں کیا ہوا سمجھتے کیوں نہیں اور وہ یہ ہے کہ تو غصہ نہ کرے اگرچہ استطاعت ہو۔ (یعنی ناگوار بات پر بدلہ لینے یا مقابلہ کرنے کی استطاعت ہو پھر بھی غصہ سے بچ جائے تو یہ حسن اخلاق ہے)۔

(اہلسنّت کی آواز ۲۰۰۲، ص: ۱۴۴)

(۱) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق و خصائل میں سے وفا، حسنِ عہد، صلہ رحمی اور عیادت و مزاج پُرسی بھی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کوئی چیز ہدیہ میں لائی جاتی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے اسے فلاں عورت کے پاس لے جاؤ کیونکہ وہ حضرت خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی سہیلی ہے۔

(۲) اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ وہ

فرماتی ہیں کہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جتنا رشک کرتی تھی اتنا کسی عورت سے رشک میں نے نہیں کیا کیونکہ حضور انہیں بہت یاد کرتے تھے، اگر حضور کوئی بکری بھی ذبح فرماتے تو اس میں سے بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کو ضرورت بھجوایا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک عورت حضور کی خدمت میں آئی۔ آپ نے اسے دیکھ کر بڑی شادمانی کا اظہار فرمایا اور اس کی خوب خاطر مدارت فرمائی، جب وہ عورت چلی گئی تو فرمایا یہ عورت حضرت خدیجہ کے زمانے میں ہمارے یہاں آیا کرتی تھی اور فرمایا حسن العہد من الایمان یعنی وضع داری کو عمدہ طریق سے پورا کرنا ایمان کی علامتوں میں سے ہے۔

(مدارج النبوۃ جلد:۱،ص:۱۰۳)

(۳) حضرت ابوالطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ اس وقت میں بچہ تھا کہ اچانک ایک عورت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئی، حضور نے اس عورت کے لئے اپنی چادرِ مبارک بچھائی۔ وہ عورت اس پر بیٹھ گئی۔ میں نے دریافت کیا۔ یہ کون عورت ہے تو صحابہ نے کہا یہ وہ عورت ہے جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ حلیمہ سعدیہ ہوں گی اور ابن عبدالبر ''استیعاب'' میں کہتے ہیں کہ وہ حلیمہ تھیں اور علماء یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضور کو چونکہ آٹھ عورتوں نے دودھ پلایا ہے، انہیں میں سے کوئی ہوگی۔

(۴) عمرو بن صائب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روز تشریف فرما تھے کہ حضور کے رضاعی والد آئے۔ آپ نے ان کے لئے اپنی چادرِ مبارک بچھائی۔ وہ اس پر بیٹھے، پھر آپ کی رضاعی والدہ آئی

تو چادر شریف کے ایک کونے پر انہیں بٹھایا۔ پھر آپ کے رضاعی بھائی
آئے تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سامنے انہیں بٹھایا۔

اسی خوں اگلتے موسم کی ایک بھری دوپہر میں تمام لوگ اپنے اہل وعیال کے ساتھ گھروں میں محوآرام ہیں، مگر مکہ میں رہنے والی ایک بڑھیا نہ صرف یہ کہ اپنے گھر کو چھوڑ رہی ہے بلکہ اپنے وطن عزیز کو دائمی خیر باد کہنے کی تیاریوں میں مصروف کار ہے۔ اپنے سارے ساز وسامان کو سمیٹنے میں لگی ہوئی ہے۔ اسی اثنا میں اعزہ واقارب اس کے قریب آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آج آپ اس قدر پریشان کیوں نظر آ رہی ہیں؟ ان ڈھیر سارے سامان کو اچانک سمیٹنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟ آخیر معاملہ کیا ہے؟ کچھ تو بتایئے، مگر بڑھیا ہے کہ خاموشی کے ساتھ اپنی تیاریوں میں مصروف عمل ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی موسلادھار بارش ہو رہی ہے۔ اعزہ واقارب کی بے چینیاں بڑھتی جا رہی ہیں کہ آخیر نا گہانی گھر چھوڑنے پر کیوں تلی ہوئی ہیں۔ پیہم اصرار کے بعد بڑھیا لب کشا ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ کیا تمھیں نہیں معلوم کہ آج عرب میں کیسا شور وغوغا مچا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا آخیر آپ اس قدر غضب ناک کیوں ہو رہی ہیں؟ پہیلی نہ بجھائیں، بلکہ آپ ہمیں حالات اور مسائل سے آگاہ کیجئے تا کہ اس کے سدِ باب کی کوئی مؤثر صورت نکالی جا سکے۔ بڑھیا کی بھنویں تن جاتی ہیں اور مزید غضب ناک ہو کر کہتی ہے کہ لگتا ہے تم لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے ہو، تم لوگ تو مفادات عیش وعشرت کی محفلوں میں مست وسرشار رہتے ہو، تمھیں وقت ہی کہاں ملتا ہے کہ کبھی اپنے آبائی مذہب اور اپنے معبودوں کے بارے میں سر جوڑ کر سوچو۔ آج ہمارے مذہب کا کھنڈن ہو رہا ہے اور ہمارے وہ معبود جن کی پرستش ہمارے آبا واجداد صدیوں سے کرتے آ رہے ہیں آج انہیں گالیاں دی جا رہی ہیں اور ان پر پھبتیاں کسی جا رہی ہیں کہ یہ سب باطل وفاسد ہیں، ان میں کوئی وصف وکمال نہیں، اس لئے کہ یہ بے جان پتھر ہیں، بھلا بے جان پتھر جس میں ذرہ برابر بھی حرکت کرنے کی صلاحیت نہیں وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے؟ جو ایک حقیر سی مکھی سے اپنی مدافعت نہیں کر سکتا وہ پوری قوم کی حفاظت کیا کرے گا؟ کیا میں

اس عالم ضعیفی میں یہی سب سنتی رہوں گی؟ میرے اندر اتنی تاب نہیں کہ میں اپنے معبودوں کے خلاف ایک بھی لفظ برداشت کرسکوں، میری رگوں کے خون خشک ہوچکے ہیں اور میری ہڈیاں جواب دے چکی ہیں، ظاہر ہے کہ اس بے بسی اور حرماں نصیبی کے عالم میں کوئی دفاعی کارروائی تو نہیں کرسکتی، اس لئے میں مکہ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ رہی ہوں، اب جنگل میں میرا بسیرا ہوگا، وہاں کوئی میرے معبودوں کے خلاف بکواس کرے گا اور نہ میں اس قسم کی باتیں سنوں گی، اسی طرح میں اپنی آخری عمر کا بقیہ حصہ اپنے معبودوں کی پرستش میں گزاردوں گی۔ میرے لئے زمین کا بچھونا اور آسمان کا شامیانہ کافی ہے، تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں، ہٹ جاؤ میری نگاہوں سے ہٹ جاؤ، تم اس قدر لاابالی اور بے غیرت ہوچکے ہو کہ تمہیں اپنے مذہب کی حفاظت کی کوئی فکر لاحق ہے نہ دین کا پاس اور نہ معبودوں سے ذرہ برابر عقیدت، لگتا ہے تمہیں سانپ سونگھ گیا ہے، لات و عزیٰ کا آشیرواد ہو ابوجہل اور ابولہب پر جنہوں نے اپنے شب و روز دینی خدمات میں وقف کررکھے ہیں، معبودوں کی حفاظت میں اپنی زندگی کا سارا اثاثہ قربان کردیا ہے۔ رات میں انہیں آرام ملتا ہے اور نہ دن میں سکون۔ ایک تم ہو کہ دین و مذہب کی فکر سے مکمل ماورا نظر آرہے ہو۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے یہی وہ بول تھے اور آپ کی یہی وہ عادات کریمہ تھیں جو کفر کی جڑوں کو کاٹ رہی تھیں۔ جو لوگ انسانیت کے لہو سے اپنی پیاس بجھایا کرتے تھے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چند سالہ دعوت و تبلیغ کے نتیجہ میں وہی لوگ انسانیت کے میر کارواں بن کر تاریخ کے دامن پر نمودار ہوئے۔ اخلاق نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باد بہاری نے عرب کی زمین سے کفر کی نجاستوں کو ہمیشہ کے لیے صاف کردیا۔ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انہیں اخلاقی نقوش کو سامنے رکھ کر قدسیؔ رقمطراز ہیں ؎

دیکھ کر ان کے بحرِ رحمت کو
غم نے ساحل پہ سر کو پھوڑ دیا

گردن کفر کو شہِ دیں کے
دستِ اخلاق نے مروڑ دیا
میرے آقا نے سارے مومن کو
ایک دھاگے میں قدسیؔ جوڑ دیا

ان کی تحریک سے سب حق کے پرستار بنے
آہ بھرتا رہا تاریک صنم کا رستہ

ان کی رحمت سے بنے وہ اخیار
شر کی کرتے تھے جو ایجاد بہت

ہوجاتا پاش پاش کلیجہ گناہ کا
جب چلتی ان کے خلق کی تلوار ایک بار

چشم زدن میں بہہ گئے ایوانِ کفر و شرک
آیا تھا رب کے نور کا سیلان ایک بار

ہوا کفر مسحور پل بھر میں قدسیؔ
زباں میں حلاوت ہے کس کی، نبی کی

ان کے خلق کا ہر ایک تیر
شر کے آر پار ہوگیا

دم بخود کر گئی کفار کو ہجرت ان کی

کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر اصحابِ پیمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکے بعد دیگرے سب کے سب مدینہ شریف کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔ مکہ معظّمہ میں صرف حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت مولائے کائنات رضی اللہ عنہ باقی رہ گئے تھے۔ انہیں بھی ہجرت کرنی تھی لیکن حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حکم الٰہی کا انتظار کر رہے تھے۔ دوسری طرف کفارِ مکہ کو اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ اب جلد ہی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بھی ہجرت کر جائیں گے۔ مدینہ طیبہ میں اہل ایمان کی بڑھتی ہوئی تعداد سے کفار مکہ ذہنی طور پر پریشان تھے۔ اسی سلسلے میں انہوں نے ''دارالندوہ'' میں رؤسائے مکہ کی ایک میٹنگ طلب کی۔ میٹنگ میں یہ بات زیر بحث آئی کہ مسلمان سب کے سب مدینہ جا چکے ہیں اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بھی دو چند روز میں جانے والے ہیں۔ کفار مکہ کے ذہنی کیفیات کو صاحب ''مدارج النبوۃ'' نے یوں بیان کیا ہے:

> جب مشرکین مکہ کو ترقی و کمال کے مبادیات اور انتظام مصالح کے احوال کے اسباب کا احساس ہوا اور انہوں نے صحابۂ کرام کے مدینہ کی جانب کوچ کر جانے کے نتائج پر غور کیا تو استدلال کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی یقینا یہاں سے تشریف لے جائیں گے تو وہ شر اور فساد کے لئے مشورت و عناد کی طرف متوجہ ہوئے، اس زمانہ میں ان اشرار کا سرخیل ابوجہل لعین تھا اور دیگر شیاطین بھی اس کے معاون بن گئے تھے، ابلیس لعین بھی ''شیخ نجدی'' کی صورت میں ان کا ساجھی بن گیا تھا۔ وہ ان کی مجلس مشاورت میں آ کر بیٹھا تھا، اس وقت کسی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مکہ سے تشریف لے جانے میں مصلحت کا مشورہ دیا، کسی نے قید کر دینے کا مشورہ دیا اور کسی نے قتل و ہلاک کر دینے کی رائے دی۔ جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے:

واذ یمکروا بک الذین کفروا یثبتوک او یقتلوک او

یخرجوک ویمکرون ویمکراللہ واللہ خیر الماکرین۔

اے محبوب اس وقت کو یاد کیجئے جب کہ کفار آپ کے بارے میں خفیہ طور پر منصوبہ باندھ رہے تھے کہ یا تو آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو نکال دیں۔ وہ بھی خفیہ باتیں کر رہے تھے اور اللہ بھی ان کے مکر کا بدلہ دینے میں تدبیر فرمارہا تھا اور اللہ بہترین مکاروں کو بدلہ دینے والا ہے۔

ابوجہل نے منصوبہ بنایا کہ پانچوں قبیلوں میں سے پانچ شخص لئے جائیں اور یہ پانچوں یکبارگی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر (معاذ اللہ) تلوار کی ضرب لگائیں ''بنی ہاشم'' ان متفرق قبیلوں سے قصاص و بدلہ لینے میں عاجز رہ جائیں گے'' شیخ نجدی (شیطان لعین) نے تمام رایوں کو گمراہ قرار دیا اور ابوجہل کی رائے کو پسند کیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان حالات کے مشاہدہ کے بعد اس ہجرت کا ارادہ فرمایا جو انبیا علیہم السلام کی سنت ہے۔ (مدارج النبوۃ، ج:۲،ص:۹۱۔۹۲)

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کفار مکہ کے پلان سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آگاہ فرمایا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت مولائے کائنات کو حکم دیا کہ آج تمہیں میرے بستر پر سونا ہے اور اہل مکہ کی جو امانتیں میرے پاس رکھی ہوئی ہیں انہیں واپس کر کے پھر مدینہ آجانا ہے۔ اس تعلق سے صاحب مدارج النبوۃ لکھتے ہیں:

جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ صبح کے وقت ہجرت کر جائیں تو شام ہی کو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ آج تم یہیں سونا تا کہ مشرکین شک و شبہ میں مبتلا ہو کر حقیقت حال سے باخبر نہ ہوں۔ لیکن اصل سبب حضرت علی مرتضی کو چھوڑنے کا یہ تھا کہ کفار قریش کی کچھ امانتیں حضور کے پاس رکھی ہوئی تھیں چونکہ وہ باعتقاد و دیانت اور بمشاہدۂ امانت حضور کے پاس امانتیں رکھا کرتے تھے اور حضور کو ''محمد امین

صادق'' کہا کرتے تھے۔ اس بنا پر حضور نے علی مرتضیٰ کو اپنے بستر استراحت پر لٹا دیا اور اپنی خاص چادر مبارک اوڑھا کر انہیں سلا دیا۔ لہٰذا حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں اپنی جان کو فدا کیا اور اپنے آپ کو حضور پر قربان ہونے کے لئے پہلے خود کو پیش کیا۔

(مدارج النبوۃ، جلد:۲،ص:۹۲-۹۳)

کاشانۂ نبوت کے چاروں سمت رات کی تاریکی میں کفار مکہ زہر میں بجھائی تلواریں لئے کھڑے تھے کہ معاذ اللہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) گھر سے نکلیں اور ہم ان کا خاتمہ کردیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مولائے کائنات کو اپنے بستر اقدس پر سلا کر اپنے سر مبارک پر چادر لپیٹ کر اپنے کاشانۂ اقدس سے باہر نکلے اور ایک مشت خاک پر سورۂ یٰسین شریف دم کر کے کفار مکہ کے سروں پر پھینک دیا۔ خاک کا سروں پر پڑنا تھا کہ ان کی آنکھوں کی روشنی ختم ہوگئی اور آپ وہاں سے اس طرح نکلے کہ کفار مکہ کو خبر بھی نہ ہوسکی۔ ابن حاتم کی روایت میں ہے جس کی تصحیح حاکم نے کی ہے کہ اس وقت جس کافر کے سر پر یہ خاک پڑی تھی وہ سب روز بدر ہلاک ہوگئے۔ اس واقعۂ ہجرت کی طرف قدسیؔ نے یوں اشارہ کیا ہے ؎

سازش قتل نبی قتل ہوئی پل بھر میں
دم بخود کرگئی کفار کو ہجرت ان کی

قرآن واحادیث کے صفحات پر عشق رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کھلے ہوئے خوشنما پھولوں سے قدسیؔ نے جرأت اظہار کشید کیا ہے۔ ان کے دبستان نعت کے مطالعہ سے قاری کو سب سے پہلا تاثر یہی ملتا ہے۔ ان کے یہاں بناوٹ اور بھرتی کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اکثر نعت گو شعراء تضاد بیانی کے شکار ملتے ہیں۔ ان کی ذات اور کلام میں بہت فاصلے ہوتے ہیں لیکن قدسی کا دامن حیات اس طرح کے داغ دھبوں سے بہت حد تک پاک ہے۔ ان کی زندگی کے بہت سارے نقوش راقم الحروف کے سامنے ہیں۔ قدسی کے اظہارات میں

بے پناہ لطافتیں ہوتی ہیں جو قاری کے دل کے تاروں کو چھیڑتی رہتی ہیں۔صداقتوں کے عرفان کے لئے ذیل کے چند اشعار دیکھیں ؂

سرکارِ دو جہاں کی محبت ہے زندگی
بس ان کے نام سے ہی عبارت ہے زندگی
اس دورِ پرفتن میں جو حق پر ڈٹا رہا
ذی شاں ہے اس کی ذات کرامت ہے زندگی
ہر لمحہ ان کی یاد میں کرتے رہو بسر
ان کے کرم سے رب کی امانت ہے زندگی
شاہد ہے اس پہ حضرتِ حسان کا عمل
نعتوں میں کھوئے رہنا عبادت ہے زندگی
ربِّ جہاں کا شکر ادا کیسے ہم کریں
قدسیؔ ہم ان کے ہیں یہ سعادت ہے زندگی

مندرجہ بالا اشعار احادیث کے مفاہیم کے ترجمان ہیں۔حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے بغیر ایمان کی کاملیت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔حالانکہ دورِ حاضر میں محبت کا غلط مفہوم تراشنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔نعروں کی کثرت کو محبت کی سند فراہم نہیں کی جا سکتی۔عشق انگاروں پر برہنہ پا ٹہلنے کا نام ہے۔عشق شعلوں پہ مسکراتے ہوئے گزر جانے کا نام ہے اور عشق تپتے ہوئے صحراؤں میں آبلہ پائی کا نام ہے۔عشق،محبوب کی اداؤں میں ڈوب جانے کا نام ہے ؂

کھو گیا جب بھی ان کی یادوں میں
رحمتوں کو میری تلاش رہی
ان کی تحریرِ محبت چھا گئی
دل کا کاغذ جب بھی سادہ ہو گیا

قدسیؔ کے کلام کا ہر لفظ فن اور عشق کی دہلیز پہ سجدہ ریز ہوتا ہے۔ نقادان سخن کی ریشہ دوانیوں سے دنیا کا کوئی فنکار بچا نہیں ہے۔ بقول صاحبان نقد و نظر قدسی بھی تسامحات کے شکار ہوئے ہیں۔ لیکن قدسیؔ اس چیز کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ جن خامیوں کی طرف نشاندہی کی گئی ہے وہ ناشرین کی کرم فرمائیاں ہیں۔ ان کی بات بہت حد تک درست بھی ہے۔ اس لئے کہ بڑے بڑے مشاہیر ناقدین ادب نے ان کے کلام کو سند جواز فراہم کیا ہے۔ اس تعلق سے راقم الحروف کا مقالہ ''قدسیؔ کی نعت گوئی اکابر ادب کی نظر میں'' دیکھا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر کرامت علی کرامتؔ لکھتے ہیں:

> ''یہ کہنا مشکل ہے کہ سید اولادرسول قدسیؔ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں یا نعت کے۔ شاید ان دونوں اصناف کو انہوں نے ایمانداری اور خلوص مندی کے ساتھ برتا ہے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد ابھرنے والے تمام جدید تر شاعروں میں قدسیؔ کا ایک اہم مقام ہے۔ ان کے کئی نعتیہ مجموعے چھپ چکے ہیں اور غزل کا مجموعہ زیر طبع ہے (ان کی غزلوں کا مجموعہ ''رفتہ رفتہ'' کے نام سے حال ہی میں منظر عام پر آیا ہے) ان کی غزلوں میں تشبیہات واستعارات کی رنگارنگی اور پیکر تراشی کی ندرت ان کی تخلیقی بصیرت پر دال ہے۔ اس سے قبل ان کی نعت گوئی مجروح سلطان پوری، علی سردار جعفری، کالی داس گپتا رضا اور عنوان چشتی جیسے اکابر ادب سے داد تحسین وصول کرچکی ہے۔ ان کا یہ نعتیہ مجموعۂ کلام عام نعتیہ دیوانوں سے ہٹ کے اپنی الگ شناخت رکھتا ہے۔''

قدسیؔ نے اس وقت نعت گوئی کی شعلہ بردوش وادی میں قدم رکھا تھا۔ جب ان کا دامن حیات دینی علوم ومعارف کی دولت سے بہت حد تک خالی تھا۔ اس کے باوجود اس دور کی ان کی شاعری پر بھی قرآن واحادیث کے مفاہیم کا غلبہ ہے۔ اسے والدین کی تربیت اور خاندانی ماحول کا اثر ہی کہا جاسکتا ہے۔ قدسیؔ شاعر فطرت ہیں۔ خود لکھتے ہیں ؎

یہ فیضان ہے تیری نسبت کا آقا
جو ہونٹوں پہ قدسیؔ کے تیری ثنا ہے

''صادق ہیں بے مثال مہذب امین ہیں''

اعلان نبوت سے قبل اہل مکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔اس زمانے میں اہل مکہ آپ کی اخلاقی برتری کے معترف تھے اور آپ کو امین وصادق کہا کرتے تھے لیکن جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نبوت و رسالت کا اعلان فرمایا تو پورا ماحول آتش فشاں بن گیا۔سب کے سب آپ کی جان کے دشمن بن گئے۔ پھر بھی وہ آپ کی پاکیزگی اور صداقت کے قائل تھے اور اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھا کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ہجرت کی شب مولائے کائنات کو بلا کر فرماتے ہیں کہ آج تم یہی سونا، اہل مکہ کی امانتیں میرے پاس ہیں۔ان امانتوں کو ان کے سپرد کر کے مدینہ آجانا۔حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابتداء ہی سے اہل مکہ میں صادق وامین کہے جاتے تھے۔اس سلسلے میں متعدد حدیثیں آئی ہیں۔ان میں سے چند ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

> ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی ''امین'' اس بنا پر رکھا گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تمام اخلاق صالحہ جمع کر دیے گئے تھے۔جب قریش کے چار قبیلوں میں تعمیر کعبہ کے وقت حجر اسود کو اپنی جگہ نصب کرنے میں اختلاف رونما ہوا تو سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ علی الصباح جو سب سے پہلے خانۂ کعبہ میں داخل ہو وہ جو کچھ حکم کرے اس پر ہم سب راضی ہوں گے۔تو اس وقت سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم داخل ہوئے۔اس پر وہ سب کہنے لگے یہ تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہیں۔یہ امین ہیں۔یہ جو کچھ فیصلہ فرمائیں گے ہم سب کو منظور ہوگا، چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک چادر

منگوائی اور اس کے درمیان میں حجر اسود کو رکھا اور چادر کے چاروں کونوں کو چاروں قبائل کے سرداروں کو تھما دیا اور خود اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی اپنی جگہ نصب فرما دیا۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: واللہ انی الامین فی السماء و امین فی الارض- خدا کی قسم میں یقیناً آسمان میں بھی امین ہوں اور زمین میں بھی امین ہوں۔

منقول ہے کہ اخنس بن شریک روز بدر ابوجہل سے ملا اور کہا اے ابوالحکم (ابو جہل کی کنیت ہے) اس جگہ میرے اور تمہارے سوا (تیسرا) کوئی شخص نہیں ہے جو کہ ہماری باتوں کو سنے۔ مجھے بتاؤ کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) صادق ہیں یا کاذب؟ تو اس ملعون نے کہا خدا کی قسم بلاشبہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) راستی پر ہیں اور وہ صادق ہیں۔ ہرگز دروغ گو نہیں۔

ہرقل بادشاہِ روم نے ابوسفیان سے اس حدیث میں جس میں حضور کے اوصاف و احوال کے بارے میں اس نے سوال کئے اور آپ کی نبوت پر اس نے استدلال کیا ہے، دریافت کیا، کیا تم ان میں سے تھے کہ اس مرد کو متہم بالکذب گردانتے تھے۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے دعوئ نبوت سے پہلے ایسا جانتے تھے۔ ابوسفیان نے جواب دیا خدا کی قسم انہوں نے کبھی دروغ گوئی نہ کی۔ ہرقل نے کہا جب یہ بات ہے تو یہ ذات خدا پر دروغ گوئی کیسے باندھ سکتی ہے۔ ہرقل کی یہ بات علامات نبوت کی معرفت میں مفید ترین چیز ہے۔

نصر بن حارث نے قریش سے کہا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تمہارے سامنے خورد سال سے جوان ہوئے، تمہارے کاموں میں تمہارے محبوب و پسندیدہ، قول و قرار میں تم سب سے زیادہ صادق ترین اور دیانت و امانت

میں تم سب سے زیادہ عظیم ترین رہے اور اب جب کہ تم ان کی کنپٹیوں کے
بالوں میں آثار پیری دیکھ رہے ہو اور تمہارے پاس دین و ملت کی باتیں
لے کر تشریف لائے ہیں تو تم انہیں جادوگر (ساحر) کہتے ہو۔نہیں خدا کی قسم
وہ ساحر نہیں ہیں۔

حارث بن عامر ان شریر لوگوں میں سے تھا جو لوگوں کے سامنے حضور صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکذیب کیا کرتا تھا لیکن جب یہ گھر والوں کے ساتھ
تنہائی میں ہوتا تو کہتا خدا کی قسم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جھوٹ بولنے
والوں میں سے نہیں۔ (مدارج النبوۃ، جلد:۱،ص:۱۰۵)

قدسیؔ نے انہیں واقعات کی یوں ترجمانی کی ہے:

خونخوار دشمنوں کو بھی ہے ان پہ اعتماد
صادق ہیں بے مثال مہذب امین ہیں

آقا کی طرح دہر میں ذی جاہ نہیں ہے

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوقات الٰہی میں سب سے افضل و اعلیٰ اور برتر و بالا ہیں۔رب کائنات نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام فضائل و کمالات کا جامع بنایا ہے۔ساری کائنات آپ کے نور سے پیدا کی گئی۔آپ تمام اولاد آدم کے سردار اور تمام انبیا و رسل کے امام و پیشوا ہیں۔مخلوقات میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات تمام خیرات و برکات کی قاسم ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبوت و رسالت کے آفتاب ہیں اور سارے انبیا و رسل ستارے۔باب شفاعت سب سے پہلے آپ ہی کے لئے کھولا جائے گا۔ اس سلسلے میں حضرت امام قسطلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مواہب میں بحوالہ ابن مرزوق فرماتے ہیں:

''ہر نبی کا معجزہ نور محمدی سے مستفاد ہے اور اس عطا کے باوجود سرچشمۂ نور
میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خورشید رسالت

ہیں اور دیگر انبیاء کرام اسی نظام شمسی کے ستارے ہیں وہ ظلمتوں میں اسی آفتاب کی روشنی ظاہر کرتے رہے۔ وجہ یہ ہے کہ ستارے بذات خود روشن نہیں ہوتے بلکہ روشنی کے لئے وہ سورج کے محتاج ہیں اور سورج جب اوجھل ہوتا ہے تو وہ اس کی روشنی پھیلاتے ہیں۔ اس طرح انبیاء کرام علیہم السلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے نورِ کمال کو ظاہر کرتے رہے۔ لہٰذا جس قدر انوار ان کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے وہ سب نور محمدی کا فیضان اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امداد کا ثمرہ ہے۔ اس فیضان کا پہلا ظہور آدم علیہ السلام کی ذات میں ہوا کہ اللہ نے انہیں خلیفہ بنایا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوامع کلمات میں سے اسماء کے ذریعہ ان کی امداد فرمائی تو اس علم اسماء کے ذریعہ انہیں ان فرشتوں پر غلبہ حاصل ہوا، جنہوں نے انسان کو فسادی اور خوریز قرار دیا تھا، پھر خلافت ارضیہ کا یہ سلسلہ جاری رہا تا آنکہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسمانی ظہور کا زمانہ آ گیا تاکہ شانِ رسالت محمدیہ کا ظہور تام ہو۔

پھر جب شمس نبوت افق جہاں پر جلوہ گر ہوا تو نبوت کا ہر نور اس کے انوار میں جذب ہو کر رہ گیا اور دیگر انبیاء کرام کے نشانات نبوت اس کے معجزات میں گم ہو گئے۔ تمام رسالتیں اور نبوتیں اس کے لوائے رسالت کے سائے میں جمع ہو گئیں اور فرداً فرداً جس کو جو فضیلت و کرامت بخشی گئی اس کی مانند حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا کی گئیں۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، جلد:۱، ص:۴۷-۴۸)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام مخلوقات پر فضیلت و برتری کے بے شمار شواہد قرآن و احادیث، آثار صحابہ و صالحین کی تصانیف میں موجود ہیں۔ حضرت جامی نے

اسے ایک نعتیہ شعر میں یوں پیش کیا ہے ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضاداری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آقائی وسرداری کا یوں اظہار فرمایا ہے:

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیب تنا ہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختمِ سخن اس پر کردیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

حدیث پاک ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''میں روز قیامت اولاد آدم کا سردار ہوں گا، لوائے عہد میرے ہاتھ میں ہوگا، آدم اور دیگر لوگ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے میرے لئے زمین شق ہوگی۔ یہ باتیں بلا فخر کہہ رہا ہوں۔ (ترمذی شریف)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل امین علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور عرض کیا۔ آپ کا رب ارشاد فرما رہا ہے کہ اگر میں نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ بنایا تو اے محبوب! تجھے اپنا حبیب بنایا ہے۔ میں نے کوئی مخلوق تجھ سے زیادہ مکرم ومعزز پیدا نہیں کی بلکہ دنیا اور اہل دنیا کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ انہیں اپنی

بارگاہ میں تیری عزت وکرامت اور جاہ ومنزلت دکھاؤں، اگر تجھے پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں دنیا ہی کو صفت وجود عطا نہ کرتا۔ (ابن عساکر)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا! یا رسول اللہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ نبی ہیں۔ یہاں تک کہ آپ نے اس امر کا یقین کرلیا، فرمایا اے ابوذر! میرے پاس دو فرشتے آئے۔ میں اس وقت بطحائے مکہ کے کسی مقام پر تھا۔ ایک فرشتہ زمین پر اترا اور دوسرا آسمان و زمین کے درمیان رہا، ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا، کیا یہ وہی ہیں، دوسرے نے جواب دیا ہاں! کہا ان کا ایک آدمی کے ساتھ وزن کرو، تو میرا ایک شخص کے ساتھ وزن کیا گیا اور میں اس میں بھاری رہا، اس نے کہا اب ان کو دس آدمیوں کے ساتھ تولو، تو مجھے دس آدمیوں کے ساتھ تولا گیا تو میں ان سے بھی بھاری رہا، اسی طرح مجھے سو اور ہزار آدمیوں کے ساتھ تولا گیا۔ تو میں ان سے بھی وزنی نکلا، میں اس وقت دیکھ رہا تھا کہ وہ لوگ خفت میزان کے باعث بکھر رہے تھے، پھر اس فرشتے نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اب ان کا ساری امت کے ساتھ وزن کرو، تو امت کے ساتھ تولنے پر بھی میرا پلڑا بھاری رہا۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، جلد:۱،ص:۲۷)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوسرے انبیاء ورسل پر امتیازات تو بے شمار ہیں، ان میں سے یہاں چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ کریں:

(۱) آپ کی دشمنوں کے مقابلہ میں ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ نصرت وامداد کی گئی۔

(۲) آپ کو جامع کلمات عطا کئے گئے۔

(۳) آپ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں۔

(۴) مغیبات خمسہ کے علاوہ ہر شئے کا علم بخشا گیا، بعض ائمہ کے نزدیک ان پانچوں مغیبات کا علم بھی عطا کر دیا گیا، حتی کہ روح کا علم بھی مگر اسے پوشیدہ رکھنے کا حکم ہوا۔

(۵) دجال لعین کے حالات آپ پر کھول دیئے گئے جب کہ دیگر انبیاء پر یہ راز منکشف نہ ہوا۔

(۶) آپ کا نام اقدس احمد رکھا گیا۔

(۷) حضرت اسرافیل علیہ السلام نے آپ کی بارگاہ میں حاضری دی۔

(۸) نبوت وسلطنت دونوں کو آپ کے لئے یکجا کر دیا گیا۔

(۹) تلوار وسلطنت کا اجتماع بھی آپ کی فضیلت ہے۔

(۱۰) قوت وطاقت میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔

(۱۱) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خالی پیٹ سوتے اور صبح شکم سیر اٹھتے۔

(۱۲) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طہارت کا ارادہ فرماتے اور پانی کی عدم موجودگی کی وجہ سے انگشتان مبارک دراز کرتے تو ان سے پانی رواں ہو جاتا۔

(۱۳) زمین آپ کے قدموں کے سامنے سمٹ جاتی۔

(۱۴) آپ کی پشت مبارک سے بار گراں اتار دیا گیا۔

(۱۵) آپ کا ذکر مبارک بلند کیا گیا۔

(۱۶) آپ کو شرح صدر کا اعزاز ملا۔

(۱۷) اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام اقدس کو اپنے نام کے ساتھ ملایا۔

(۱۸) حالت حیات میں آپ کو مغفرت کی نوید جاں فزا سنائی۔

(۱۹) آپ حبیب الرحمان اور ''سردار بنی آدم'' ہیں۔

(۲۰) آپ اللہ کی بارگاہ میں تمام خلائق سے زیادہ معزز ومکرم ہیں۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، جلد:۱، ص:۱۳۷-۱۳۸)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہر وصف میں بے نظیر ہیں، مملکت الٰہی کے

وہ تنہا فرماں رواں ہیں، ان کی بادشاہت کائنات کے ہر ذرّے پر مسلم ہے، ان کی اطاعت و محبت نجات کی ضامن ہے، ہر مخلوق آپ کی رعایہ اور غلام ہے، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

ملک کونین میں انبیاء تاجدار
تاجداروں کا آقا ہمارا نبی
لامکاں تک اجالا ہے جس کا وہ ہے
ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی
سارے اچھوں سے اچھا سمجھئے جسے
ہے اس اچھے سے اچھا ہمارا نبی
سارے اونچوں سے اونچا سمجھئے جسے
ہے اس اونچے سے اونچا ہمارا نبی

لا و رب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی
ہم بھیکاری وہ کریم ان کا خدا ان سے فزوں
اور نا کہنا نہیں عادت رسول اللہ کی

چاند شق ہو، پیڑ بولیں جانور سجدہ کریں
بارک اللہ مرجعِ عالم یہی سرکار ہے

(حدائق بخشش)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! میں اولادِ آدم کے بہترین زمانوں میں قرن درقرن منتقل ہوتا ہوا اس زمانے میں مبعوث ہوا جس زمانہ میں اب ہوں۔

(بخاری شریف)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کو منتخب فرمایا، پھر کنانہ میں سے قبیلہ قریش کا انتخاب فرمایا اور قریش میں سے ہاشم کو چن لیا اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمالیا۔(مسلم)
ابونعیم اور طبرانی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا! میں نے زمین کے مشرق، مغرب الٹ پلٹ کر دیکھے۔ مجھے کوئی شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل نظر نہ آیا، نہ کوئی گھرانا بنو ہاشم سے بہتر پایا، حافظ ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ صحت حدیث کی روشنیاں متن کے صفحات پر جلوہ گر ہیں۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، جلد: ۲،ص: ۷۰۔۷۱)

اس حدیث کے تحت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

یہی بولے سدرہ والے چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے تیرے پایہ کا نہ پایا

(حدائق بخشش)

یعنی مذکورہ بالا تمام شواہد سے اس بات کی بھرپور توثیق ہوتی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلائق میں سب سے بہتر، سب سے افضل، سب کے مولیٰ اور پیش خالق سب سے محبوب تر ہستی ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے قیام قیامت تک جس کو جو کچھ ملا ہے اور ملے گا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے وسیلے سے، انہی سارے شواہد کی روشنی میں قدسیؔ نے تحریر کیا ہے ؎

آقا کی طرح دہر میں ذی جاہ نہیں ہے
مملوک ہیں سب ان کے کوئی شاہ نہیں ہے

سب سے یہی کہتا ہے یہ میدانِ قیامت
آج ان کی شفاعت کے سوا راہ نہیں ہے
جب تجھ پہ ہیں وہ سایہ فگن قدسیِؔ احقر
پھر حشر بھی تیرے لئے جانکاہ نہیں ہے

سارے نبیوں کے مراتب ہیں مسلم قدسیؔ
میرے آقا کی طرح ان میں کمالات کہاں

قدسیؔ کی پختہ کاری اور بالغ نظر کے شواہد ان کے کلام کے ہر لفظ سے مترشح ہے۔ کاغذ کے سینے پر جانِ جانانِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کی جو مینا کاری انہوں نے کی ہے ان کے ہمعصروں میں اس کی مثال بہت مشکل سے ملے گی، وہ نعتیہ فکر کو ہر فکر سے افضل تسلیم کرتے ہیں۔ خود لکھتے ہیں ؎

نعت گوئی کی طرح دنیا میں
شاعری، فکر و فن خیال کہاں

نعتوں میں کھوئے رہنا عبادت ہے زندگی

نعت گوئی عبادت ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے سب کا شمار نعت خوانِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہوتا ہے، خود خالقِ کائنات اپنی شان کے مطابق اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت بیان فرماتا ہے، قرآن حکیم کے تیس پارے اس کے گواہ ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ بات خوب اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ جب کچھ نہیں تھا صرف اور صرف خدا تھا۔ اس وقت بھی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت بیانی ہوتی تھی اور جب کچھ نہ ہوگا صرف خدا ہوگا۔ اس وقت بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا رہے گا، اس سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ نعت گوئی کی تاریخ بہت قدیم ہے۔

نعت گوئی میں ہوتا کیا ہے؟ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات و کمالات، اختیارات وتصرفات اورآپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاکیزہ اداؤں (آپ کی ہر ادا پاکیزہ ہے) کوشعر کے قالب میں ڈھالا جاتا ہے۔ اگرانہیں چیزوں کوکوئی نثر میں بیان کرتاہےتواسے بھی نعت گو کی صف میں شمار کیا جائے گا۔

نعت گوئی کوخود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعتیہ اشعار اور کفار کی مذمت منظوم کر کے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں لاتے تھےتو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے لئے مسجد نبوی شریف میں منبر بچھواتے تھے، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر کھڑے ہوکر نعت سنایا کرتے تھے اور آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی دعاؤں سے فیضیاب فرماتے تھے ”اللہم ایدہ بروح القدس“ اے اللہ حسان کی روح القدس کے ذریعہ امداد فرما، نعت خوان دربارِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اور بھی صحابہ کے اسماء آتے ہیں۔ سب کے سب دعاؤں سے نوازے جاتے تھے۔

حرت حسان رضی اللہ عنہ کے کچھ اشعار ذیل میں ملاحظہ ہو۔

تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ کوئی زمانہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعت خوانوں سے خالی نہیں رہااور جس کی نعت گوئی کو بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سند قبولیت مل گئی ہے۔ اسے بے پناہ انعام واکرام سے بھی نوازا گیا ہے، اس سلسلے میں روایات کثرت سے ملتی ہیں۔ صاحب قصیدہ بردہ فالج کے شکار ہوئے، کوئی دوا اور کوئی علاج کارگر نہ ہوتا تھا، مجبور ہوکر سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں قصیدہ تحریر کیا، وہ قصیدہ بارگاہ رسالت میں مقبول ہوا یعنی نصیبہ بیدار ہوگیا، خواب میں اس قصیدے کوسرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کھڑے ہوکر سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جسم پر اپنا دست شفقت پھیرا اور انعام کے طور پر ایک چادر بھی عطا کی۔

جب آنکھ کھلی تو اپنے کو ہر طرح سے صحت یاب پایا اور چادر شریف بھی سامنے رکھی ہوئی دیکھی۔اسی لئے اسے قصیدہ بردہ کہتے ہیں۔اس قصیدہ کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ دنیا کے مختلف بلاد وامصار میں بلا ناغہ پڑھا جاتا ہے اور پڑھنے والے بھی دربارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ حصہ ضرور پاتے ہیں۔اسی لئے قدسیؔ رقمطراز ہیں ؎

شاہد ہے اس پہ حضرتِ حسان کا عمل
نعتوں میں کھوئے رہنا عبادت ہے زندگی

قدسیؔ مجھے کریں گی عطا امنِ اخروی
افکارِ نعتیہ کی یہ انجمن کی نکہتیں

قدسیؔ میں شاعری میں گزاروں نہ وقت کیوں
افکارِ نعت مصطفی اشغالِ دین ہیں

نعت گوئی کا قدسیؔ یہ فیضان ہے
پھیلتی جارہی ہے قلم کی ہوا

لپٹی ہے ہر اک لفظ سے کونین کی نعمت
قدسیؔ یہ فقط نعتیہ دیوان نہیں ہے

کمالات ان کی زباں کے عجب ہیں

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان پاک میں جو شیرینی، مٹھاس اور حلاوت تھی اس کی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کی جاسکتی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہر وصف میں لاشریک تھے، دشمن بھی آپ کی زبان کی اثر پذیری کے قائل تھے، جو شخص آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیان کو سن لیتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا، اعلانِ نبوت و رسالت کے بعد

کفار مکہ شدید اضطرابی کیفیت سے دوچار تھے، انہیں ایک غم یہ تھا کہ ان کے خود ساختہ خداؤں کا بھرم ٹوٹ رہا ہے۔ دوسرے ان کا اپنا مذہبی رکھ رکھاؤ ختم ہورہا ہے، تیسرے آقا و غلام، چھوٹے اور بڑے، ادنیٰ اور اعلیٰ کی تمیز مٹائی جارہی ہے۔ یہی وہ اسباب تھے جن کے باعث وہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت وتبلیغ کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہے تھے، کفار مکہ آپ کی زبان مبارک کی حلاوت سے بھی حد درجہ خائف تھے، وہ دیکھتے تھے کہ جو شخص محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے باتیں کر لیتا ہے انہیں کا ہو جاتا ہے۔ اس لئے ان کی پوری کوشش ہوتی کہ کوئی آپ سے ملنے نہ پائے۔ باہر سے جو وفود مکہ آتے ان پہ ان کی سخت نگاہ ہوتی، ان وفود پر پہرے لگا دیئے جاتے، ایام حج میں اس تعلق سے اور شدت آجاتی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب بھی کسی وفد کے آنے کی خبر ملتی آپ اس وفد سے ملنے کی کوشش فرماتے تاکہ دین کی دعوت ان کے سامنے پیش کی جائے۔ کفار مکہ اس بات سے پریشان ہوتے کہ اگر کسی وفد نے ان کی باتیں سن لیں اور ان کی دعوت کو قبول کر لیا تو ان کا پیغام مکہ سے باہر عام ہونے لگے گا، اس لئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بھی کسی وفد سے ملنے کے لئے گھر سے نکلتے تو کفار مکہ پہلے سے جا کر آپ کے خلاف وفد کے کان بھر دیتے، پھر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا دعوتی کام کر جاتے۔ لوگ آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے اور جب آپ ان سے گفتگو فرماتے تو لوگ ہمہ تن گوش ہو کر آپ کی باتوں کو سنتے اور اس کا اثر لئے بغیر نہ رہتے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان کی اثر پذیری کے حوالے سے اصغر علی چودھری لکھتے ہیں:

> ان کے مخالفین کو اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت بڑی پرکشش اور جاذب ہے۔ ان کا کلام اپنی شیرینی، فصاحت و بلاغت اور حسنِ ادا و حسن معانی کی وجہ سے سامعین کو متاثر کرنے کی زبردست قوت اور کشش رکھتا ہے، قرآن مجید کی تاثیر سے بھی وہ بہت

مرعوب تھے لیکن اس کا اعتراف کرنے سے کتراتے تھے، ان لوگوں کو یہ خطرہ ہر وقت لاحق رہتا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دعوت حق کی تبلیغ سے نہ روکا گیا تو ایک وقت ایسا بھی آجائے گا جب کثرت سے لوگ مسلمان ہو جائیں گے اس لئے وہ ایسی تجویزیں سوچتے رہتے تھے جن پر عمل کر کے وہ اپنا مقصد حاصل کر سکیں۔''

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، غارِ حرا سے غارِ ثور تک، ص: ۸۲)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ سے جب کفار مکہ شدید عاجز ہو گئے تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک نمائندہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھیجا جائے اور ان کی رائے معلوم کی جائے، نمائندگی کے لئے کفار مکہ نے 'عتبہ بن ربیعہ' کو منتخب کیا۔ اس لئے کہ وہ تمام اصناف سخن کے نشیب و فراز سے خوب اچھی طرح واقف تھا، عتبہ بن ربیعہ نے عمائدین مکہ کے فیصلے کو تسلیم کیا اور حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اس نے آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اپنی باتیں رکھیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی باتیں سننے کے بعد قرآن حکیم کی کچھ آیتیں سنائیں، جب عتبہ بن ربیعہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے واپس آیا تو عمائدین مکہ کے سامنے اس نے جو بیان دیا وہ کچھ اس طرح ہے:

خدا کی قسم میں نے ایک ایسا کلام سنا کہ کبھی اس سے پہلے نہ سنا تھا، بخدا نہ یہ شعر ہے، نہ سحر نہ کہانت۔ اے اہل قریش میری بات مانو اور اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو، میں سمجھتا ہوں کہ یہ کلام رنگ لا کر رہے گا۔ فرض کرو اگر عرب اس پر غالب آگئے تو اپنے بھائی پر ہاتھ اٹھانے سے تم بچ جاؤ گے اور دوسرے اس سے نمٹ لیں گے لیکن اگر وہ عرب پر غالب آگیا تو اس کی بادشاہی تمہاری بادشاہی اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی۔''

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غارِ حرا سے غارِ ثور تک، ص: ۹۲)

حضرت ضماد کا شمار قبیلۂ بنواز د کے رئیسوں میں ہوتا تھا۔ بڑے حلیم اور بر باد تھے۔ وہ اکثر مکہ آتے رہتے تھے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے دوستوں میں تھے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد جب مکہ ان کی تشریف آوری ہوئی تو اہل مکہ نے انہیں بتایا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنون کے شکار ہو گئے ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت ضماد کو شدید افسوس ہوا، انہوں نے اہل مکہ سے بتایا کہ میں ابھی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جا کر جنون ٹھیک کر دیتا ہوں چنانچہ وہ اہل مکہ کی مجلس سے اٹھے اور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں حاضر ہو گئے، آقائے کائنات نے انہیں دیکھا تو آپ کو بے پناہ مسرت ہوئی۔ کچھ دیر تک آپس میں یونہی رسمی باتیں ہوتی رہیں پھر حضرت ضماد گویا ہوئے:

''میں نے سنا ہے کہ آپ کو جنون کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں اگر واقعی ایسا ہو گیا ہے تو میں ابھی جھاڑ پھونک کا کرشمہ دکھاتا ہوں، آپ فوراً ٹھیک ہو جائیں گے، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تمام ستائش اللہ کے لئے ہے، ہم اسی کی ستائش کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا غلط راستہ پر ڈال نہیں سکتا اور جسے اللہ راستے سے پھرا دے اسے کوئی ہدایت کرنے والا سیدھے راستے پر نہیں ڈال سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یگانہ و یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، ضماد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہ کلام سن کر مبہوت رہ گئے۔ انہیں جھاڑ پھونک کرنے کا ہوش تک نہیں رہا۔ انہوں نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اصرار کر کے تین بار یہ کلام سنا اور بے اختیار بول اٹھے:

خدا کی قسم میں نے ایسا کلام کبھی نہیں سنا۔ میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے، شاعروں کا کلام سنا ہے، ساحروں کا کلام سنا ہے مگر ایسا کلام نہیں سنا۔ یہ تو سمندر کی تہہ تک پہنچتا ہے۔

پھر انہوں نے اسلام قبول کیا اور اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے
آپ کے ہاتھوں پر بیعت کی۔
(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غارِ حرا سے غارِ ثور تک، ص: ۱۴۰-۱۴۱)

حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام سے پہلے یہود کے بہت بڑے عالموں میں شمار ہوتا تھا، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد جب ان کی مکہ آمد ہوئی تو کفار مکہ نے انہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ساری تفصیل بتائی اور کہا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باتوں میں بڑی حلاوت ہے، جو ان کی باتیں سن لیتا ہے وہ انہیں کا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا آپ کی کوشش یہ رہے کہ ان کی باتیں آپ کے کان تک نہ پہنچیں، کفار مکہ کے کہنے کے مطابق آپ نے یہ راستہ اپنایا کہ جب مکہ کی گلیوں سے گزرتے تو اپنے کانوں میں روئی ڈال لیتے تاکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز آپ کے کانوں تک نہ پہنچے۔ لیکن انہیں یہ عمل اچھا نہ لگا، انہوں نے دل میں سوچا کہ میں خود عالم ہوں، اصناف شعری سے واقف ہوں اور اچھی بری باتوں میں تمیز کی صلاحیت ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے کانوں سے روئی نکال پھینکا، ایک روز وہ حضور سید عالم کے قریب سے گزرے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن حکیم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جیسے ہی سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز آپ کے کانوں سے ٹکرائی آپ ٹھہر گئے اور کچھ دیر تک بغور سنتے رہے، پھر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب ہوئے، حضور نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور آپ نے بخوشی قبول کرلیا۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان کے تعلق سے اس طرح کے بہت سارے واقعات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ قدسیؔ نے ایسے ہی واقعات کی روشنی میں یہ شعر کہا ہے ؎

کمالات ان کی زباں کے عجب ہیں
کہ گرویدہ مخلوق میں سب کے سب ہیں

کون کرتا ہے مالا مال کہاں

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے در پاک سے کبھی کوئی سائل بے مراد نہیں لوٹا۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جود وسخا اور داد و دہش کا سمندر ہر وقت موجزن رہتا،آپ سائل کو اتنا دیتے کہ اس کا دامن تنگ ہو جاتا۔اس حوالے سے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرّہ تیرا

(حدائق بخشش)

جود وسخا لغت میں ہم معنی ہیں،اس کی تائید قاموس سے ہوتی ہے۔''قاموس'' میں ہے جود،سخا اور سخا،جود ہے،''صراح'' میں جود وسخا جواں مردی کے معنی میں آیا ہے،'جود' کی ضد 'بخل' ہے اور 'بخل' اکتسابی عمل ہے،ہر سخی جواد ہے اور ہر جواد سخی نہیں،جواد اسے کہتے ہیں جو بغیر کسی غرض کے داد و دہش کرے اور یہ صفتِ کریمہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہے،اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی غرض کے اپنے بندوں کو ظاہری و باطنی اور حسی و عقلی کمالات عطا فرماتا ہے اور رب کائنات کے بعد سب سے بڑے جواد ہمارے آقا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد علمائے کرام ہیں۔اس کی تائید میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے:اللہ اجود جودا ثم انا اجود بنی آدم و اجودہم من بعدی رجل علم علما ونشرہ۔

اللہ سب سے بڑا اجواد ہے۔پھر بنی آدم میں سب سے بڑا اجواد میں ہوں اور میرے بعد بنی آدم میں وہ مرد جو علم کو سکھائے اور اسے پھیلائے۔ (مدارج النبوۃ،ج:۱،ص:۹۱)

حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ اس عنوان کے تحت کرم اور سماحت کو زیادہ

کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جود وکرم، سخاوت اور سماحت ان سب کے معنی قریب قریب ہیں، مگر علماء فرق کرتے ہیں، تفصیل کے لئے ''مدارج النبوۃ'' جلد اول دیکھئے، حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ آگے فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام ایسے اخلاق وصفات جن سے سب واقف ہوتے تھے، اس میں کسی کے ساتھ ہمسری و برابری نہ کی جاتی تھی۔

بخاری و مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ حسین، بہادر اور اجود تھے۔ اس کی وجہ سے آپ کی ذات اشرف نفوس اور آپ کا مزاج سب سے زیادہ معتدل المزاج تھا اور جوان خوبیوں سے متصف ہو اس کا فعل احسن افعال، اس کی صورت اصلح اسکال اور اس کا خلق احسن اخلاق ہوگا، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملہ جسمانی وروحانی کمالات کے جامع اور خوبصورتی وخوب سیرتی پر حاوی تھے اور سب سے زیادہ کریم، سب سے بڑھ کر سخی اور سب سے بڑھ کر جود والے تھے۔ (مدارج النبوۃ، ج:۱،ص:۹۲)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اجود الناس (بالخیر) وکان اجود مایکون فی رمضان حین یلقاہ جبرئیل وکان یلقاہ فی کل لیلۃ من رمضان (فیسلخ) فیدارسہ القرآن (فاذا لقیہ جبرئیل) کان اجود بالخیر من الریح المرسلۃ۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی سخاوت سب سے زیادہ رمضان میں ہوتی تھی۔ جب جبرئیل ملاقات کرتے تو وہ رمضان کی ہر رات میں آپ سے ملاقات کر کے قرآن کا دور کیا کرتے، یہ سلسلہ رمضان کے ختم ہونے تک رہتا، جب جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے اس وقت آپ بہتی ہوا سے بھی زیادہ خیر رساں ہوتے۔

(۱) صاحب نزہۃ القاری نے اس حدیث پاک کی بڑی نفیس تشریح فرمائی ہے، آپ

لکھتے ہیں کہ

اجود الناس: اجود، جود کا اسم تفضیل ہے، جود کے معنی ''اعطاءما ینبغی لمن ینبغی'' کسی کو اس کے لائق کوئی چیز دینا، اسی کو سخاوت بھی کہتے ہیں، اجود الناس کے معنی ہوتے ہیں سب لوگوں سے زیادہ سخی، اس حدیث میں 'اجود الناس' فرمایا، اور 'ناس' اگرچہ انسان کے ساتھ مخصوص ہے، مگر اسے لازم ہے پوری مخلوق سے زیادہ سخی ہونا، جب تمام انسانوں سے زیادہ سخی ہیں تو تمام مخلوقات سے بدرجہ اولیٰ زیادہ سخی ہوئے

(۲) رمضان میں بہ نسبت اور دنوں کے آپ کی سخاوت اور بڑھ جاتی تھی، یعنی آپ بلا استثنا سارے جہاں سے زیادہ سخی تھے، مگر رمضان میں دوسرے دنوں کی بہ نسبت اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے، اس کا سبب یہ ہے کہ رمضان موسمِ رحمت ہے، ان دنوں رحمت الٰہی کا نزول بہ نسبت دوسرے دنوں کے زیادہ ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں فرمایا، اس کا اول رحمت اور اوسط مغفرت اور آخر جہنم سے آزادی ہے اور فرمایا، رمضان میں ایک فرض کا ثواب ستر (۷۰) فرض کے برابر اور نفل کا ثواب فرض کے برابر ہے۔ امام زہری نے فرمایا: رمضان میں ایک تسبیح دوسرے دنوں کی ستر تسبیح کے برابر ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا: رمضان کی ہر رات میں دس لاکھ جہنم سے آزاد ہوتے ہیں۔

رمضان میں سخاوت کی زیادتی اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی جب جبرئیل ملاقات کرتے، جبرئیل رمضان کی ہر رات میں ملاقات کرتے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور وہ قرآن مجید کا دور کرتے یعنی کبھی حضور پڑھتے اور جبرئیل سنتے، کبھی جبرئیل پڑھتے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنتے۔ عمر مبارک کے اخیر سال قرآن مجید کا دو مرتبہ دور فرمایا۔ بقیہ سال ایک

بار ہوتا۔ اس وقت جود ونوال کی زیادتی کی وجہ یہ تھی کہ جبرئیل کی تین خصوصیت تھی (۱) ایک تو حضور کے محب خاص تھے۔ (۲) دوسرے فرشتہ مقرب بلکہ سید الملائکہ تھے۔ (۳) تیسرے یہ کہ رب العالمین کے فرستادہ تھے۔ یہ تین خصوصیات تو وہ ہیں جو جبرئیل میں ہمیشہ پائی جاتی تھیں۔ مگر اس وقت خاص خصوصیت یہ ہوتی کہ کلام ربانی قرآن مجید کا دور کرنے آتے۔ ان وجوہ کی بنا پر مسرت در مسرت جتنی حاصل ہوتی رہی ہوگی وہ حضور ہی جانیں۔ اس سبب سے دریائے کرم پورے جوش پر ہوتا۔

غور کریں تو یہاں تین سبب اس کے محرک تھے۔ ایک رمضان جو اللہ عزوجل کی انگنت نعمتوں کی برسات کا موسم ہے۔ دوسرے جبرئیل کی ملاقات کی یہ مزید نعمت ہے۔ خصوصاً جبرئیل کی ان خصوصیات کی وجہ سے جو اوپر مذکور ہوئیں خاص کر رب العالمین کے فرستادہ ہونے کی حیثیت سے۔ تیسرے قرآن کا دور جن سے قرآن کریم کے نئے نئے اسرار و معارف کا فتح باب ہوتا، ان نعمتوں کے شکریئے میں زیادہ سے زیادہ جود و کرم فرماتے۔

ہر سال رمضان میں یہ دور اس لئے ہوتا کہ رمضان المبارک ہی کی سب سے متبرک رات شب قدر میں پورا قرآن جبرئیل امین لوحِ محفوظ سے اخذ کر کے آسمان دنیا کی طرف یعنی پہلے آسمان پر لائے۔ وہاں فرشتوں کو لکھا دیا۔ فرشتوں نے قرآن کو موجودہ ترتیب کے ساتھ لکھ کر بیت العزت میں محفوظ کر دیا۔ یہ پہلے آسمان میں ایک متبرک جگہ کا نام ہے۔ پھر حسب اقتضاء حکمت و حکم ربانی وہاں سے جبرئیل علیہ السلام تھوڑا تھوڑا کر کے تئیس (۲۳) سال کی مدت میں لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ علاوہ ازیں حدیث حرا میں گزرا کہ قرآن مجید کے نزول کی ابتداء ۱۷ر رمضان المبارک کو ہوئی۔ اس پر مستزاد یہ کہ رحمت الٰہی رمضان میں بہ نسبت اور

دنوں کے زیادہ متوجہ رہتی ہے۔

اس حدیث کا حسنِ ترتیب ملاحظہ کریں۔ پہلے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سارے جہاں سے بڑھ کر جواد تھے۔ پھر ترقی کر کے فرمایا کہ رمضان میں جود ونوال دوسرے ایام کے بہ نسبت زیادہ ہوتا۔ پھر اور آگے بڑھے اور فرمایا کہ جب جبرئیل امین رمضان کی رات میں آ کر دورۂ قرآن کرتے تو پھر جود ونوال کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

(۳) آخر میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سخاوت کے بارے میں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہتی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔ ہوا کتنی فراواں اور کتنی ضروری ہے یہ سب کو معلوم ہے کہ ہر منٹ ہوا کی احتیاج ہے اور فراواں اتنی کہ کہیں بھی ہو بقدر ضرورت موجود۔ بلکہ ضرورت سے زیادہ موجود مگر کوئی کمی نہیں۔ تو ہوا سے بڑھ کر کون سخی۔ فرماتے ہیں ہوا کی سخاوت تمہیں معلوم ہے مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہتی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔ رکی ہوئی ہوا میں وہ بات کہاں جو بہتی ہوئی ہوا میں ہے۔ مگر قربان اس جوادِ اعظم کے کہ بہتی ہوئی ہوا بھی اس کی دریوزہ گر۔ (نزہۃ القاری، جلد:۱، ص:۲۱۶)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سائل کو رَد نہ فرماتے۔ اگر کوئی چیز نہ ہوتی تو فرماتے ہمارے نام پر قرض لے لو۔ جب ہمارے پاس کچھ آ جائے گا تو ادا کر دیں گے۔ ایک مرتبہ ایک سائل آیا فرمایا میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تم جاؤ قرض لے لو۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس چیز کا مکلف نہیں بنایا جو آپ کی مقدر میں نہ ہو۔ حضرت عمر کی یہ بات حضور کو ناگوار معلوم ہوئی۔ پھر ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ! خوب داد و دہش فرمائیے اور مالک عرش سے

(کمی) کا خوف نہ کھایئے تو حضور نے تبسم فرمایا اور آپ کے چہرۂ انور پر بشاشت، تازگی اور خوشحالی نمودار ہوگئی اور فرمایا مجھے یہی حکم دیا گیا ہے۔
صاحب ترمذی روایت کرتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں نوے ہزار درہم لائے گئے۔ آپ نے انہیں چٹائی پر رکھ کر تقسیم کرنا شروع کردیا اور کسی سائل کو محروم نہ رکھا۔ یہاں تک کہ سب تقسیم فرمادیئے۔
صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بحرین سے کچھ مال لایا گیا، آپ نے فرمایا اسے مسجد میں پھیلادو، پھر آپ مسجد سے باہر تشریف لے آئے اور اس مال کی طرف نظر تک نہ ڈالی اور جب واپس تشریف لائے تو نماز سے فارغ ہوکر مال کے نزدیک تشریف فرما ہوئے اور ہر کسی کو وہ مال عطا ہوا، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور انہوں نے کہا یارسول اللہ! مجھے بھی اس مال میں سے عنایت فرمایئے، کیونکہ میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا ہے، حضور نے ان کی چادر میں اتنا بھر دیا کہ وہ اٹھا نہ سکتے تھے۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! کسی کو فرمایئے کہ اسے میرے لئے اٹھا کر لے چلے۔ فرمایا نہیں اے چچا جتنا تم اٹھا سکتے ہو اٹھالو، یہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طمع کے مادہ کو فنا کرنے اور ان کی تہذیب وتادیب کے لئے تھا، پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کندھے پر اٹھا کر چل دیئے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی طرف دیکھتے رہے اور ان کے حرص پر تعجب فرماتے رہے، پھر جب حضور اٹھے تو ایک درہم بھی باقی نہ رہا تھا، ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ یہ ایک لاکھ درہم تھے جسے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے بحرین کے خراج سے بھیجا تھا اور یہ پہلا مال تھا جو حضور کی خدمت میں لایا گیا تھا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جود وسخا کے اثر کا ظہور اور ابواب کرم و بخشش کا فتوح حنین کے دن حد وشمار اور حصر وقیاس سے زیادہ تھا، کیونکہ اس دن ہر عربی کو سوسو اونٹ اور ہزار ہزار بکریاں ملی تھیں، اس دن کی بیشتر عطا تالیف قلب کے لئے تھی تا کہ ضعیف الایمان اشخاص دنیاوی امداد کے ذریعہ دین میں ثابت قدم ہو جائیں، صفوان بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی زمرہ کے ایک فرد تھے، انہیں پہلے سو بکریاں دوبارہ سو بکریاں پھر سہ بارہ سو بکریاں دی گئیں۔ ''واقدی'' کی کتاب ''المغازی'' میں منقول ہے کہ اس دن صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اونٹ، بکریوں سے ان کی وادی بھر گئی تھی، اس پر صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا بخشش وعطا میں کوئی اتنی جواں مردی نہیں کرسکتا، لہٰذا اس عطا کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے کفر کا علاج فرمایا جو ان میں تھا، ابوسفیان بن حرب اور اس کے بیٹے بھی انہیں مولفۃ القلوب میں سے تھے، چنانچہ ابوسفیان آئے اور کہا یارسول اللہ، آج قریش میں سب سے زیادہ مالدار آپ ہی ہیں، اس مال میں سے کچھ ہمیں بھی عطا فرمایئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ انہیں دے دو، ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میرے بیٹے یزید کا بھی حصہ عنایت فرمایئے، ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک بیٹے کا نام یزید تھا اور یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کا نام اسی نام پر یزید رکھا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دوبارہ اس کے حصے میں عنایت فرمائے۔ پھر ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میرے دوسرے بیٹے

معاویہ کا بھی حصہ عنایت ہو تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مزید اتنا ہی
مال اور مرحمت فرمایا، حضرت ابوسفیان عرض کرنے لگے یا رسول اللہ!
میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، خدا کی قسم جنگ کے زمانے میں بھی
آپ کریم تھے اور امن کے زمانے میں بھی آپ کریم ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو
جزائے خیر دے۔

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی ضرورت مند محتاج کو ملاحظہ فرماتے تو
اپنا کھانا پینا تک اٹھا کر عنایت فرما دیتے حالانکہ اس کی آپ کو بھی ضرورت
ہوتی، آپ عطا و تصدق میں تنوع فرمایا کرتے، کسی کو ہبہ فرماتے، کسی کو حق
دیتے، کسی کو بار قرض سے چھڑاتے، کسی کو صدقہ دیتے، کسی کو ہدیہ فرماتے
اور کبھی کپڑا خریدتے اور اس کی قیمت ادا کر کے اس کپڑے والے کو وہی
کپڑا بخش دیتے اور کبھی قرض لیتے اور مبلغ سے زیادہ عطا فرما دیتے اور کبھی
کپڑا خرید کر اس کی قیمت سے زیادہ رقم عنایت فرما دیتے اور کبھی ہدیہ قبول
فرماتے اور اس سے کئی گنا انعام عطا فرما دیتے۔

(مدارج النبوۃ، جلد:۱،ص:۴)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جود و عطا کی تاریخ انسانی میں کوئی نظیر نہیں ملتی،
جود و سخا کی یہ بارش آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات ہی تک محدود نہیں بلکہ آج
بھی آپ کے در پاک پر محتاجوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے، ہر سائل اپنی خواہش سے سوا پاتا ہے۔
کوئی اپنا کشکول تمنا خالی لے کر نہیں لوٹتا، بلکہ آپ کی سرکار وہ سرکار ہے کہ جو جہاں سے سوال
کرتا ہے۔ وہی اپنی مراد پاتا ہے۔ قرب و بعد کوئی معنی نہیں رکھتے، یہاں لطف کی بات یہ
ہے کہ جو جس زبان میں سوال کرتا ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے عطا فرماتے
ہیں، رب کائنات نے آپ کو قاسم نعمت بنایا ہے، خود فرماتے ہیں ''اللہ معطی انا قاسم'' اللہ
دینے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں، انہیں واقعات کے تناظر میں قدسیؔ رقمطراز ہیں ؎

ایک ان کے سوا دوعالم میں
کون کرتا ہے مالامال کہاں

کیوں کسی اور سے رکھیں امید
ان سے ہم کو ملی امداد بہت

سائل ہے ان کے در پہ خلائق کا کارواں
ان کے کرم کے چرخ پہ ہر آنکھ جڑ گئی

کوئی سنتا ہی نہیں ان کے سوا
سب سے کرتے رہے فریاد بہت

موسلادھار یہ بارانِ فلک بول پڑا
ان سا فیاض کہاں فیض کی برسات کہاں

بن مانگے وہ دیتے ہیں غلاموں کو ہمیشہ
اس طرزِ عنایت سے عنایت ہوئی محظوظ

جب قاسم نعمت ہیں خدا کی وہ عطا سے
پھر کس پہ بھلا شاہ کا فیضان نہیں ہے

لینا ہے جس کو لے لے درِشاہِ دین سے
بٹتی ہے صبح و شام عنایت کی روشنی

شاہد ہے ''انما انا قاسم'' حدیثِ پاک

بندے تمام رب کے انہیں کے رہین ہیں

ہے ابرِ کرم دیکھ کر محوِ حیرت
شہ دو جہاں کی عنایت کی بارش

بارگاہِ شہ عالم کے علاوہ قدسیؔ
ہم نے ہر ایک کے دروازے پہ تالے دیکھے

سوتے کرم کے پھوٹ پڑیں گے ترے لئے
جا مانگ ان سے مانگ مری مان ایک بار

نعمتیں ان کی مسلسل ہیں رواں
تنگ ہیں اپنے ہی داماں لکھ دے

اظہار سے لپٹی رہی تکمیلِ تمنا
اس در پہ کبھی حرفِ مکرر نہیں دیکھا

ہر شئے پہ ان کی جود و عطا کا مدار ہے
ان کے طفیل گردشِ لیل و نہار ہے

قدسیؔ ہو شکر کیسے ادا اپنے شاہ کا
جود و عطا سے پُر میرا دامن بنا دیا

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جود وعطا اور داد و دہش کے تعلق سے قدسیؔ کے دواوین میں اور بھی اشعار ملتے ہیں۔ اگر سب یکجا کر دیئے جائیں تو اچھا خاصا انتخاب تیار

ہوسکتا ہے۔ قدسیؔ کے باغ فن میں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے ہیں اور سب کا رنگ و روپ ایک دوسرے سے جداگانہ ہے، انہوں نے عشقِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو چمن سجایا ہے۔ اس کی خوشبو سے نسلیں معطر ہوتی رہیں گی اور ان کے چراغِ عشق سے روشنی پھیلتی رہے گی، ان کے نعتیہ دواوین مریضانِ عشق کے لئے دارالقرار کی حیثیت رکھتے ہیں جہاں انہوں نے محبت کے نت نئے پھول کھلائے ہیں وہیں مقصدیت سے غافل ذہنوں کو عمل کی دہلیز بھی عطا کی ہے، قدسی بذات خود شریعت وطریقت کے حسین سنگم ہیں، یہ چیزیں انہیں وراثت میں ملی ہیں، ان چیزوں کو برتنے میں وہ بڑے حریص واقع ہوئے ہیں، ایسے دور میں جب دنیا چند سکوں میں اپنے ضمیر کا سودا کرلیتی ہے، اس تعلق سے ان کا تصلب فی الدین یقیناً قابل صد احترام ہے، وہ امریکہ جیسے ترقی پذیر ملک میں رہنے کے باوجود اپنے مذہبی اور مشربی اصولوں کی شفافیت کو دنیوی آلائشوں سے بہت حد تک بچائے ہوئے ہیں، جو لوگ مغربی دنیا کا رخ کرتے ہیں ان کی اکثریت چند سالوں میں اپنا فطری رنگ وروپ بدل لیتی ہے، مذہبی پابندیوں سے آزاد ہونے کے نت نئے بہانے ڈھونڈا کرتے ہیں، لیکن قدسیؔ جہاں بھی ہوتے ہیں مذہبی اور مسلکی اصولوں کی بحالی ان کے مقاصد میں ترجیحی حیثیت رکھتے ہیں، امریکہ کے جس شہر میں وہ قیام پذیر ہیں وہاں کے ماحول پر انہوں نے اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں، ہمیں مختلف ذرائع سے اس کے واضح شواہد ملے ہیں، مذہب ومسلک کے حوالے سے ان کے یہاں جو شفافیت پائی جاتی ہے اس کی نظیر بشکل پیش کی جاسکتی ہے۔

قدسیؔ نے اس چیز کا اظہار اشعار کی شکل میں بھی کیا ہے، نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ کریں ؎

رب کے حضور وہ کبھی بخشا نہ جائے گا
کرتا ہے دین میں جو طبیعت سے اختراع

حلق سے جس کے نہ اترے قرآں

ایسے عالم کی جہالت ظاہر

تو ڈھال زندگی کو نشانِ حسین پر
اک بحرِ درس واقعۂ کربلا میں ہے

ہم شرعِ مصطفی کے ضوابط کی تیغ سے
جملہ مفاسدات کے سر کو قلم کریں

سانچے میں شریعت کے جو ڈھل جائے سراپا
وہ چرخِ کرامات کا مہتاب رہے گا

آغوش میں لے لے گی اسے رحمت باری
جو حق کے لئے پیکرِ ایثار رہے گا

جو شریعت کے سانچے میں ڈھلتا رہے
اس کی خاطر گناہوں کا اجگر ہے ہیچ

ان کے کردار کی خوشبو سے معطر ہو حیات
تم کو پانا ہے اگر جاہ و حشم کا رستہ

ڈھل کے سرکار کی شریعت پر
دیکھئے وا نعم کا دروازہ

نہیں بخشے گا اس عالم کو علم اس کا

جو میدانِ عمل میں لاابالی ہے

ملحوظ ہو اصولِ شریعت اگر تمہیں
پھر آسمانِ فیض ہے نعمت ہے زندگی

خود کو جھکادے ان کی اطاعت میں سربسر
احکامِ شرع پر نہ کوئی قیل و قال کر

شریعت کو ترجیح دی جس نے جاں پر
وہ جاں باز ہے اور عزیمت سراپا

کرتے رہتے ہیں جو کتمانِ حق
ایسے ملاؤں کو خائن لکھنا

وظیفہ شاہِ دوعالم کے نام کا پڑھ کر

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جتنے اسمائے گرامی ہیں، رب کائنات نے ان میں بڑی برکت، حلاوت اور اثر وتاثیر رکھی ہے، پریشاں حال ہر زمانے میں ان اسمائے مبارکہ سے توسل اور استعانت کرتے رہے ہیں، جہاں تک استعانت واستغاثہ کی بات ہے یہ صرف عام انسانوں تک محدود نہیں بلکہ اس صف میں انبیاء ورسل کی ذوات مقدسہ بھی شامل ہے، صاحب مواہب الدنیہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کی تعداد چار سو سے زائد بتائی ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے آپ کے اسمائ کی تعداد بارہ سو بتائی ہے، ان اسمائے مبارکہ میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہے، کتب احادیث وکتب سیر میں ان دو اسماء کے بڑے فضائل ومناقب آئے ہیں۔ہم ذیل میں ان کی کچھ تفصیل پیش کرتے ہیں:

صاحب مدارج النبوۃ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تخلیق کائنات سے ایک ہزار سال پہلے رکھ دیا تھا، پھر جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ کا نام پاک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکھا۔ جب یہ نام پاک لوگوں میں عام ہوا تو اہل مکہ نے حضرت عبدالمطلب سے سوال کیا؟ کہ آپ نے اپنے پوتے کا نام ایسا کیوں رکھا ہے کہ اس کے پہلے یہ نام آپ کے خاندان میں کسی کا نہ رکھا گیا ہے تو حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں نے اپنے پوتے کا نام یہ اس لئے رکھا ہے کہ ساری دنیا اس کی تعریف وتوصیف کرے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معنی بھی یہی ہیں جس کی ہر وقت تعریف وتوصیف کی جائے۔

بیہقی اور حاکم نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوگئی تو دعا کی، پروردگار میں تجھ سے بحق محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بخشش کا طلب گار ہوں، فرمایا اے آدم تو نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا حالانکہ میں نے ان کو ابھی پیدا نہیں کیا، عرض کیا اے پالنہار! جب تو نے مجھے پیدا فرمایا اور میرے جسم میں روح پھونکی تو میں نے سر اوپر اٹھایا، مجھے عرش کے پایوں پر لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ لکھا نظر آیا تو مجھے علم ہوا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اس ہستی کا نام ملایا ہے جو تجھے سب مخلوق سے زیادہ پیاری ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا! اے آدم تو نے سچ کہا ہے، بے شک مجھے وہ سارے جہاں سے زیادہ محبوب ہے۔ تو نے ان کے وسیلہ سے بخشش طلب کی ہے، لہٰذا میں نے تیری لغزش معاف کردی ہے، اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں

تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔
ہابن عساکر نے حضرت کعب بن احبار سے روایت کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام سے فرمایا: یابنی انت خلیفتی من بعدی کہ میرے بعد تو میرا خلیفہ ہوگا، یعنی تقویٰ و پرہیز گاری کو اپنا شعار بنانا۔ وکلما ذکرت الله فاذکروا الی جنبہ اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- اور جب بھی تو اللہ کا ذکر خیر کرے تو اس کے ساتھ اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یاد کرلیا کرنا کیونکہ میں نے اسم پاک کو عرش اعظم کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا ہے:
وطفت السمٰوت فلم اریٰ فیہا موضعا الا ورایت اسم محمد صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم مکتوباً علیہ- اور میں نے سارے آسمانوں کا طواف کیا ہے پس میں نے کوئی جگہ ایسی نہیں دیکھی جس پر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک نہ لکھا ہو۔ (المواہب الدنیہ ص:۱۳۷)
ابن عساکر نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کے دروازوں پر لکھا ہے: لا الہ الا الله محمد رسول الله۔

ابونعیم نے حضرت ابن عساکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا شجر ہائے جنت کے ایک ایک پتے پر تحریر ہے: لا الہ الا الله محمد رسول الله۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی انگوٹھی کا نقش لا الہ الا الله محمد رسول الله تھا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا نگینہ آسمانی تھا۔ ان کی طرف ڈالا گیا تو انہوں نے اسے

انگوٹھی میں رکھ لیا۔ اسی سے ان کا کاروبار چلتا تھا۔ اس کا نقش یہ تھا: ان اللہ لا الہ الا اللہ ان محمد عبدی و رسولی۔

امام حلبی رحمۃ اللہ علیہ سیرت میں لکھتے ہیں کہ ۵۴۴ھ خراسان میں شدید طوفان آیا جس طرح قوم عاد پر آیا تھا، اس سے پہاڑ ہل گئے اور وحشی جانور بھاگ کھڑے ہوئے، لوگوں نے سمجھا کہ شاید قیامت برپا ہوگئی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں دعاوزاری شروع کردی۔ پھر کیا دیکھا کہ ایک عظیم روشنی آسمان سے ایک پہاڑ پر اتری اور بھاگے ہوئے جانور اس پہاڑ کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ چنانچہ وہ بھی وہاں پہنچے تو انہیں اس نور میں پتھر کی ایک سل ملی جو ایک ہاتھ لمبی اور تین انگلیاں چوڑی تھیں۔ اس میں تین سطریں تحریر تھیں: لا الہ الا اللہ فاعبدونی۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ چنانچہ میری عبادت کرو۔ محمدرسول القرشی۔احذروا وقعۃ المغرب انہا تکون من سبعۃ او تسعۃ والقیامۃ قد ازفت۔ جنگ مغرب سے ڈرو وہ سات یا نو کے عرصہ میں ہوگی اور قیامت قریب آ لگی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک پرندہ آیا جس کے منہ میں سبز رنگ کا ایک موتی تھا۔ اس نے وہ نیچے ڈالا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے پکڑ لیا۔ اس موتی میں سبز رنگ کا ایک کیڑا تھا جس پر زرد رنگ سے تحریر تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

علامہ ابن مرزوقی شرح بردہ میں ایک آدمی سے نقل کرتے ہیں کہ ہم بحر ہند کی تلاطم خیز موجوں میں گھر گئے تو ہم نے ایک جزیرے پر لنگر ڈال دیئے۔ وہاں ہم نے سرخ رنگ کا انتہائی خوشبودار گلاب دیکھا جس پر زرد رنگ سے

لکھا تھا:

براءۃ من الرحمن الرحیم الی جنات النعیم لا الہ الا اللہ محمدرسول اللہ۔

ایک آدمی کا بیان ہے کہ میں بحر مغرب میں جہاز پر سوار تھا اور ہمارے ساتھ ایک لڑکا تھا جس کے پاس مچھلی شکار کرنے والا کانٹا بھی تھا۔ اس نے یہ کانٹا سمندر میں ڈالا تو ایک سفید مچھلی جو ہاتھ بھر لمبی تھی، پھنس گئی۔ اس کے ایک کان پر لاالہ الااللہ اور دوسرے پر محمدرسول اللہ لکھا تھا۔ ہم نے اسے دوبارہ سمندر میں پھینک دیا۔ (حیات الحیوان، ص:۵۶۸)

ابونعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ بیت اللہ شریف کے پہلے انہدام کے وقت ایک لکھا ہوا پتھر ملا جس کی عبارت پڑھنے کے لئے ایک آدمی بلایا گیا۔ اس نے تحریر پڑھی تو اس میں لکھا ہوا تھا میرا بندہ محمد چنا ہوا، متوکل منیب اور مختار ہے۔ اس کی جائے ولادت مکہ اور جائے ہجرت طیبہ ہے۔ وہ اس وقت تک دنیا سے نہ جائے گا جب تک وہ ٹیڑھے راستوں کو سیدھا نہ کردے۔ وہ خدا کی الوہیت کی گواہی دے گا۔ اس کی امت (حمادون) ہوگی، جو ہر بلندی پر خدا کی حمد بیان کرے گی۔ وہ لوگ پنڈلیوں تک ازار باندھیں گے اور اطراف اعضاء کا وضو کریں گے۔ یعنی میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میرے رسول ہیں، سعادت مندی ہے ان کی جو ان پر ایمان لائے اور ان کی اتباع کرے، جو میرے ساتھ وابستہ ہوا نجات پا گیا۔ حرم میرا کعبہ میرا گھر ہے جو میرے گھر میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے بےخوف ہو گیا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، جلد:، ص:۳۸۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! بارگاہ حق میں دو بندے کھڑے کئے جائیں گے۔اس پر حق تعالیٰ انہیں جنت میں داخل کرنے کا حکم فرمائے گا۔ یہ دونوں بندے عرض کریں گے اے خدا کس چیز نے ہمیں جنت کا اہل اور مستحق بنایا۔ حالانکہ ہم نے کوئی نیک عمل نہیں کیا۔ بجز اس کے کہ تیری رحمت سے ہم جنت میں جانے کے امیدوار تھے۔اس پر اللہ رب العزت جل وعلی فرمائے گا جنت میں داخل ہوجاؤ اس لئے کہ ہم نے اپنی ذات کی قسم اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ میں اسے ہرگز جہنم کی آگ میں نہ بھیجوں گا جس کا نام احمد یا محمد ہے۔(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا مجھے قسم ہے اپنے عزت وجلال کی کسی ایک پر عذاب نہ کروں گا جس کا نام تمہارے نام پر ہے۔

سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ فرمایا کوئی دسترخوان نہیں ہے کہ بچھایا گیا ہو اور اس پر لوگ کھانے کے لئے آئیں اور ان میں احمد یا محمد کے نام والے ہوں مگر یہ کہ حق تعالیٰ اس گھر کو جس میں یہ دسترخوان کھانے کا بچھایا گیا ہو اسے روزانہ دو مرتبہ پاک نہ فرمائے۔ یہ بھی مروی ہے کہ کوئی گھر نہیں ہے جس میں محمد نام والے ہوں مگر حق تعالیٰ انہیں برکت دے۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو قوم کسی مشورہ کے لئے جمع ہوئی اور ان میں کوئی شخص ایسا موجود ہے جس کا نام محمد ہے تو یقینا اللہ تعالیٰ ان کے نام میں برکت عطا فرمائے گا۔ایک حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ جس کا نام محمد ہوگا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی شفاعت کریں گے اور جنت میں داخل کرائیں گے۔ (مدارج النبوۃ،جلد:۱،ص:۲۴۶)

اسرائیل میں ایک آدمی تھا جس نے سو سال تک اللہ کی نافرمانی

کی اس کے مرنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اسے قبر سے نکال کر اس کا جنازہ پڑھو پھر دفن کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے اللہ تیرا حکم بجا ہے لیکن وہ تو تیرا نافرمان تھا اور اس نے سو سال تک گناہ کئے ہیں۔ فرمایا ٹھیک ہے لیکن جب وہ کبھی تورات شریف کھولتا تھا اور میرے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو دیکھتا تھا تو اسے بوسہ دیتا تھا اور آنکھوں سے لگایا کرتا تھا۔ پس میں نے اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب واحترام کرنے کے سبب اسے بخش دیا اور اسے جنت میں ستر حوریں عطا کیں۔ (تفسیر روح البیان، جلد:۳، ص:۱۲۱)

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نابینا شخص حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھیں کھول دے، آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو چاہتا ہے تو تیرے لئے آخرت کا بہترین سامان بنا دوں، ''ان شئت دعوت'' اور اگر تو چاہتا ہے تو دعا کر دوں، التجا کی دعا ہی فرما دیں۔ آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اچھی طرح وضو کر لے اور دو رکعت نماز پڑھ لے اور گھر جا کر یہ دعا کر لینا: اللہم انی اسئلک و لو جہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ یا محمد انی قد تو جہت بک الی ربی فی حاجتی ہذہ۔ اے اللہ میں تجھ سے تیرے محبوب پاک نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑ کر سوال کرتا ہوں، یا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آپ کو اپنے رب تک وسیلہ بناتا ہوں اپنی اس حاجت کے لئے یعنی آنکھوں کی بینائی کے لیے۔ دوسری روایتوں میں ہے: و قد کشف اللہ عن بصرہ تو

اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔(شفا شریف،جلد:۱،ص:۲۷۳)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم پاک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انوار و برکات پہ محدثین ومورخین نے بڑی تفصیل بحثیں کی ہیں، ان کے مطالعہ سے دل کو سرور اور آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی ہے، جن کے دل میں عشق کا چراغ روشن ہوتا ہے وہ اسمائے رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے وظائف میں شامل رکھتے ہیں اور شدت سے استعانت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں اپنی بانہوں میں ڈھانپ لیتی ہے۔

سید اولاد رسول قدسیؔ جہاں شعر وسخن کے میدان میں اپنی جداگانہ شناخت رکھتے ہیں وہیں علوم اسلامیہ کے وہ زبردست عالم و عارف ہیں ان کی علمی افضلیت اور شعلہ بیانی کے اپنے اور غیر سب معترف ہیں، اسم پاک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انوار وتجلیات اور خیرات و برکات پہ ان کے نعتیہ دواوین میں اشعار موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں، انہوں نے اس حوالے سے ایک ایسی نعت کہی ہے جس کی ردیف نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ذیل میں اس نعت کے چند اشعار دیکھئے ؎

تقدس کا حامل ہے نامِ محمد
دوعالم کا حاصل ہے نامِ محمد

ہے یہ انتخابِ خداوندِ عالم
کہیں کیوں نہ کامل ہے نامِ محمد

کہو گردشوں سے رہیں دور ہم سے
مصائب کا قاتل ہے نامِ محمد

کوئی چھین سکتا نہیں لب سے میرے
کہ گھٹی میں شامل ہے نامِ محمد

مرا کیا بگاڑیں گے شعلے جفا کے
کرم پہ جو مائل ہے نامِ محمد

مری فکر ہے باریابی کی ہم دوش
کہ نعتوں کا ساحل ہے نامِ محمد
ملے گی مجھے خلد پلکیں بچھائے
عذابوں پہ حائل ہے نامِ محمد

دعا میری ہوجائے رد غیر ممکن
اجابت کا جب دل ہے نامِ محمد

ضرورت نہیں قدسیؔ آہ و فغاں کی
کہ بے مثل عادل ہے نامِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

جوروجفاوظلم کے شعلوں کے بیچ بھی

تاریخ انسانی اس بات پہ سخت حیران ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری حیات پاک میں اپنے کسی بدترین دشمن کے لئے بھی بدعا نہیں کی، اہل مکہ کی اذیت رسانی کی کوئی دوسری نظیر نہیں پیش کی جاسکتی، ابولہب اور ام جمیل کی معاندانہ حرکتیں بھی تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں، حالتِ نماز میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس پر اونٹ کی اوجھڑی اور دوسری غلاظتیں ڈال دی جاتیں، کبھی گلوئے مبارک میں چادر کا پھندا ڈال کر اسے زور سے بل دیا جاتا، دیکھنے والی آنکھیں محسوس کرتیں کہ اب حلقۂ چشم سے آپ کی آنکھیں باہر آجائیں گی، کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی راہوں میں کانٹے بچھا دیئے جاتے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس راستے سے گزریں تو آپ کے قدم ناز لہولہان ہوجائیں، پھر بھی صبر وسکون کے سمندر میں بددعا کی کوئی ہلکی سی حرکت نہ ہوتی، اہل مکہ میں

دعوت وتبلیغ کا کوئی اطمینان بخش اثر دیکھنے میں نہ آیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طائف کا رخ فرمایا۔ اس امید کے ساتھ کہ ہوسکتا ہے وہاں کی زمین پیغام الٰہی کو قبول کرنے کے لئے جلد آمادہ ہوجائے، لیکن اہل طائف اہل مکہ سے بھی زیادہ پتھر دل واقع ہوئے، انہوں نے اہل مکہ کی اذیتوں کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے۔ اہل طائف کی اذیتوں کو سن کر تاریخ کانپ اُٹھتی ہے۔ ایک مورخ نے اہل طائف کے جور وظلم کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

گرمی کا موسم ہے، آفتاب کی تمازت بڑھ گئی ہے۔ طائف کے گندے لونڈے سب یک چوک میں جمع ہوگئے ہیں۔ انہوں نے راستہ کو دونوں طرف سے گھیر رکھا ہے، اوباشوں نے عقب سے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پتھر برسانے شروع کردیئے ہیں۔ وہ تاک تاک کر آپ کے ٹخنوں اور ایڑیوں پر پتھر مارتے ہیں اور جیسے جیسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدم اٹھا کر چلتے ہیں، وہ سنگ باری کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی پاپوش اقدس خون سے بھر گئی ہیں۔ چوٹوں کی تکلیف کی وجہ سے جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجبور ہوکر بیٹھ جاتے ہیں تو وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکڑ کر کھڑا کردیتے ہیں تاکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پھر سے پتھر برسائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجبوراً چلنا شروع کردیتے ہیں اور وہ ستمگر پتھر مارتے اور ٹھٹھے لگاتے ہیں۔ دو میل تک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اسی طرح پتھر برسائے گئے۔

زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پتھر سے بچانے کے لئے خود پتھر کی بارش اپنے اوپر لیتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا، دل کے اندھوں نے ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کو اپنا لیا ہے، روشنی کو چھوڑ کر تاریکی میں پناہ لے لی ہے اور محسن اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سنگ باری کرکے اپنی خباثت کا ثبوت دے دیا ہے۔

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زخموں سے چور طائف سے نکل گئے ہیں، بدمعاشوں نے اب آپ کا تعاقب کرنا چھوڑ دیا ہے۔

انہیں بڑی خوشی ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے شہر سے نکال دیا ہے۔ انہیں تو اپنی سرداری عزیز ہے اور اس خوفناک عذاب کا خیال تک نہیں ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بستی سے نکال دینے والوں پر آیا کرتا ہے۔ ارض وسما کی وسعتیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں:

''محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں یاد رکھو تمہیں بھی دوسروں تک ان کا پیغام پہنچانے کی پاداش میں ایسے ہی مصائب سے گزرنا پڑے گا۔ پھر کیا مایوس ہو کر رہ جاؤ گے؟ کیا ان مزاحمتوں سے بددل ہو جاؤ گے، کیا راہِ ہدایت کے بھولے بھٹکے مسافروں پر سنگ باری کرو گے۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو رحمۃ اللعالمین ہیں، تم بھی رحمت وشفقت کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچا دو تا کہ تم پر رحمت ہوتی رہے۔''

دھوپ کی شدت بڑھ گئی ہے، عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ طائف سے تین میل دور اپنے باغ کی گھنی چھاؤں کا لطف اٹھا رہے ہیں، ان سے ذرا ہٹ کر ان کا نصرانی غلام عدّاس پودوں کی صفائی کر رہا ہے۔ باغ کے ایک حصے سے چند پرندوں کی ملی جلی آوازیں سنائی دے رہی ہیں، انگوروں کے دلربا خوشے اپنے جوبن پر ہیں، اس باغ کے اردگرد پتھروں کی قد آدم دیوار موجود ہے جس میں شاہراہ کی طرف ایک بڑا سا دروازہ ہے۔

عتبہ کی نگاہیں غیر اداری طور پر سڑک کی طرف اُٹھ گئی ہیں، اس نے دیکھا کہ ایک حسین چہرے والا آدمی جس کے سر سے پاؤں تک خون بہہ رہا ہے بڑی بے چینی کے عالم میں ایک دوسرے آدمی کے سہارے دروازے کی راہ سے باغ میں داخل ہوا اور دیوار کے ساتھ ساتھ چند قدم چل کر ایک جگہ

چھاؤں میں نہایت پریشانی اور اضطراب کے عالم میں بیٹھ گیا۔ ان دونوں کو یہاں بیٹھے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حسین چہرے والا آدمی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگا۔

عتبہ انہیں صرف دیکھ سکتا تھا۔ ان کی آواز نہیں سن سکتا تھا، لیکن اسے محسوس ہوتا تھا کہ یہ دعا دل کی گہرائیوں سے نکل رہی ہے کیونکہ ہاتھ اٹھنے کے بعد ہی اس کا چہرہ پرسکون نظر آنے لگا تھا۔

یہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں..... رحمۃ اللعالمین.... جوان بھولے بھٹکے انسانوں کو دینی اور دنیاوی سعادتوں کی راہ دکھانے کے لئے طائف میں تشریف لائے۔ لیکن یہاں کسی نے ان سے رہنمائی حاصل نہ کی بلکہ جی بھر کر ان پر پتھراؤ کیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بدن زخموں سے چور ہے، ٹخنے، ایڑیاں، سر اور کمر سب خون سے شرابور ہیں، لہو سے کپڑوں پر طرح طرح کے نقش بن گئے ہیں، پیاس کے مارے ہونٹ خشک ہو گئے ہیں، گرمی سے پریشانی میں اضافہ ہو گیا ہے، وہ محفوظ جگہ کی تلاش میں یہاں پہنچ گئے ہیں، طائف کے لوگوں کے ہاتھوں جو تکلیف انہیں پہنچی ہے اس سے دل بھر آیا ہے، دس سال تک خاموش رہنے والی زبان میں بے اختیار جنبش پیدا ہو گئی ہے۔ طوفان اُمنڈ پڑا ہے، سالہا سال کے صبر وسکون کی چٹان پھٹ گئی، دعا کا یہ فوارہ ابل پڑا اور انہوں نے بے اختیار ہاتھ اٹھا کر اپنے خالق اور مالک سے فریاد کی ہے:

''خداوندا، میں تیرے ہی حضور اپنی بے بسی اور بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔

اے ارحم الراحمین تو سارے ہی کمزوروں کا رب ہے اور میرا رب بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے، کیا کسی بیگانے کے حوالے جو مجھ سے درشتی

کے ساتھ پیش آئے، یا کسی دشمن کے حوالے، جس کو تو نے مجھ پر قابو پا لینے کا یارا دے دیا ہے۔
اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کی پرواہ نہیں ہے۔ اگر تیری طرف سے عافیت مجھے نصیب ہوجائے تو اس میں میرے لئے زیادہ کشادگی ہے۔
میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے اس نور کی جو اندھیرے میں اجالا کرتا ہے اور دنیا و آخرت کے معاملات کو درست کرتا ہے۔
مجھے اس سے بچالے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں تیرے عتاب کا مستحق ہوجاؤں، تیری مرضی پر راضی ہوں، یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہوجائے، کوئی زور اور طاقت تیرے بغیر نہیں ہے۔''
وہاں اور کون تھا جو اس درد بھری التجا کو سنتا اور یاد رکھتا، ہاں زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ سے یہی الفاظ محفوظ رہ سکے ہیں، ورنہ خدا جانتا ہے محبوبِ خدا کی زبان سے اور کیا کیا الفاظ (١٦٦) نکلے ہوں گے، خدا سے ایسی سچی محبت کی ایسی پاک اور روح وقلب کو روشن کر دینے والی کوئی ایسی مثال سورج اور چاند تاروں کی آنکھ نے کبھی دیکھی ہے؟ جس کا ایک عجیب و غریب نمونہ اس ایمان افروز دعا میں ملتا ہے۔
زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش بیٹھے یہ التجا سن رہے ہیں جو مکمل ترین انسان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے خالق اور مالک کے حضور پیش کی ہے، انہیں اپنے آقا کی اس تکلیف سے بے حد صدمہ پہنچا ہے، وہ خود بھی زخمی ہیں، ان کا خون کھول رہا ہے۔ بس میں ہو تو پورے طائف کا صفایا کر دیں۔ ان سے برداشت نہ ہوسکا تو عرض کیا:
''یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان ظالموں کے لئے بددعا کیجئے۔''

رحمت مجسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہایت صبر وسکون سے فرمایا:

''میں ان لوگوں کے لئے کیوں بددعا کروں، اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لائے تو امید ہے کہ ان کی نسلیں ضرور خدائے واحد کی پرستار ہوں گی۔''

زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہوگئے، زمین وآسمان کی نبضیں تیز ہوگئی ہیں، رحمت و شفقت کی کافوری لہروں کی برق رفتاری تیز ہوگئی ہے۔

''یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رحمت و رافت تھی۔ خلق خدا پر لامتناہی شفقت اور صبر واستقامت کی حیرت انگیز مثال تھی، مخلوق کے لئے بے پناہ تڑپ، پیغام حق پر انتہائی یقین اور اس پیغام کو دنیا تک پہنچانے کا جو نادر نمونہ اس ارشاد میں ملتا ہے، سرگزشت عالم میں کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی، عالمِ انسانیت کے دوسرے برگزیدہ وجود کے قدمہائے مبارک شفقت علی الخلق کے اس بلند ترین مقام تک نہ پہنچ سکے۔''

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غارِ حرا سے غارِ ثور تک، ص:۲۳۱-۲۳۵)

اس سفر کے مدتوں بعد ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کیا جنگ اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپ پر گزرا ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، اے عائشہ! وہ دن میرے لئے جنگ اُحد سے بھی زیادہ سخت تھا جب میں نے طائف میں وہاں کے ایک سردار ''عبد یالیل'' کو اسلام کی دعوت دی، اس نے دعوت اسلام کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا، اور اہل طائف نے مجھ پر پتھراؤ کیا، میں اس رنج وغم میں سر جھکائے چلتا رہا، یہاں تک کہ مقام ''قرن الثعالب'' میں پہنچ کر میرے ہوش وحواس بجا ہوئے۔ وہاں پہنچ کر جب میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بدلی مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ اس بادل میں سے حضرت جبرائیل

علیہ السلام نے مجھے آواز دی، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول اور ان کا جواب سن لیا، اور آپ کی خدمت میں پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے تا کہ وہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیان ہے کہ پہاڑوں کا فرشتہ مجھے سلام کر کے عرض کرنے لگا کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول اور انہوں نے جو آپ کو جواب دیا ہے وہ سب کچھ سن لیا ہے، اور مجھ کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تا کہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں اور میں آپ کا حکم بجالاؤں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں "اخشبین" اور "قعیقعان" دونوں پہاڑوں کو ان کفار پر الٹ دوں تو الٹ دیتا ہوں، یہ سن کر حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے اپنے ایسے بندوں کو پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں گے اور شرک نہیں کریں گے۔

(بخاری شریف، باب ذکر الملائکہ، جلد:۱،ص:۴۵۸،وزرقانی جلد:۲،ص:۲۹۷)

ان واقعات کی روشنی میں قدسی کا اندازِ سخن ملاحظہ کریں:

جور و جفا و ظلم کے شعلوں کے بیچ بھی
جاری دعا ہے لب پہ وہ ایسے متین ہیں

دیتے ہیں جور و ظلم کی پاداش میں دعا
رب کے حبیب کی یہ ادا بے نظیر ہے

ان کی بے مثل رحمت پہ ہے یہ دلیل
تھی دعا لب پہ وقت ستم بولئے

شدتِ غم میں مصطفی کی طرح
کون ہے خیرخواہِ حال کہاں

مظالم کے شعلوں میں شبنم فشانی
مزاجِ نبوت متانت سراپا

ظلم و جور و جفا کی آندھی میں
شاہ کو صابر و متین کہو

ظالم کو دعاؤں سے جب آقا نے نوازا
اس خلقِ ضیابار سے رحمت ہوئی محظوظ

مظالم کے بدلے لبوں پر دعائیں
عدو پر عنایت ہے کس کی، نبی کی
جفاؤں کے شعلوں میں شاداں و فرحاں
یہ پُرنور عادت ہے کس کی، نبی کی

دوست تو دوست دشمنوں کے لئے
ان کے لب پر رہی دعا تازہ

قدسی کی پسندیدہ شخصیات

☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلی شریف (۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء)
☆ حجۃ الاسلام حضرت مولانا مفتی حامد رضا خاں بریلوی (۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۲ء)
☆ حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی (۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء)
☆ حضور محدثِ اعظم ہند حضرت محمد میاں محدث کچھوچھوی (۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء)
☆ قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی (۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء)
☆ شمس العلما حضرت مولانا مفتی قاضی شمس الدین جونپوری (۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸)
☆ صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی حکیم امجد علی اعظمی (۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء)
☆ ملک العلما حضرت مولانا مفتی ظفر الدین فاضل بہاری (۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء)
☆ برہانِ ملت حضرت مولانا مفتی برہان الحق جبل پوری (۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء)
☆ صدر الافاضل حضرت مولانا مفتی سید نعیم الدین مرادآبادی (۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء)
☆ حضرت مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف علی گڑھی (۱۳۸۳ھ/ ۱۹۳۹ء)
☆ مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۴ء)

☆ حضرت مولانا مفتی عبدالسلام جبل پوری (۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء)
☆ حضرت مولانا مفتی سید احمد قادری لاہوری (۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء)
☆ حضرت مولانا مفتی امام الدین کوٹلوی (۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء)
☆ حضرت مولانا مفتی غلام محمود جان جام جودھپوری
☆ شیر بیشۂ اہلسنّت حضرت مولانا مفتی حشمت علی لکھنوی (۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء)
☆ حضور مجاہد ملت حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن قادری اڑیسہ
☆ شمس العلما حضرت مولانا مفتی نظام الدین الہٰ آبادی (۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء)
☆ مجاہد دوراں حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی
☆ فخر بہار حضرت مولانا محمد میاں کامل سہسرامی (۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء)
☆ پاسبانِ ملت حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی، الہٰ آبادی
☆ حضرت مولانا مفتی محمد عبدالرحمن پوکھریروی (۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء)
☆ حضور سید العلما حضرت مولانا مفتی سید آلِ مصطفی برکاتی (۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء)
☆ حضور احسن العلما حضرت مولانا مفتی سید مصطفی حیدر حسن برکاتی (۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء)
☆ حضرت مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی، پٹنہ
☆ حضرت علامہ ارشدالقادری، جمشید پور جھارکھنڈ (۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء)
☆ حضور حافظِ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب، بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور (۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء)
☆ امین شریعت حضرت مولانا مفتی رفاقت حسین اشرفی کانپوری (۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء)
☆ حضرت مولانا مفتی سردار احمد چشتی محدثِ اعظم پاکستان (۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء)

☆ **حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس مفتی اعظم اڑیسہ (۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء)**

سید اولادِ رسول قدسی کے اسفار

سید اولادِ رسول قدسیؔ کا تعلق ایک ایسے خانوادے سے ہے جو علمی ہونے کے باوصف خانقاہی نظام پہ یقین رکھتا ہے جس طرح درس گاہوں میں تعلیم وتربیت اور انسان سازی کی مشین ہر وقت حرکت میں ہوتی ہیں ٹھیک اسی طرح خانقاہوں میں دعوت وتبلیغ بیعت وارادت اور تزکیۂ نفس کا بازار ہر وقت گرم رہتا ہے۔ درس گاہوں کے کھلنے کے اوقات متعین ہیں کوئی بھی شخص اپنی طبیعت سے کسی درس گاہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ درس گاہوں میں داخلے کے کچھ اصول بھی ہیں اصولوں کی رعایت کے بغیر کوئی بھی درس گاہ کسی بھی فرد کے لئے اپنے دروازے نہیں کھولتی دینی درس گاہوں میں مذہب ومسلک کی بھی قید ہوتی ہے۔ ہر درس گاہ اپنے ہم مذہب وہم مسلک ہی کو جگہ دیتی ہے۔ برصغیر ہندو پاک میں ایسی درس گاہیں انگلیوں پہ گنی جاسکتی ہیں جن کے دروازے بنام مسلم سب کے لئے کھلے ہوں لیکن خانقاہی نظام ہمیشہ سے درس گاہی نظام سے یکسر مختلف رہا ہے۔ خانقاہوں کے دروازے ہر وقت ہر شخص کے لئے کھلے رہتے ہیں۔عموماً روحانی کرب کے شکار افراد ہی خانقاہوں کا رخ کرتے ہیں۔ خانقاہوں کا بنیادی مقصد خدا کے بندوں کو خدا سے جوڑنا ہوتا ہے۔توحید ورسالت کے زبانی اقرار اور قلبی تصدیق کے بغیر خدا سے رشتہ استوار نہیں ہوسکتا۔ بغیر رسالت کے توحید کا دعویٰ صحرائے سراب میں سفر کرنا ہے۔ درس گاہوں میں علماء ہوتے ہیں اور خانقاہوں میں صوفیاء یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ ہر عالم صوفی نہیں ہوتا لیکن ہر صوفی عالم ہوتا ہے۔ عالم کی نظر عموماً ظاہر پہ ہوتی ہے مگر صوفی باطن پہ نظر رکھتا ہے۔ عالم سے جو کام سالوں میں ہوتا ہے صوفی اس کام کو منٹوں میں انجام دیتا ہے۔آج نام نہاد صوفیوں کی جماعت مارکیٹ میں گھومتی رہتی

ہے۔انہیں شریعت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا وہ کہتے ہیں کہ شریعت اور ہے طریقت اور ہے ہم لوگ صاحب طریقت ہیں ہمارے ظاہر پہ نہ جاؤ، جبکہ نہ ان کے پاس ظاہر ہوتا ہے نہ باطن ان کی مثال تو رکن ہے فریب کے پردے میں وہ انسانوں کا لہو چوستے ہیں۔ ہماری گفتگو ان علماء اور صوفیاء کے تعلق سے ہورہی ہے جو انبیاء کی وراثت کے حق ادا کرتے ہیں یہ دونوں ایک ہی نہر سے پیتے ہیں صرف پینے میں تھوڑا فرق ہوتا ہے۔علماء اور صوفیاء کے اندازہ دعوت وتبلیغ میں بظاہر فرق ہوتا ہے لیکن مقاصد دونوں کے ایک ہوتے ہیں جس طرح ایک اینٹ ساز گیلی مٹی کو فرمے میں ڈالکر اینٹ ڈھالتا ہے ٹھیک اسی طرح علماء اپنی درس گاہوں میں انسان سازی کا فریضہ انجام دیتے ہیں جب اینٹ تیار ہوجاتی ہے تو اسے آگ کی بھٹی میں ڈالا جاتا ہے اینٹ بھٹی میں پک کر سرخ ہوجاتی ہے تب جا کر وہ کسی عمارت کی زینت بنتی ہے۔جب تک انسان درس گاہوں میں ہوتا ہے اس کی حیثیت کچی اینٹ کی ہوتی ہے اور جب انسان خانقاہوں میں داخل ہوتا ہے تو صوفیاء اسے ریاضت کی بھٹی میں ڈال دیتے ہیں ایک مدت تک وہ ریاضت کی بھٹی میں تپتا رہتا ہے جب اس میں سرخی آجاتی ہے تو اسے ریاضت کی بھٹی سے نکال کر میدان عمل میں اُتار دیا جاتا ہے۔کچھ افراد اس مثال سے ہر زمانے میں مستثنٰی رہے ہیں آج خانقاہی نظام اگر چہ بے اثر ہو چکا ہے پھر بھی اس کی رسمی حیثیت ابھی محفوظ ہے۔اور اس کی یہ حیثیت تا قیامت ختم نہیں ہوسکتی۔سید اولادِ رسول قدسی کی خوش بختی یہ ہے کہ گھر میں انہیں جو ماحول ملا وہ درس گاہی بھی تھا اور خانقاہی بھی ان کے والد ماجد حبیبی درس گاہ کے تربیت یافتہ اپنے وقت کے زبردست عالم اور صوفی تھے والد ماجد نے انہیں پڑھایا بھی تھا اور پلایا بھی تھا یہی وجہ ہے کہ قدسی ابتدا ہی میں درس گاہی معمولات اور خانقاہی رسم ورواج سے خوب اچھی طرح واقف ہو چکے تھے انہیں اس بات کا بھی علم ہوگیا تھا کہ انسانی ذہن وفکر کی تعمیر کن کن عناصر سے ہوتی ہے اور میدان دعوت وتبلیغ میں کس طرح کے اسلحے کی ضرورت پڑتی ہے گھر کی آب وہوا نے ذہن وفکر یہ مذہب ومسلک کا غازہ مل دیا تھا۔گھر کی ابتدائی تعلیم وتربیت کے بعد جب برائے تعلیم انہوں نے باہر کی دنیا میں

قدم رکھا تو وہاں کا ماحول اور وہاں کی آب وہوا گھر سے یکسر مختلف تھی گھر کی کھلی فضا میں رہنے کی وجہ بتا کر نئے ماحول میں جانے کے بعد کچھ دنوں تک انہیں دقتوں سے دو چار ہونا پڑا۔ ان کے سامنے کئی متبادل تھے پھر بھی انہوں نے اس نئے ماحول سے خود کو مانوس کرنے کی کوشش جاری رکھی اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئے جب سر پہ بڑوں کا دست شفقت ہوتا ہے تو انسان زندگی کی بہت ساری کٹھنائیوں سے بچ جاتا ہے انہیں قدم قدم پر والدین کی رہنمائی ملتی رہی اس لئے خطرات کے سائے کبھی ان سے قریب نہیں ہوئے۔ انہوں نے عصری درسگاہوں کا ماحول کبھی قبول نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ اپنے احباب اور اپنے ہم سبق ساتھیوں کو اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی۔ ذہانت وفطانت اور مذہب ومسلک کی صلاحیت انہیں ورثے میں ملی تھی اس لئے وہ جہاں بھی رہے اور جس ماحول میں رہے اپنی شناخت کو کبھی داغدار ہونے نہیں دیا۔ انہوں نے مغربی تہذیب سے متاثر کسی بھی فرد کو اپنے اوپر کبھی حاوی ہونے نہیں دیا انہوں نے دعوت وتبلیغ کے فریضہ سے خود کو کبھی آزاد بھی نہیں سمجھا۔ ان کے اندر کچھ کرتے رہنے کا جذبہ کبھی کم نہیں ہوا۔ قدرت جس سے کام لینا چاہتی ہے اسے خود سنوارتی ہے۔ وہ تمام خاردار راہیں اس پر بند کر دی جاتی ہیں جن سے دامن کے الجھ جانے کا خطرہ ہوتا ہے آج قدسی امریکہ جیسے ترقی پذیر ملک میں قیام پذیر ہیں اس کے باوجود امریکی معاشرے کو کسی بھی جہت سے انہوں نے قبول نہیں کیا۔ وہ جہاں بھی رہے مذہبی روایات اور مسلکی اقدار کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے۔

سید اولادِ رسول قدسی نے پہلے عصری درس گاہوں کا رخ کیا عصری تعلیم کی تکمیل کے بعد دینی درسگاہوں میں قدم رکھا ۱۹۹۲ء میں دینیات کی تکمیل کی اور سند فراغت سے نوازے گئے، فراغت کے فوراً بعد ان کے تبلیغی ودعوتی سفر کی ابتدا ہوتی ہے یوں تو دورانِ تعلیم بھی وہ ملک کی سرحدوں کی پیمائش کرتے رہے انہوں نے شعروسخن اور زبان وادب کے علاوہ خطابت کا بھی بہت اچھا مذاق پایا ہے۔ انہوں نے خطابت کے زور پر بھی عقیدے اور عقیدتوں کی زمینوں کو وسعت دی ہے۔ آج ملک میں جماعتی سطح پر خطباء تو بہت ہیں پھر

بھی قدسی کی کمی کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔عقیدے اور عقیدتیں انہیں ڈھونڈ رہی ہیں جس شہر کا بھی انہوں نے رخ کیا اپنی خطابت کے ذریعہ اعمال وعقائد کی اصلاح میں مؤثر اوّ ل ادا کیا۔مختلف زبانوں کے امتزاج سے ان کی خطابت میں دلکشی اور رعنائی آجاتی ہے۔ جہاں اہل علم کا اجتماع ہوتا ہے وہاں ان کی تقریر کا رنگ ہی جدا ہوتا ہے۔ وہ سیرت اورصورت دونوں اعتبار سے قابل توجہ ہیں۔ بہت سارے لوگ ان کی صورت دیکھ کر ان کے گرویدہ ہوجاتے ہیں امان خاں دل شمالی امریکہ لکھتے ہیں۔

سید اولادِ رسول قدسی سے میری پہلی ملاقات آج سے تقریباً پانچ چھ سال قبل نیویارک کی ایک محفل نعت میں ہوئی۔ پہلی ہی ملاقات میں میں ان کی شخصیت کا معترف اور گرویدہ ہوگیا۔ اس کے بعد بھی ان سے ملاقات کا سلسلہ کبھی نعتیہ مشاعرے میں تو کبھی محفل نعت میں جاری رہا۔کئی ملاقاتوں میں انہیں بہت قریب سے دیکھنے، سننے اور پرکھنے کے مواقع ملے وہ نہایت ہی خوش مزاج، خوش خلق اورخوش بیان شخصیت کے مالک ہیں۔

ان کا خلوص، ان کی محبت سے بے مثال اللہ سے دعا ہے تعلق بنا رہے۔

(فکر مسلسل صفحہ ٦٦)

سیداولادِرسول قدسی نے فراغت کے بعد خالص دینی نوعیت کا پہلا سفر ۱۹۹۲ء میں بحیثیت ناظم تعلیمات کے مدرسہ جامع العلوم شریف حلال پور سیوان کا کیا۔انہوں نے ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۵ء تک سیوان کی پیاسی سرزمین کو اپنی لیاقت وصلاحیت، حسن عمل اور حسن عقیدہ سے سیراب کیا۔ان کی آمد سے نہ صرف ادارے کا نظام تعلیم ،نظام تربیت اور نظام عمل میں تبدیلی آئی بلکہ پورے علاقے کی مذہبی اور مسلکی قدروں کے حسن ودلکشی میں اضافہ ہوا۔ عقیدے اور عقیدتوں کے شجر میں تازگی، شگفتگی اور ہریالی آئی۔ خیالات ، تصورات اوراحساسات کے آنگن میں امیدوں کی کرن پھوٹی۔احکامات روشن ہوئے لیکن انسان سوچتا بہت ہے مگر ہوتا وہی ہے جو قدرت چاہتی ہے۔قدسی کو وہاں کی آب وہوا راس نہیں آئی اس طرح انہوں نے ۱۹۹۵ء میں عروس البلاد ممبئی کے لئے رخت سفر باندھا۔تقریر وخطابت

کی غرض سے ممبئی وہ پہلے بھی جا چکے تھے۔ ممبئی کی زندگی مشینی زندگی ہوتی ہے پھر بھی وہاں کے ماحول سے وہ قدرے مانوس ہو چکے تھے۔

ممبئی میں زیادہ دنوں تک ان کا قیام نہیں رہا، عارضی طور پر ایک ہائی اسکول سے انگریزی کے استاد کی حیثیت سے وابستہ بھی ہو گئے تھے۔ اسی دوران ملاوی افریقہ سے دعوت نامہ آیا اور یک اسلامی اسکول کے پرنسپل کی حیثیت سے افریقہ روانہ ہو گئے یہ آپ کا دوسرا سفر تھا اور بیرون ملک کا پہلا سفر۔ آپ وہاں پہنچتے ہی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغ کی مسند بھی بچھا دی۔ آپ کی تبلیغی و دعوتی کوششوں سے دس عیسائی اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے اور درجنوں صلح کلی، بدمذہب اپنی بدعقیدگی سے تائب ہو کر خوش عقیدگی کی نعمت سے مالا ہوئے۔ چونکہ باہر کی فضا عقیدہ و عمل کے اعتبار سے بہت حد تک آزاد ہوتی ہے۔ اور سب سے مل جل کر رہنا چاہتی ہے۔ یہاں تک کہ اکثر علماء جو باہر کا سفر کرتے ہیں دھیرے دھیرے وہ بھی سکولر ہو جاتے ہیں۔ قدسی کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں کے اپنے عقیدے کی صلابت کو کبھی داغدار ہونے نہیں دیا۔ افریقہ میں جب انہوں نے محسوس کیا کہ یہاں تصلب کے ساتھ رہنا بہت مشکل ہے تو انہوں نے استعفیٰ دے دیا اور لجتی واپس آ گئے۔ افریقہ میں ان کے قیام کی مدت چھ ماہ رہی۔ کوئی بھی شخص باہر سے اتنا جلد واپس ہونا نہیں چاہتا۔ لیکن قدسی کے نزدیک دینی قدروں کا فروغ اولیت رکھتا ہے۔ انہوں نے ایمان وعقیدے کے صاف وشفاف چہرے پر کسی طرح کا داغ دھبہ دیکھنا کبھی قبول نہیں کیا۔

افریقہ سے ممبئی واپس ہونے کے بعد انہوں نے ممبئی ہی میں دعوت و تبلیغ کی مسند بچھانی چاہی۔ دعوت و تبلیغ کے لئے کسی ارادے سے وابستگی ضروری ہے اس سے احکامات اور مفادات بڑھ جاتے ہیں جب اہل عقیدت کو آپ کے ادارے کی خبر ہوئی تو وہ آپ کے لئے معقول جگہ کی تلاش میں لگ گئے۔ اسی دوران غوثیہ مسجد عبدالغفور خان اسٹریٹ کرلا کے اراکین نے آپ کو امامت وخطابت کی دعوت دی آپ نے ان کی دعوت کو قبول کر لیا۔ ۱۹۹۵ء سے ۱۹۹۷ء تک آپ نے غوثیہ مسجد میں پورے تشخص کے ساتھ امامت وخطابت

کے فرائض انجام دیئے۔ پھر لوسا کہ زامبیا افریقہ سے امامت وخطابت کا دعوت نامہ آیا آپ نے اسے قبول کرلیا اس طرح آپ بیرون ملک کے دوسرے سفر پر روانہ ہو گئے۔ زامبیا افریقہ میں امامت وخطابت کے ساتھ آپ وہاں ایک اسلامی اسکول میں بحیثیت پرنسپل بھی بحال ہو گئے۔ زامبیا افریقہ میں قریب قریب ڈیڑھ سوعیسائی آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ اوردرجنوں بدعقیدے تائب ہوئے۔ ۱۹۹۷ء سے ۱۹۹۹ء تک آپ نے اپنے علم وعمل کے نور سے لوسا کہ زامبیا کی سرزمین کو سیراب کیا۔

۱۹۹۷ء میں آپ لوسا کہ زامبیا سے ممبئی واپس ہوئے اور تھوڑے دنوں تک ممبئی میں قیام پذیر رہے پھر ۲۰۰۰ء کے اوائل میں آپ کینڈا کے لئے روانہ ہو گئے۔ بیرون ملک کا یہ آپ کا تیسرا سفر تھا لوسا کہ زامبیا میں آپ اہل وعیال کے ساتھ تھے لیکن کنیڈا کیلئے آپ تنہا روانہ ہوئے۔ کنیڈا کی آب وہوا بھی آپ کو پسند نہ آئی اور اس طرح آپ ایک سال کے اندر ہی اپنے ملک واپس آ گئے اس دربدری کی بنیادی وجہ کیا ہوسکتی ہے؟ غالباً دعوت وتبلیغ کے لئے جس طرح کا ماحول آپ کو چاہئے تھا وہ مل نہیں پا رہا تھا۔ دوسرے مصلحین امت کے حالات زندگی میں بھی اس طرح کے واقعات ملتے ہیں لیکن آپ قسمت کے دھنی واقع ہوئے ہیں زمینوں کو آپ نہیں ڈھونڈتے بلکہ زمینیں آپ کو ڈھونڈھتی ہیں جیسے ہی آپ ایک جگہ چھوڑتے ہیں فوراً ہی دوسری جگہ سے دعوت نامہ آجاتا ہے۔ ۲۰۰۱ء میں آپ کے پاس سیکرامنٹو کیلوفورنیہ امریکہ سے دعوت نامہ آیا راقم اس وقت ممبئی میں تھا جب راقم کو خبر ملی کہ آپ کیلوفورنیہ جانے کا ارادہ بنا رہے ہیں تو راقم نے ان سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا کہ سنا ہے کہ آپ امریکہ جانے کے لئے پرتول رہے ہیں انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ ہم نے انہیں یہ کہتے ہوئے روکنے کی کوشش کی کہ اپنے ملک ہی میں آپ جیسے لوگوں کی شدید ضرورت ہے خود ممبئی میں جماعتی قیادت کے لئے کوئی باوزن چہرہ نظر نہیں آتا یہاں ایک ایسے شخص کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی ہے جو حضور محبوب ملت اور حضور سیدالعلماء کی نیابت کا حق ادا کر سکے اور جماعت کی ٹوٹتی بکھرتی اجتماعیت کو روک سکے۔ مذکورہ شخصیات کے روشن کئے ہوئے چراغوں کی لو تیز سے تیز تر کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کام آپ ہی

جیسے لوگوں سے ہوسکتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مولانا آپ کی بات بالکل درست ہے ہم آپ کے احساسات کی قدر کرتے ہیں ہمارا ارادہ بھی جانے کا نہیں ہے لیکن وہاں سے جو دعوت نامہ آیا ہے اس میں ہمارے بلانے کے جو مقاصد لکھے ہیں ان میں ایک بنیادی مقصد ردّ وہابیہ اور مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت ہے۔ بیرون ملک کا یہ پہلا دعوت نامہ ہے جس میں ردّ وہابیہ اور مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت لکھا ہے اس لئے اس وقت ہمیں جانے دیجئے اب کیلوفورنیہ سے واپسی ہوئی تو ملک میں رہنے کو ہی ترجیح دیں گے اس طرح ۲۰۰۱ء میں آپ کیلوفورنیہ امریکہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۷ء تک آپ مسلسل چھ سال تک کیلوفورنیہ میں اپنے علم وعرفان سے وہاں کی پیاسی زمین کو سیراب کرتے رہے اس مدت قیام میں ۱۵؍عیسائیوں کو آپکے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کی سعادت ملی۔ کیلوفورنیہ کی زمین آپ کے لئے کچھ زیادہ ہی مفید ثابت ہوئی کئی شعری ونثری دبستان آپ نے وہاں کی آب وہوا میں تیار کئے درجنوں تحقیقی ومعلوماتی مقالات لکھے۔ آپ کے گھر میں سید قرار رسول کی شکل میں ایک چراغ پہلے ہی سے روشن تھا۔ کیلوفورنیہ ہی میں سید ایثار رسول اور منار رسول کی شکل میں دو مزید چراغ روشن ہوئے۔ سیرت کے عنوان پر، سیرت سرور دوجہاں جیسی معرکے کی کتاب بھی آپ نے کیلوفورنیہ ہی میں تیار کی اور بھی بہت سارے دینی، ملی اور علمی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ۲۰۰۸ء میں آپ نے کیلوفورنیہ کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ کیلوفورنیہ چھوڑنے کے بعد آپ کی ہندوستان واپسی نہیں ہوئی بلکہ آپ وہیں سے مسجد قریش ہوسٹن چلے گئے۔ کیلوفورنیہ چھوڑنے کے اسباب کیا تھے راقم الحروف کو اس کا علم اب تک نہیں ہوسکا ہے۔ ہوسٹن میں آپ پانچ سال تک قیام پذیر رہے۔ ہوسٹن میں بھی آپ نے اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں ہوسٹن کے زمانۂ قیام ہی میں مسجد خضریٰ نیویارک کے اراکین کا آپ سے رابطہ بحال ہو چکا تھا وہ لوگ ایک باصلاحیت عالم کی تلاش میں تھے اور بار باران کی نگاہیں آپ پر ٹھہر جاتی تھیں۔ انہوں نے بار بار آپ کی خدمت میں اپنا عریضہ بھی پیش کیا لیکن آپ جلد بازی میں کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور ہوسٹن چھوڑنے پر کسی طرح آمادہ بھی نہیں تھے جب اہل نیویارک کا اصرار حد سے زیادہ بڑھ گیا اور آپ نے

محسوس کیا کہ ان کے اصرار میں عقیدتوں کی کارفرمائی بھی ہے تو آپ نے ان کی دعوت کو سند قبولیت دے دی۔ ہوسٹن میں بھی آپ کی تحریک وتبلیغ سے متاثر ہو کر بیس عیسائیوں نے قبول اسلام کیا اور بدعقیدگی وصلح کلیت سے تائب ہونے والوں کی بھی بہت بڑی تعداد ہے ۔خاموش بیٹھنا آپ کی عادت کے خلاف ہے۔صالح قدروں کی اشاعت ہی آپ کی حیات کا سرنامہ ہے یہ ساری چیزیں مشاہداتی ہیں۔ آج اکثر لوگ درہم ودینار کے سامنے اپنا تشخص بھی بیچ ڈالتے ہیں بلکہ اب تو پیسوں کو دیکھ کر عام طور پر لوگ وفاداریاں بدل رہے ہیں۔ اپنی ان آنکھوں نے اب سے پہلے ایسا دور کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پہلے وفاداریاں مذہب ومسلک کے مفاد میں بدلتی تھیں اور آج زر وجواہرات کے لئے بدلتی ہیں جن کے پاس علم ومطالعہ نہیں ہے، جن کے پاس روایتی اسلام ہے اور جن لوگوں نے درس گاہوں کا کبھی چہرہ نہیں دیکھا ایسے لوگوں کا دین وایمان شدید خطرے میں ہے۔ عام لوگ اپنے رہنماؤں کی حرکت وعمل کو دیکھ کر اپنا قبلۂ عقیدت متعین کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو مذہب ومسلک کے لئے خطرات پیدا کر رہے ہیں انہیں اپنے حال واحوال پہ نظر ثانی کی شدید ضرورت ہے۔

قدسی صاحب کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ہواؤں کا رخ دیکھ کر اپنا قبلۂ عقیدت متعین نہیں کرتے بلکہ انہیں دیکھ کر ہوائیں اپنا سمت سفر متعین کرتی ہیں۔ ان کے سامنے سخت سے سخت حالات آئے، مسائل کی آندھیاں چلیں اور الجھنوں کی چٹانیں راہ میں حائل ہوئیں پھر بھی ان کے عزم وارادے میں کسی طرح کا ضعف نہیں دیکھا گیا۔ ان کی زبان پر ہمیشہ یہ نغمات ہوتے ہیں۔

میرے مشرب سے مجھے کون ہٹا سکتا ہے
یہ اسیری تو میرا پیشہ آبائی ہے
بدل دو وقت کو پر پروانوا اب خدا کے لئے
چراغ بن کے جلو بزمِ مصطفی کے لئے
صلیب ودار سہی دشت وکوہسار سہی
جہاں بھی تم نے پکارا ہے جانثار چلے
سنی جو بانگ جرسی تو بقتل گاہ جفا

کفن بدوش اسیرانِ زلف یار چلے

قدسی صاحب ۲۰۱۳ء میں مسجد قریش کیلوفورنیہ سے مستعفی ہو کر مسجد خضریٰ نیو یارک چلے گئے چار سال سے مسجد خضریٰ نیو یارک میں درس وتدریس، امامت وخطابت اور دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دے رہے ہیں فی الحال جگہ کے حوالے سے ان کے خیالات میں کسی طرح کا بدلاؤ نظر نہیں آرہا ہے۔ سیوان، ممبئی، ملاوی افریقہ، لوسا کہ زامبیا افریقہ، کنیڈا، کیلوفورنیہ امریکہ، ہوسٹن امریکہ اور نیو یارک امریکہ یہ ان کے سفر کے مقامات ہیں ان کے علاوہ بھی انہوں نے دوسرے مما لک کا سفر کیا ہے لیکن ان کی تاریخیں ان کی ڈائری میں محفوظ نہیں ہیں۔ انہوں نے برطانیہ کا ایک ماہ کا تبلیغی دورا کیا اس ایک ماہ میں ان کی تیس سے زائد تقریریں ہوئیں۔ ان سارے اسفار میں ٹوٹل ۱۹۵؍عیسائیوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا یہ ایسی سعادت ہے جو ان کے ہم عصروں میں شاید ہی کسی کے حصّے میں آئی ہو۔ ان کا تبلیغی ودعوتی سفر جاری ہے ان سے بہت ساری امیدیں اور امکانات ہیں۔ نعت گوئی قدسی کی حیات کا ترجیحی عنوان ہے وہ نعت رسول مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ پوری دنیا میں عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عام تام کرنے میں مصروف ہیں ان کا نعتیہ سفر ان کی سانسوں سے جڑا ہوا ہے۔ جب تک سانسیں چل رہی ہیں ان کا نعتیہ اور دعوتی اصلاحی سفر جاری رہے گا۔

تہنیت بر شادی علامہ سید اولادِ رسول قدسیؔ قادری حبیبی مصباحی

از سید آلِ رسول حسنین میاں نظمیؔ مارہروی

سجادہ نشین، مارہرہ مطہرہ

سید اولاد رسول قدسی ۱۹۹۲ء میں دینی تعلیم وتربیت سے فارغ ہونے کے بعد درس وتدریس کے میدان میں قدم رکھا۔ ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۵ء تک سیوان بہار میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بہار میں انہیں اپنا مستقبل نظر نہیں آرہا تھا، اپنے روشن مستقبل کی تلاش میں انہوں نے بہار کو الوداع کہا اور ۱۹۹۵ء میں ممبئی کا رخ کیا۔ بڑے شہروں میں مواقع زیادہ ہوتے ہیں، اس لئے بڑے علماء عموماً مرکزی شہروں میں قیام کو ترجیح دیتے ہیں۔ ممبئی میں آپ کے قیام کی مدت ایک سال بھی نہیں ہوئی تھی کہ گھر کے لوگوں کو آپ کی شادی کی فکر ستانے لگی، آپ شادی کے لئے رضا مند نہیں تھے۔ آپ اپنے قدموں پہ کھڑا ہونا چاہتے تھے لیکن افراد خانہ کے پیہم اصرار کے سامنے آپ نے گردن جھکادی اس طرح ء میں آپ رشتہ ازدواج سے منسلک ہو گئے۔ آپ کی شادی کے موقع پر حضرت سید آل رسول حسنین میاں نظمیؔ نے بڑا جامع سہرا کہا سہرے کے ہر شعر سے عقیدت والفت کا آبشار پھوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے قارئین کے استفادے کے لئے وہ سہرا ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

پہلے لکھوں حمدِ ربِّ مصطفیٰ　　پھر لکھوں نعت ِ حبیب ِ کبریا
بعد ازاں قدسی کا مَیں سہرا لکھوں　　بن گیا بھائی مِرا دولھا لکھوں
عبدِ قدوس آج ہیں جنت مکیں　　فیض روح ان کا ہے شامل بالیقیں
دے رہے ہیں اپنے بیٹے کو دُعا　　سب رہیں خوش حال اے میرے خدا
ماں کی آنکھوں میں جو آنسو آ گئے　　کتنی خوش ہیں راز یہ بتلا گئے

سیدہ محمودہ بی بی شاد کام ساری خوشیاں آج کیں بیٹے کے نام
پیارا قدسیؔ آج دولہا بن گیا والدہ کا سر خوشی سے تن گیا
عبدِ مسجود آج ہیں سر با سجود بھائی کے گھر میں ہے خوشیوں کا ورود
ہے عطائے محیِ دیں کی یہ دُعا رکھنا بھائی کو سلامت اے خدا
اس کی ابرو پر شکن آنے نہ پائے اس کو خوش حالی سدا گودی کھلائے
قول و فعل و حال میں سچّا رہے ہر قدم اس کا رہِ دیں میں اُٹھے
اب اطاعت کا اٹھا دستِ دُعا بھائی کو عزت عطا کر یا خدا
اس کے دامن میں تو بھر دے عشرتیں دین و دنیا کی عطا کر نعمتیں
اس کو شہرت کی بلندی پر چڑھا دین کی عزت بڑھے اس سے سدا
آگے بڑھ کے بولے یہ فضلِ رسول اے خدا میری دُعا کر لے قبول
میرا بھائی دین کا مخدوم ہو اس کے گھر میں رنج و غم معدوم ہو
کامیابی چومے قدسیؔ کے قدم اور ملے اس کو ترقی دَم بہ دَم
اس کے سہرے کی تو رکھنا آبرو بھابی ہو میری سعید و نیک خو
سیدِ آلِ رسول آگے بڑھے اور کلماتِ دُعا دل سے پڑھے
ہو سدا مسرور اولادِ رسول اس پہ ہو ہر گام رحمت کا نزول
میرے بھائی کا کوئی دشمن نہ ہو ہو خزاں جس میں یہ وہ گلشن نہ ہو
سایۂ رحمت میں گذرے زندگی اس کے ماتھے پر رہے تابندگی
آئیں بلقیس جہاں چاہت لیے بھائی کی خوش حالی کی منّت لیے
ربّ تعالیٰ بھائی کو اچھا رکھے گھر سدا آباد خوشیوں سے رہے
بھائی بھابی میں رہے اُلفت سدا ایک دوجے کے لیے ہوں باوفا
ان کے آنگن میں سجیں پھلواریاں نازشِ گلشن رہیں یہ کیاریاں

فاطمہ بھی آئیں بھائی کے قریب رب دے بھائی سب کو ایسا خوش نصیب
علم والا فضل والا بانسب ہاں ہاں اولادِ رسول باحسب
مرشدہ قدوسیہ بھابی بنیں قدسی کو قدوسیہ دلہن ملیں
ارضِ مارہرہ کی نسبت کے طفیل اور بریلی کی کرامت کے طفیل
مرحبا نوشاہ کی کیا شان ہے مرشدوں کا واہ کیا فیضان ہے
یا الٰہی یہ چمن آباد رکھ دولہا دلہن کو سدا دل شاد رکھ
ان کے گھر رقصاں بہاریں ہوں سدا مہکے اس گلشن کا ہر گل اے خدا
ہر زباں پر آرہی ہے یہ صدا نظمیؔ نے کیا خوب ہی سہرا لکھا
قدسی تم کو غوث کا صدقہ ملا سیدوں کا خانداں پھولے پھلے

قدسی کے منتخب اشعار

دوہا حمد

دل میں اس کا خوف ہو، رحمت سے امید
راضی ہم سے وہ رہے ، بس ہو یہ مقصود

گرچہ اس کی ذات ہے، جسم وجاں سے پاک
اس کا جلوہ ہے مگر ، ہر شئے میں موجود

جو رب کے محبوب سے ، دل میں رکھے بغض
بے سود اس کا ہر عمل، ایماں ہے مفقود

مجھے اپنا ذاکر بنا میرے اللہ
میسر ہو تیری رضا میرے اللہ

میں اپنے کیے پر ہوں شرمندہ بے حد
مٹا سارے جرم و خطا میرے اللہ

بنے میرا سینہ منور مدینہ
ہو عشقِ محمد عطا میرے اللہ

دعا ہے ہماری نمازوں میں پیہم
ہمیں سیدھا رستہ چلا میرے اللہ

میری زیست کی شمع ایماں پہ گل ہو
ہے قدسیؔ کی بس یہ دعا میرے اللہ

دوہا نعت

یادوں سے سرکار کی، جو دل ہے آباد
رب کے وہ فیضان سے، ہر لمحہ ہے شاد

ان کی ذاتِ پاک سے، جس نے رکھا بیر
اس کا سب کچھ ہوگیا، پل بھر میں برباد

بیٹھے ہو مغموم کیوں، میری مانو یار
غم ہو جائے گا غلط کرلو ان کو یاد

جن و انساں کی فقط قدسیؔ کیا تخصیص
آقا ہر مخلوق کی، سنتے ہیں فریاد

ایمان و اسلام سے ، خارج ہے وہ شخص
کی جس نے سرکار کی ، ادنیٰ سی توہین

ان کا کیجئے شوق سے ، لمحہ لمحہ ذکر
یادیں ان کی روح کی، ہیں وجہ تزئین

جو ان کے ناموس پر ، دیدے اپنی جان
حوریں اس کی خلد میں ، کرتی ہیں تحسین

خیر و شر کی ہو چکی ، تشریح و توضیح
ہم کو راہِ راست کی ، کرنی ہے تعیین

حبِّ شاہِ دوجہاں، ہے اصلِ ایمان
کل ہے یہ حق ہے یہی، ناطق ہے قرآن

لب پر گر اخلاص سے، آئے ان کا نام
پل بھر میں ہوجائے پھر، ہر مشکل آسان

ان کے در پر ہے کھڑی، ساری کائنات
ان کا یوں صبح و مسا، بٹتا ہے فیضان

اس کو رب کی معرفت ،ہوگی اپنے آپ
حاصل ہوجائے جسے،خود اپنا عرفان

دورِ رفتہ

تھا اُجالا ہی اُجالا، کیا سہانا دور تھا
جلوہ گر تھے شاہِ والا، کیا سہانا دور تھا

روز ہوتی تھی صحابہ کو زیارت شاہ کی
کتنا روشن تھا نصیبہ، کیا سہانا دور تھا

آہ بھرتی تھی ضلالت، کانپتے تھے کفر و شرک
رعبِ دینِ حق تھا چھایا، کیا سہانا دور تھا

ان کے ارشادات کی ، خوشبو تھی پھیلی اس طرح
ہر بشر تھا مہکا مہکا، کیا سہانا دور تھا

یوں فروزاں شمعِ عشقِ مصطفیٰ تھی چا رسو
قلبِ انساں تھا مدینہ، کیا سہانا دور تھا

خود نبی دے دیں غلامی کی سند قدسیؔ ہمیں
وصف ہو یوں آشکارا، کیا سہانا دور تھا

دھوپ ان کے خُلق کی پھیلی عجب
چھٹ گئیں جور و جفا کی بدلیاں

جشن میلاد النبی کے شور سے
گر رہی ہیں دشمنوں پہ بجلیاں

ان کے ارشادات کے اثرات سے
خیر و خوبی کو ملیں آزادیاں

بزمِ گستاخ نبی میں شرکتیں
ہیں سرا سر وقت کی بربادیاں

جو گیا حدِّ شریعت سے نکل
دوجہاں میں اس کی ہیں رسوائیاں

چھاگئے وہ نور بن کے قلب میں
ہجر نے لیں جب کبھی انگڑائیاں

دور ہوجاتی ہیں ان کے نام سے
جسم کی اور روح کی بیماریاں

لب پہ آتے ہی نبی کا اسمِ پاک
ہوگئیں بنجر دکھوں کی وادیاں

بے عمل مومن کی ہے ایسی مثال
تیر ہے ناپید لیکن ہے کماں

دیکھ کر طیبہ کا حسنِ بے مثال
رشک کا پیکر ہے گلزارِ جناں

گونجتی ہو، ان کی نعتوں کی صدا
جب نکلتی ہو ہمارے تن سے جاں
میرے سر ان کی غلامی کا ہے تاج
دیکھنا محشر میں میری عز و شاں

آگیا غم کا کلیجہ مونھ کو
چھڑ گئی جب کربلا کی داستاں

کیوں کہیں پھیلائیں ہم دستِ طلب
جب ہیں آقا مونسِ بے چارگاں

تم ادب سے کرکے نعتوں کو جدا
مت کرو یوں فن کی دل آزاریاں

ان کا دستِ فیض تھا سر پر میرے
کیسے حائل ہو تیں تشنہ کامیاں

کرکے پیدا خود عقیدے میں لچک
کہتا ہے نادان ہیں مجبوریاں

اہلسنّت خود کو اب کہنے لگے
بد عقیدوں کی ہیں یہ چالاکیاں

وہ توسل کا ہے منکر جس کی خود
ہیں سہارا دہر میں بیساکھیاں

دیکھنے سے جن کو یاد آئے خدا
اب کہاں ملتی ہیں ایسی ہستیاں
تھام لے گرتوں کو جو گرنے سے قبل
کون ہے ان سا انیسِ بیکساں

ان کی گلیوں کی چمک کے سامنے
ہیچ ہیں دنیا کی سب رعنائیاں

نعت گوئی کا ہے قدسیؔ یہ ثمر
میری سوچوں کو ملیں گہرائیاں

ذرّے ذرّے کے لیے بن کے وہ آئے رحمت
کون ہے جس پہ شہِ دین کا احسان نہیں

آج بھی وقت ہے بن جا تو نبی کا شیدا
پھر نہ کہنا کہ میں کیوں صاحبِ ایمان نہیں

سامنا ہوگا ندامت کا اسے محشر میں
جو گناہوں پہ یہاں دل سے پشیمان نہیں

ہے یہ اعجاز شہیدِ رہِ حق کا قدسیؔ
جان باقی نہ رہی، پھر بھی وہ بے جان نہیں

اُن کے در سے بتاؤ کیا نہ ملا
جو نہ تم کو ملا وہ نا نہ ملا

ہو کے مربوط ان کے دامن سے
یہ نہ کہنا مجھے خدا نہ ملا

جو چلا ان کی راہ سے کٹ کر
زیست میں اس کو ارتقا نہ ملا

ان کی رحمت بھری زباں کے سوا
اور کہیں بھی انا لہا نہ ملا

ہے میرے ہاتھوں میں اُن کا دامن، مِرا مقدر ہے مہکا مہکا
کھلے ہیں لب پر گلِ تشکر، کرم کا منظر ہے مہکا مہکا

نصیبہ کعبے کا جاگ اُٹھا، قمر نبوت کا جوں ہی چمکا
ہے یہ نبی کے قدم کا جلوہ، حرم کا پتھر ہے مہکا مہکا

حسین لفظوں کی یہ سجاوٹ، سخن کے پھولوں کی یہ طراوٹ
طفیلِ نعتِ رسولِ اکرم، یہ فن کا گوہر ہے مہکا مہکا

نثار اس پر بہارِ جنت، ہے اس کا بے شک مقام برتر
وہ اہلِ ایماں جہاں میں جس کے، عمل کا ساگر ہے مہکا مہکا

بس ایک آرزو ہے میرا طائرِ سخن
آقا کی مدح میں سدا محوِ سفر ملے

ایسے بھی آئیں زیست میں لمحاتِ پُرضیا
یادوں میں ان کی آنکھ مری تر بتر ملے

ان کی عنایتوں کی ہوئیں خوب بارشیں
جب راہِ زیست میں مری غم کا شرر ملے

مجھ کو طلب کیا ہے رسولِ انام نے
قدسیؔ درِ حضور سے ایسی خبر ملے

یوں نعت گوئی بن گئی، سوچوں کی ہم سفر
بامِ عروج پر، مرا ادراک ہوگیا

یوں رنگ لایا جذبۂ عشقِ رسولِ حق
زخمِ شہید خلد کا، پوشاک ہوگیا

بادِ سموم ایسی چلی، ہے نفاق کی
تبلیغ کا مشن بھی، خطرناک ہوگیا

سیلابِ درد و غم میں، لیے نامِ مصطفیٰ
قدسیؔ میں بحرِ فیض کا، تیراک ہوگیا

بہارِ خلدِ بریں اب مری پناہ میں ہے
درِ نبی کا حسیں تر سماں نگاہ میں ہے

بلال و یاسر و عمّار سے یہ پوچھے کوئی
یہ کیسا کیف کا عالم نبی کی چاہ میں ہے

مثال اس کی نہ مل پائے گی قیامت تک
جو حوصلہ شہِ کونین کی سپاہ میں ہے

شہِ زمن کی گدائی میں جو سکوں ہے نہاں
سکون ایسا کہاں قدسیؔ بختِ شاہ میں ہے

ان کی رحمت کی آئی ہوا باغ باغ
ہوگئی میرے دل کی فضا باغ باغ

حشر کی دھوپ میں ہم گنہ گار کو
کر گئی ان کی نوری رِدا باغ باغ

جانے طیبہ سے لائی ہے پیغام کیا
آج لگتی ہے بے حد صبا باغ باغ

آہ بھرنے لگا ریگزارِ الم
کر گیا ان کا بحرِ عطا باغ باغ

شر کے اڑنے لگے قدسیؔ ہوش و حواس
خیر کی ایسی پھیلی ضیا باغ باغ

دردِ عشقِ نبی جس پہ طاری نہیں
اس نے تقدیر اپنی سنواری نہیں

کیا پتہ اس کو جنت کی آب و ہوا
زیست طیبہ میں جس نے گذاری نہیں

ہے محبت پہ ان کی مدارِ نجات
کون کہتا ہے یہ قولِ باری نہیں

اب غلاموں کی سرکار لیجئے خبر
بے سبب لب پہ یہ آہ و زاری نہیں

درِ نبی کا سماں دل پذیر ہے کہ نہیں
یہ رشکِ باغِ جناں دل پذیر ہے کہ نہیں

ہراک سمت جمالِ نبی ہے جلوہ فگن
مدینہ دارِ اماں دل پذیر ہے کہ نہیں

تڑپ کے عشقِ نبی میں بتا گئے یہ اویس
صدائے دردِ نہاں دل پذیر ہے کہ نہیں

مری رضا ہے رضائے حبیب میں پنہاں
یہ قولِ ربِ جہاں دل پذیر ہے کہ نہیں

بوقتِ نزع کریں گے وہ جلوہ سامانی
مرا یہ حسنِ گماں دل پذیر ہے کہ نہیں

کیا سروکار تشنہ کامی سے
شاد ہیں ان کی ہم غلامی سے

راہ بران کا نقشِ پا ہے مرا
کون روکے گا تیز گامی سے

نعت گوئی میں باادب ہشیار

آئی آواز قبرِ جامی سے
دل کی آنکھوں کو مل گئی ٹھنڈک
خاکِ در سرمۂ دوامی سے

جو ملا ان کے دم قدم سے ملا
رب ملا ا ن کے ہی کرم سے ملا

ہوں بیاں کیسے لذتیں اس کی
کیف جو ان کے دردو غم سے ملا

جان جائے مگر نہ جائے وقار
درس یہ دین کے علم سے ملا

رحمتیں ٹوٹ کر برسنے لگیں
قدسیؔ یہ ثمرہ چشمِ نم سے ملا

آؤ کرتے ہیں کام کی باتیں
یعنی خیرالانام کی باتیں

ہیں وہ اول بھی اور آخر بھی
ہیں یہ رب کے کلام کی باتیں

اس میں ہر درد کی دوا ہے نہاں
کیا کریں ان کے نام کی باتیں

قدسیؔ بھرتی ہیں نور ایماں میں
ان کے اعلیٰ مقام کی باتیں

ان کی یادوں میں مجھ کو کھونے دو
چشمِ دل اشک سے بھگونے دو

جو لقب چاہو بعد میں دینا
پہلے ان کا غلام ہونے دو

ان کی جالی پہ رکھ کے سر اپنا
ظالمو ایک بار رونے دو

گم ہوں میں ان کے در کے جلوؤں میں
نور کے سائباں میں سونے دو

قدسیؔ کے تردیدی اشعار (لوحِ محفوظ سے)

وہ سقر کی آگ میں جلا
حق سے جس میں بھی خلش ملی

جو مسلکِ رضا سے بیر رکھے قلب میں
اس شخص سے شدید ہمیں اختلاف ہے
گستاخ و بے ادب رہے جو بارگاہ میں
وہ ارتدادِ کفر کا اک کوہِ قاف ہے

جب ان کے علمِ غیب کی تلوار چل پڑی
حربہ منافقین کا ناکام ہوگیا
سن کر صدائے عشق درود و سلام کی
ایوانِ دیوبند میں کہرام ہوگیا

ہم نے ان پہ جب پڑھا سلام
نجد تار تار ہوگیا
ان کے خلق کا ہر ایک تیر
شر کے آر پار ہوگیا

ان سے محفوظ رب ہمیں رکھے
مثلِ ابلیس جن کا ڈھنگ ملا

ان کے بغیر ایک بھی سجدہ نہیں قبول
جان صلاۃ عشقِ حبیب ِ خدا میں ہے

لب پر لیے ہم برقِ تپاں حرفِ ندا کی
ہر بار مخالف پہ سدا وار کریں گے
سنگِ درِ جاناں پہ سرِ ناز جھکانا
گر جرم ہے ہم جرم یہ سو بار کریں گے

ہے ڈوبا ہوا شرک میں خود وہابی
چلا ڈالنے ہم پہ الزام دیکھو
سلاموں کی کلیاں کھلیں باغ فن پر
بپا قلبِ نجدی میں کہرام دیکھو

کیوں پکاروں نہ میں اسے آخر
جب مصیبت میں وہ رفیق ملا
راہِ اسلم سے جو ہٹا قدسیؔ
وہ فسادات کا فریق ملا

ان کا گستاخ بد انجام ملا
ان کے مداح کی قسمت ظاہر

ان کی توصیف سے جو شخص مڑا
اس پہ ربّ کی ہوئی لعنت ظاہر
حلق سے جس کے نہ اُترے قرآں
ایسے عالم کی جہالت ظاہر
لاکھ کھائیں وہ صفائی کی قسم
ان سے نجدی کی عداوت ظاہر
ان کے مخلص کو ملی ربّ کی رضا
اور منافق کی شقاوت ظاہر

دانستہ حقائق سے جو رہتا ہے بہت دور
کج فہم اس انسان کا عیار ہے احساس

حشر میں ہوگی ندامت اس کو
ان کے اعدا سے جو مخلوط ہوا
جس نے کی ان کے عدو سے نفرت
اس کا ایماں بڑا مضبوط ہوا

ان کے ناموس پہ کرتا رہا نجدی حملہ
رہتے خاموش بھلا کیسے رضا ناممکن
لاکھ دقاق زمانے میں ہوں پیدا پھر بھی
پُر ہو عالم میں رضا کا یہ خلا ناممکن

جس نے کی گستاخیِ شاہِ زمن
نور سے ٹکرا کے وہ ناری ہوا
ان کے شیدا ان پہ قرباں ہوگئے
دہن گستاخوں کا تا تاری ہوا

منزل پہ ارتقا کی رہے مخلصین سب
پسپا منافقین ہوئے خود نفاق سے

ڈھونڈتا پھر رہا ہے جو نقصِ نبی
وہ ضلالت سے لبریز ملعون ہے
سربلندی ملی حق کو جس خون سے
میری رگ رگ میں قدسیؔ وہی خون ہے

جو منکر ہے تعظیم ِ شاہِ زمن کا
بوقت سلام اس کو بے شرم دیکھا

ان سے جس کا دماغ ہے خالی
اس کی ہر فکر مثلِ تاش رہی
ان کے دامن سے جو لپٹ نہ سکا
اس کے رخ پر عجب خراش رہی
جس نے کی ان سے دشمنی قدسیؔ
عاقبت اس کی پُر خراش رہی

جس کا شیوہ ہو گستاخیِ شاہِ دیں
اس کا ہر قول بے جا و موہوم ہے
ان کی الفت سے دل جس کا خالی رہے
خیر سے قدسیؔ یکسر وہ محروم ہے

ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ہم ان کو چھوڑ دیں
ظالم جو چاہیں شوق سے مشقِ ستم کریں
ہم شرعِ مصطفٰی کے ضوابط کی تیغ سے
جملہ مفاسدات کے سر کو قلم کریں

ہم نے تو جمائی ہے درِ پاک پہ نظریں
کم ظرف ادھر اور اُدھر دیکھ رہے ہیں
گستاخِ شہنشاہِ دوعالم کی جبیں پر
ہم قہرِ خدا برق و شرر دیکھ رہے ہیں

دیوبندی سے بچاؤ ایماں
آستینوں کے بھیانک ہیں یہ سانپ
جھومتے جھومتے ہم خلد چلے
راستہ نار کا نجدی تُو ناپ
مدح آقا کی کیے جا ہر دَم
غیر کا قدسیؔ نہ تُو راگ الاپ

زباں سے ہو اظہار اور دل ہو خالی
یہ عشقِ نبی کی نشانی نہیں ہے
نہ معمور ہو ان کی اُلفت سے سینہ
یہ ایمان کی ترجمانی نہیں ہے
وہ عرشِ علیٰ کی خبر دیں زمیں پر
نبی کی یہ کیا غیب دانی نہیں ہے

ہوگی یہ اس کے عقیدے کی شقاوت کی دلیل
ان کی مدحت سے جس انسان کو خارش ہوگی
میٹھی باتوں میں نہ آنا کبھی تبلیغی کی
اس کے ہر پند و نصیحت میں بھی سازش ہوگی

کلمہ لب پہ ہو اور دل میں نفاق
کشتِ ایماں کی تو یہ کھاد نہیں
ہے جو گستاخِ نبی اس کے لیے
ربِّ کونین کی امداد نہیں

پڑھا ہے ہم نے جب سلام
ہوا ہے نجد تار تار
جو ان کے در سے پھر گیا
ہوا ہے وہ مستحقِ نار
کی جس نے ان سے دشمنی

ہے قدسیؔ وہ ذلیل و خوار

تو عظمتِ سرکار گھٹا ہی نہیں سکتا
نجدی ترا یہ خواب سدا خواب رہے گا
ہر صفحۂ قرآن و احادیث دکھا دو
نجدی کی زباں پہ فقط انکار رہے گا

تقاضا ہے یہی ایماں کا بد عقیدوں سے
ہمیشہ دور رہو عافیت اسی میں ہے
نہ جاؤ محفلِ گستاخِ مصطفیٰ میں کبھی
نہ ان کی بات سنو عافیت اسی میں ہے
تمام دین فروشوں سے تم الگ ہوکر
نثار حق پہ رہو عافیت اسی میں ہے
رضا کے مسلکِ حق پر رہو سدا قائم
بریلوی ہی رہو عافیت اسی میں ہے
کچل کے آج کی یہ صلح کلیت کا مشن
رضا کی سمت بڑھو عافیت اسی میں ہے
بتاؤ وہ جو ہے ارشادِ سرورِ عالم
حدیث یوں نہ گڑھو عافیت اسی میں ہے

ہے یہ عشقِ شہِ عالم کا تقاضا پیہم
ان کی آمد کا حسیں جشن مناتے رہیے
ہوکے بے خوف و خطر دین کے غداروں سے
سکّہ ایمان کا ہر دل میں بٹھاتے رہیے

موسلا دھار ہو بارانِ کرم
اپنے ہونٹوں کو درودوں سے سجانا ہے ہمیں
کوئی جلتا ہے تو جلتا رہے، جلتا ہی رہے
جشنِ میلادِ نبی جم کے منانا ہے ہمیں

ہم نے شہِ عالم کو کیا ربّ کے مساوی
الزام تھا، الزام ہے، الزام رہے گا
ناپاک مشن میں شہِ کونین کا گستاخ
ناکام تھا، ناکام ہے، ناکام رہے گا

کیسے مل پائے گی اس کو ربّ کی رضا
جس کے لب پر ثنا ان کی کی جاری نہیں
کرنا ہے بے نقاب ان کے گستاخ کو
اس میں حائل کوئی پردہ داری نہیں

ان کے گستاخوں کے چہرے کی مثال
جیسے ماچس کی جلی تیلیاں

وہ توسّل کا ہے منکر جس کی خود
ہیں سہارا دہر میں بیساکھیاں
جس کی پیشانی پہ ہے داغِ نفاق
وہ بتاتا ہے ہماری خامیاں
کرکے پیدا خود عقیدے میں لچک
کہتا ہے نادان ہیں مجبوریاں
ان کے اعدا کا جلا قصرِ فریب
چھا گیا ہر سو صداقت کا دھواں
جو ہوا منکر نبی کی شان کا
مٹ گیا اس شخص کا نام و نشاں
بزمِ گستاخِ نبی میں شرکتیں
ہیں سراسر وقت کی بربادیاں

قدسیؔ کے اصلاحی اشعار (فکرِ مسلسل سے)

بابِ اصلاح اس انساں کے لیے ہے مسدود
جس کی سوچوں میں ازل سے ہے شقاوت آباد
جو نہ رکھتا ہو شریعت کے تقاضوں کا بھرم
غیر ممکن ہے کہ اس میں ہو طریقت آباد
ہو میسر ہمیں سرمایۂ تسلیم و رضا
ہم میں ہو جائے اگر ذوقِ عبادت آباد

جو اس کے احکام کی، کرتا ہے تعمیل
دونوں عالم میں ہے وہ ، محبوب و مسعود

حق کے باغی کا ہوا، قدسیؔ ایسا حشر
پل بھر میں وہ بن گیا، شیطانِ مردود

گناہوں کی ظلمت چھٹے میرے دل سے
یوں پھیلے عمل کی ضیا میرے اللہ
فریب و دغا ، کذب و غیبت سے رکھ دور
یوں بھر دے تو رنگِ صفا میرے اللہ

فکرِ دیں سے جو ہو یکسر ماورا
ہیں عبث اس ذہن کی جولانیاں
حق کی خاطر ڈٹ گیا جو بے خطر

اس کو دیتے ہیں ملک شاباشیاں
کھلتے ہیں باغِ عمل میں اس کے پھول
جذبۂ دینی ہے جس کا باغباں
جو فنا ہوتا ہے ان کے عشق میں
اس کو ملتی ہے حیاتِ جاوداں

ہر جگہ اہلِ ایمان غالب رہے
فتحِ جاں اور اس کے یہ قالب رہے
شرع کی روشنی میں جو چلتا رہا
اس کے اقدام سارے مناسب رہے

جو گیا حدِّ شرع سے باہر
اس کو ہر گام پست ہونا ہے
اس کو لازم ہے پیروی ان کی
جس کو خالق پرست ہونا ہے

جذبۂ حسنِ عمل ہوگا کبھی تو پیدا
ان کے ارشاد سے سوتوں کو جگاتے رہیے

خوف ہو خالقِ کونین کا لاحق دل میں
طولِ امید سے جان اپنی چھڑاتے رہیے

دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے
بات جو حق ہے سرِ عام سناتے رہیے
کھلتا جائے گا یقینا درِ خیرو برکت
محفلِ ذکرِ نبی گھر میں سجاتے رہیے

زیست کی صبح و مسا کیسے گذاری جائے
ہے جو مسنون طریقہ وہ بتاتے رہیے

بیج اعمالِ خیر وخوبی کا
کشتِ ایماں میں مجھ کو بونے دو

ہر طرف نورِ خیر پھیلا کر
شر کی آلائشوں کو دھونے دو

کرکے ان کی اطاعتیں قدسیؔ
رب کی خوشنودیاں سمونے دو

(لوحِ محفوظ سے)

جس نے ہر گام پر مات دی نفس کو
وہ صفاتِ ملائک کا حامل ہوا

ان کی پیروی کا ہے کمال
بادِ خیر ہم سفر ہوئی

ان کے در سے جو ہوا جدا
راہ اس کی پُر خطر ہوئی

نالاں ہے مسلمان کے کردار سے اسلام
اک تلخ حقیقت ہے یہ افواہ کہاں ہے
ناموسِ نبی کے لیے اب بھی یہ مسلماں
مر مٹنے کو تیار ہے روباہ کہاں ہے

اس دورِ پُر فتن میں جو حق پر ڈٹا رہا
ذی شاں ہے اس کی ذات کرامت ہے زندگی
ملحوظ ہو اصولِ شریعت اگر تمھیں
پھر آسمانِ فیض ہے نعمت ہے زندگی

کاش حسنِ عمل کے پھول کھلیں
کہہ سکوں میں بھی گلستاں ہے حیات
لمحۂ فکریہ ہے میرے لیے
کیوں بھری دھوپ میں نہاں ہے حیات

سرنگوں ہوتا ہوا دیکھ کے حق کا پرچم
تھک کے بیٹھے رہیں مردانِ خدا ناممکن
حق و باطل میں یونہی جنگ رہے گی جاری
ختم ہو حادثۂ کرب و بلا ناممکن

ہوکے یکجا کریں یلغار ہزاروں اغیار
قدسیؔ بجھ جائے شریعت کا دیا ناممکن

تو ڈھال زندگی کو نشانِ حسین پر
اک بحرِ درس واقعۂ کربلا میں ہے

ہم شرعِ مصطفیٰ کے ضوابط تیغ سے
جملہ مفاسدات کے سر کو قلم کریں
غیروں کی الفتوں کو پسِ پشت ڈال کر
اونچا دلوں میں عشقِ نبی کا علم کریں

لرزجائے ایوانِ دل خوفِ رب سے
قیامت کے آثار کا تذکرہ ہو
دلوں میں ہو پیدا شہادت کا جذبہ
مجاہد کے کردار کا تذکرہ ہو

قومِ مسلم پہ ہے قرآں کا حصار
اس کا اک فرد بھی آزاد نہیں
ان کے شیدا کے لیے دنیا میں
پُر خطر کفر کا مرصاد نہیں

وہ خسارے کی زد میں رہا روزِ محشر
بوجھ سوئے عمل کا جو ڈھوتا گیا
جو ہٹا ان کی راہِ ضیا بار سے
ایسے انسان کا بخت سوتا گیا
شرم ساری ملی اس کو ہر گام پر
وقت قدسیؔ جو بے سود کھوتا گیا

جو ہو پُرسکوں نیند کی وجہِ کامل
لحد کے لیے ایسا اک ہم سفر ڈھونڈ
ہیں بے سود دنیا کے سب رنگ و روغن
جو چمکا دے ایمان کو وہ قمر ڈھونڈ
اگیں تیرے اندر ضیاؤں کی فصلیں
فلک پر نہ قدسیؔ تو کشت سحر ڈھونڈ

جو شریعت کے سانچے میں ڈھلتا رہا
اس کی خاطر گناہوں کا اجگر ہے ہیچ

دیکھنا گر ہے تجھے روئے جناں
آئینہ عشقِ محمد کا نہ توڑ
خیر کے بحر میں ہو غوطہ زن
شر کے پتھر پہ نہ سر اپنا پھوڑ

ان کی سنت پہ عمل پیرا ہو
خواہش نفس کی گردن تو مروڑ
ہے یہی رب کی رضا کا باعث
ان کے احکام سے تو منہ کو نہ موڑ

تازہ ترین نمونۂ کلام

میرے نبی کا سراپا

بتاؤں میرے نبی کا سراپا کیسا تھا ۔۔۔ وہ نورِ حق تھے لبادہ مگر بشر کا تھا
بدن تھا ایسا کہ جیسے بنا ہو چاندی سے ۔۔۔ ملاحت ایسی کہ ہر حسن دست بستہ تھا
نہ بیٹھی مکھی کبھی ان کے جسمِ اطہر پر ۔۔۔ نفاستوں کا ہر اک لمحہ دریا بہتا تھا
جسے بھی مل گیا اِک قطرۂ عرق ان کا ۔۔۔ وہ تا حیات کبھی عطر کو نہ ترسا تھا
ہو چاندنی کہ ہوں سورج کی آتشیں کرنیں ۔۔۔ سراپا نور تھے ان کا نہ کوئی سایہ تھا
جدھر سے ان کا گذر ہوتا رہ گذر ساری ۔۔۔ مہک سی جاتی عجب قدرتی کرشمہ تھا
نہ پوچھتے تھے صحابہ کدھر سے گذرے وہ ۔۔۔ لطیف خوشبوئے تن سے سراغ ملتا تھا
حسین مہرِ نبوت تھی پیچ شانوں کے ۔۔۔ نہیں شریک کوئی ربّ کا اس میں لکھّا تھا
نبی کے قد کا تھا یہ معجزہ زمانے میں ۔۔۔ سر ان کا بھیڑ میں لاکھوں بشر سے اونچا تھا
نہ گھونگھرو تھے نہ سیدھے تھے موئے پاکِ نبی ۔۔۔ تھے لٹکے ایسے کہ بادل کرم کا چھایا تھا
مریض کو صحت کا ملا ملی اس سے ۔۔۔ یہ تجربہ بھی نبی کی صحابیہ کا تھا
ہے موئے پاک نبی ضامن فلاح وظفر ۔۔۔ ہمیشہ حضرتِ خالد نے آزمایا تھا
جب آپ خوش نظر آتے تو چہرۂ انور ۔۔۔ یوں نور بھرتا کہ خود چاند سر جھکاتا تھا
تھا بحرِ صدق رواں ان کے روئے انور سے ۔۔۔ ضیائے فضل وشرف سے وہ جگمگاتا تھا
تھی تاب کس میں انھیں دیکھ پاتا جی بھر کے ۔۔۔ وہ والضحیٰ سے ضیابار ایسا چہرہ تھا
ثنائے روئے نبی میں بس اتنا کہہ دینا ۔۔۔ جمالِ ربّ کا وہ اک آئنہ نرالہ تھا
تھے اتحاد کے گلزار متصل ابرو ۔۔۔ نگاہِ ناز کا فیضان سب پہ چھایا تھا

خدائی دید سے آنکھیں تھیں ان کی یوں سرشار
ہر ایک غیب شہادت کا درجہ رکھتا تھا

اندھیرا ہو کہ اُجالا وہ دیکھتے یکساں
یوں ربّ کے فیض کا آنکھوں میں آنا جانا تھا

نہ صرف مرئی فقط بلکہ غیر مرئی کو
وہ دیکھ لیتے نگاہوں میں ربّ کا جلوہ تھا

جبینِ پاک تھی ان کی کشادہ نورانی
چمک تھی ایسی کہ جیسے چراغ جلتا تھا

بیان ایسا کہ رس گھولتا تھا کانوں میں
زبان ایسی کہ ہر بے زباں بھی شیدا تھا

وہ جب بھی بولتے جھڑتے تھے ہونٹ سے موتی
حلاوتوں کا یہ عالم کہ شہد پھیکا تھا

تھا لفظ لفظ نبی کی فصاحتوں کا بہشت
کلام مخزنِ آیات، وحیِ مولا تھا

بلند گوشِ مقدس کی شان تھی ایسی
وہ سب کی سنتے یہ عالم سماعتوں کا تھا

برابر آتی قریب و بعید کی آواز
نبی کا دہر میں یہ معجزہ انوکھا تھا

حدیث پاک اَطِیطَ السماء ہے اب بھی گواہ
وہ سنتے عرش پہ سجدہ کو چاند گرتا تھا

دہن فراخ تو رخسار نرم تھے بے حد
کشادہ دانت کہ انوار میں نہاتا تھا

کلی جو کھلتی کبھی ان کے مسکراہٹ کی
اُجالا چاروں طرف پھیلتا ہی جاتا تھا

جماہی آتی نہیں تھی کبھی شہِ دیں کو
دہن میں ان کے یوں پاکیزگی کا پہرہ تھا

صراحی دار سڈول ان کی ایسی تھی گردن
کہ جس پہ بوجھ جہاں کی ہدایتوں کا تھا

تھیں گوشت سے بھری چوڑی ہتھیلیاں ان کی
ہویدا اس میں دوعالم کا ذرّہ ذرّہ تھا

کلائیاں رہیں لمبی، دراز تھے بازو
ہر ایک درد کا مارا وہاں سماتا تھا

نبی کا دستِ مقدس تھا دستِ رحمت کا
تمام خلق کا بے مثل وہ سہارا تھا

وہ جس پہ پھیرتے دستِ کرم کبھی اپنا
پلک جھپکتے ہی غم سے نجات پاتا تھا

کسی بھی چیز سے لگ جاتا دستِ شاہِ زمن
وہ خوشبوؤں کے سمندر میں ڈوب جاتا تھا

نبی کے دستِ مبارک نے ایک لکڑی کو
بنایا آہنی خنجر کمال ایسا تھا

یہ بچپنے کا ہے ارہاص، انگلیاں ان کی
جدھر بھی اُٹھتیں اُدھر چاند گھوم جاتا تھا

جب آتی فیض رسانی پہ انگلیاں ان کی — تو خشک ریت میں چشمہ اُبلتا جاتا تھا
شکم و سینہ تھے بالکل برابر و ہموار — خدا کی اس میں عجب حکمتوں کا دریا تھا
شکم تھا صبر و قناعت کا ایک ایسا فلک — زمانہ بھر کے لیے درس کا خزانہ تھا
نبی کا سینہ تھا وحیِ خدا کا گنجینہ — کمالِ معرفت و نور میں وہ اعلیٰ تھا
تھیں شقِّ صدرِ نبی میں یہ حکمتیں مضمر — کہ دو جہاں کا اسے عرشِ نور بننا تھا
نہ صرف پاؤں تھے پُر گوشت بلکہ تھے چوڑے — تھے نرم ایسے کہ پانی نہیں ٹھہرتا تھا
تھیں قدرے پنڈلیاں پتلی مثالِ شیشہ صاف — تھا تلوہ اونچا زمیں پر کبھی نہ لگتا تھا
حبیبِ ربّ کی تھیں نعلینِ پاک چمڑے کی — تلے میں تسمہ بصورت گلاب کھلتا تھا
ملا شرف جسے نعلین سر پہ رکھنے کا — وہ خوش نصیب تھا پُر نور تاج والا تھا

ملیں کبھی مجھے نعلین ان کی قدسیؔ کہوں
نصیب ور ہوں، رہوں گا، نصیب والا تھا

نعت شریف

چھا جائے جس پہ عشقِ رسول خدا کا رنگ ہے ہیچ اس کے واسطے جور و جفا کا رنگ

خاطر میں کیا وہ لائے کسی بدعقیدے کو چڑھ جائے جس پہ مسلکِ احمد رضا کا رنگ

ہم رنگ جائیں رنگ میں ایمانی قدر کے مل جائے گر بلال کے عشق و وفا کا رنگ

شرع مبیں کی چھاپ جس انساں پہ پڑ گئی حاوی نہ اس پہ ہو سکا کذب و ریا کا رنگ

روحانیت کے چرخ کا ہے وہ حسیں قمر غالب ہے جس کے قلب پہ صدق و صفا رنگ

اللہ کے فرشتے بھی جس سے حیا کریں عثماں غنی کی ذات میں یوں ہے حیا کا رنگ

للّٰہیت کے نور میں پھیکا رہا صدا ہر دَور میں نفاق کی آب و ہوا کا رنگ

ان کی قناعتوں کی تجلی سے ہر طرف دنیا میں پھیلتا گیا صبر و رضا کا رنگ

ارباب فن نے قدسیؔ کیا ہے یہ اعتراف
تیرے سخن پہ چھایا ہے فکرِ رضا کا رنگ

نعت شریف

نبی نے جڑ سے ہی ہر کفر کو اُکھاڑ دیا
ادائے کلمہ ستم کو عرب میں پھاڑ دیا

رکانہ دامنِ اسلام میں چلے آئے
انھیں رسول نے کُشتی میں یوں پچھاڑ دیا

جب انحراف کیا فیصلے سے آقا کے
عمر نے بِشر منافق کے سر کو پھاڑ دیا

کیا نبی نے انھیں پیش ہدیۂ تبریک
علی نے بحث میں مشرک کو جب لتاڑ دیا

وہ ایسا چپ ہوا جیسے زبان منہ میں نہیں
عمر نے دشمنِ آقا کو یوں دہاڑ دیا

رسولِ کون و مکاں کی نگاہِ رحمت نے
جہاں میں حق و صداقت کا جھنڈا گاڑ دیا

دراصل ہم ہی ہیں اپنے کیے کے ذمے دار
غلط ہے کہنا فلاں نے ہمیں بگاڑ دیا

بسا سکا نہ انھیں دل میں جو کبھی قدسیؔ
وہ کم نصیب ہے دل اس نے خود اُجاڑ دیا

نعت شریف

ہمیں اپنے نبی کا باوفا ہونا ضروری ہے
بہارِ باغِ تسلیم و رضا ہونا ضروری ہے
رہے اخلاص اور للّٰہیت سے ذوق ہم آہنگ
ہر امرِ خیر خالی از رِیا ہونا ضروری ہے
ہماری زندگی کا لمحہ لمحہ دین و ملت کے
حسیں سانچے میں ہر اِک پل ڈھلا ہونا ضروری ہے
کہیں ہم پر نہ غلبہ کرلے حاصل نفسِ امّارہ
دلوں میں ہر گھڑی خوفِ خدا ہونا ضروری ہے
تمنّا ہے اگر تمغہ بقا کا ہو ہمیں حاصل
تو دل کی بزم میں شمعِ فنا ہونا ضروری ہے
گرانا ہے اگر دیوارِ نفرت کی سبھی اینٹیں
تو دل کا صاف وستھرا آئنہ ہونا ضروری ہے
حصولِ نعمتِ ربّ کے لیے سب کو بہرِ صورت
درِ شاہِ دوعالم کا گدا ہونا ضروری ہے
کمالِ دین و ایماں کے لیے عشقِ شہِ عالم
ہر اِک شے کی محبت سے سَوا ہونا ضروری ہے
یہ دور پرفتن ہے اس لئے ہر حال میں قدسیؔ
اسیرِ مسلکِ احمد رضا ہونا ضروری ہے

نعت شریف

جب آئے کوئی آفت، بس ان کو یاد کرلو
ہو درد یا کہ راحت، بس ان کو یاد کرلو
زمانہ جب ستائے، کلیجہ مونھ کو آئے
ہو اتنی بے قراری، لگے نہ کام پر جی
ہو جب بھی ایسی حالت، بس ان کو یاد کرلو
بگڑتا جارہا ہو، دماغ کا توازن
ہو دل کی تیز حرکت، بس ان کو یاد کرلو
کچھ اپنی کاہلی سے، عمل کی ابتری سے
تمہاری غفلتوں سے، جہاں کی اُلفتوں سے
ہو جب بھی ذہنی اُلجھن، بجھے ہوں تن من
ملے گی تم کو فرحت، بس ان کو یاد کرلو
تمہارا کوئی حامی، نظر نہ آئے قدسیؔ
برائے فتح و نصرت، بس ان کو یاد کرلو

نعت شریف

شہرِ مدینہ چل کے تو اِک بار دیکھ لے
ہوتی ہے کیسے بارشِ انوار دیکھ لے
کیوں مجھ سے پوچھتا ہے توُ جنت کی دلکشی
گر دیکھنا ہے روضہء سرکار دیکھ لے
گر جاں لُٹانی ہے تجھے عشقِ رسول میں
اصحابِ بدر کا ذرا ایثار دیکھ لے
ناموسِ مصطفیٰ کی حفاظت کے واسطے
تپتی زمیں پہ جذبۂ عمّار دیکھ لے
مامون ہے زمانہ خدا کے عذاب سے
آقا کی رحمتوں کے یہ آثار دیکھ لے
یادِ نبی کی بزم سجا کر توُ قلب میں
خوابیدہ اپنے بخت کو بیدار دیکھ لے
پُرنور ہو کے خُلقِ نبی کے جمال سے
انسانیت کا دہر میں معیار دیکھ لے
لاتا نہیں ہے غیر کو خاطر میں وہ کبھی
کتنا غلام ان کا ہے خوددار دیکھ لے
ان کی زمیں پہ رہ کے انہیں کی اہانتیں
نجدی ہے کیسا دین کا غدّار دیکھ لے
سانچے میں خود کو ان کی شریعت کے ڈھال کر
قدسیؔ رہِ نجات کو ضو بار دیکھ لے

دوہا نعت مع ردیف

ہیں وہ سلطانِ زمن، رشتہ ان سے جوڑ
پھوٹے گی نوری کرن، رشتہ ان سے جوڑ

ان کا ذکرِ خیر ہو، تیرا نصب العین
دل ہو رشکِ انجمن، رشتہ ان سے جوڑ

عزت، شہرت دیکھنا، ہوگی پھر پابوس
دینِ حق سے ہو لگن، رشتہ ان سے جوڑ

مت رکھ اَوروں سے غرض، ہوجا یک در گیر
ہے یہ دورِ پُرفتن، رشتہ ان سے جوڑ

حق سُن، حق کہہ، حق پر رہ، ہوجائیں گے ہیچ
باطل کے دار و رسن، رشتہ ان سے جوڑ

صحنِ دل ہوجائے گا، میرا ہے ایقان
نور و نکہت کا چمن، رشتہ ان سے جوڑ

یادوں میں سرکار کی، ہوکر بے پرواہ
قدسیؔ ہر پل رہ مگن، رشتہ ان سے جوڑ

دوہا نعت مع ردیف

نور و رحمت سے بھری، ان کی اعلیٰ ذات
قسمت کو چمکا گئی، ان کی اعلیٰ ذات

اپنوں کی تخصیص کیا، بول اُٹھے اغیار
ہے یہ امرِ واقعی، ان کی اعلیٰ ذات

جب لب ہائے پاک سے، نکلی کوئی بات
ہر دم سچ ہوکر رہی، ان کی اعلیٰ ذات

دھرتی تو دھرتی رہی، زیر پائے شاہ
ہیں افلاکِ ہفت بھی، ان کی اعلیٰ ذات

ان کے کلمے کی ضیا پھیلی تھی اس طرح
پڑھتے تھے سارے نبی، ان کی اعلیٰ ذات

ان سے اور ان کے لیے، ثابت ہے یہ امر
ساری خلقت ہے بنی، ان کی اعلیٰ ذات

قدسیؔ اس ناچیز پر، ربّ کا یہ فیضان
میری وجہِ شاعری، ان کی اعلیٰ ذات

دوہا نعت مع ردیف

خلقت کا دارالاماں، آقا کا دربار
رحمت کا ہے سائباں، آقا کا دربار

حاضر رہتے ہیں مَلک، ہر دم صبح و شام
عظمت کا ہے آسماں، آقا کا دربار

اُمت پر جب بھی کوئی، آتی ہے اُفتاد
رہتا ہے راحت رساں، آقا کا دربار

بے بس خود ہوجائیں گے، شوریدہ حالات
ہم سب کا ہے پاسباں، آقا کا دربار

اس کی ملتی ہی نہیں، عالم میں تمثیل
یوں رفعت کا ہے نشاں، آقا کا دربار

وہ بے بس جس سے سبھی، ہوجاتے ہیں دور
اس پر ہر دَم مہرباں، آقا کا دربار

دیتا ہے کونین کو، تنویرِ ایمان
حق کا بحرِ بے کراں، آقا کا دربار

مدھم آتے ہیں نظر، شمس و نجم و بدر
قدسیؔ یوں ہے ضو فشاں، آقا کا دربار

دوہا نعت مع ردیف

سب نبیوں کے درمیاں، ان کے جیسا کون
ہو جو وجہِ کن فکاں، ان کے جیسا کون

یوں تو کثرت سے رہی، شاہوں کی تعداد
لیکن شاہِ دو جہاں، ان کے جیسا کون

پل میں پہنچے لامکاں، عقلیں ہیں حیران
ربّ کا ایسا مہماں، ان کے جیسا کون

جو اُمت کے واسطے، روتا ہو دن رات
ایسا مونس مہرباں، ان کے جیسا کون

جس کی رب کی دید سے، آنکھیں ہوں پُرنور
محبوبِ ربِّ انس و جاں، ان کے جیسا کون

مشتِ کافر میں پڑھے، ہوکر بے پرواہ
جس کا کلمہ بے زباں، ان کے جیسا کون

قدسیؔ کَفِّیْ ھٰذِہٖ، جس کا ہو فرمان
عالم میں پھر غیب داں، ان کے جیسا کون

غزل

عجب میرے دل کا ہے عالم مسلسل
سنا ہے وہ رہتے ہیں پُرنم مسلسل

خوشی کا گلستاں ہے غربت کی کٹیا
ہے ثروت کے محلوں میں ماتم مسلسل

ہے دلدل میں سرتاپا وہ پستیوں کی
سوار اس پہ ہے پھر بھی ہم مسلسل

ہوا دل کا اخبار رنگیں خون سے
وہ لکھتا گیا ایسا کالم مسلسل

ہوا تازہ دم حوصلے دم بدم اور
مِری سمت آتے رہے بم مسلسل

ملے گر وہ سینے سے رکھ لوں لگا کر
وہ غم ہے ہر اِک غم کا مرہم مسلسل

معانی کا سادہ مزاجی کے آگے
ہے الفاظ کا کرّوفر خم مسلسل

شب و روز روزِ ازل ہی سے قدسیؔ
ہیں دست و گریبان باہم مسلسل

غزل

ان سے نظر ملائے زمانہ گذر گیا
دامن میں گل سجائے زمانہ گذر گیا
پرسانِ حال ڈھونڈتے تھک سا گیا ہوں میں
رودادِ دل سنائے زمانہ گذر گیا
سچ جان کر بھی سچ نہ کبھی بول پایا میں
مونھ میں دہی جمائے زمانہ گذر گیا
آنکھیں ہیں شمعِ دید لیے محوِ انتظار
دل کی لگی بجھائے زمانہ گذر گیا
شانہ بہ شانہ بحرِ مسرت کی موج میں
کشتیِ غم ترائے زمانہ گذر گیا
صحنِ چمن میں آکے مسلط رہی خزاں
کلیوں کو مسکرائے زمانہ گذر گیا
ہم سے نہ کیفیت کوئی پوچھے جنون کی
قصرِ خرد گرائے زمانہ گذر گیا
میرے کرم نواز کی اللہ خیر ہو
آنگن میں سنگ آئے زمانہ گذر گیا
ان کے ہی دل میں قدسیؔ بسیرا ہے مستقل
گھر بار سب لٹائے زمانہ گذر گیا

غزل

جس کا برسوں سے میں گرویدہ رہا
مل کے اس سے قلب رنجیدہ رہا
روبرو ہر دَم مِرے رہتا ہے وہ
پھر کہوں کیسے وہ نادیدہ رہا
راز کے اندر تھا راز ایسا نہاں
ہوکے ظاہر پھر بھی پوشیدہ رہا
تھی کرم خود وہ کتابِ زندگی
ہر ورق سانسوں کا بوسیدہ رہا
حل کے دروازے سبھی مسدود تھے
مسئلہ لمحوں کا پیچیدہ رہا
افراتفری تھی خوشی کے قصر میں
درد کا ماحول سنجیدہ رہا
اس کی یادوں کی چلیں یوں آندھیاں
دل کا موسم خوب شوریدہ رہا
آہ بھرتی تھی یہ کہہ کر مفلسی
بے گھری کا بخت خوابیدہ رہا
سن کے قدسیؔ موم کی رودادِ غم
رات بھر اک سنگ نم دیدہ رہا

غزل

دورِ حاضر کے حالات مت پوچھیے
اشک آلود لمحات مت پوچھیے

جس نے پل بھر میں کایا پلٹ دی مِری
با اثر اس کی وہ بات مت پوچھیے

جس سے وابستہ تھیں رونقیں زیست کی
کیسے اُجڑے وہ باغات مت پوچھیے

دیکھ کر بلبلوں کی قلابازیاں
جو اُبھرتے ہیں خدشات مت پوچھیے

سنگ کے روز بڑھتے ہوئے ظلم کو
کیسے دی کانچ نے مات مت پوچھیے

اس کے جیسا کوئی ہے، نہ ہوگا کبھی
کتنی تھی وہ حسیں ذات مت پوچھیے

کیا کہوں اپنی رودادِ عشق و وفا
دل کے اٹھتے بخارات مت پوچھیے

کپکپاہٹ تھی طاری مِرے ذہن پر
ان کے مبہم سوالات مت پوچھیے

ریگ زارِ الم کا سفر تھا عجب
کتنے روشن تھے ذرّات مت پوچھیے

گاؤں کا گاؤں اِک آن میں بہہ گیا
بارشوں کی یہ عنایات مت پوچھیے

جس پہ قدسیؔ چھڑکتا رہا جان و دل
کیسی دی غم کی سوغات مت پوچھیے

دوہا غزل مع ردیف

اِس پر اُس پر پھبتیاں، اپنی دیکھو یار
رکھّو قابو میں زباں، اپنی دیکھو یار

عیش و عشرت میں نہ ہو، اتنا بھی تم غرق
حاوی ہو جائے زباں، اپنی دیکھو یار

جانے کب جاؤ پھسل، کھولے رکھّو آنکھ
حائل ہے گہرا کنواں، اپنی دیکھو یار

شک کرنا ہر بات پر، دل میں رکھنا بیر
مت ہو اتنا بدگماں، اپنی دیکھو یار

ہے یہ دورِ پُرفتن، سب کو اپنی فکر
محسن ملتے ہیں کہاں، اپنی دیکھو یار

ان بگڑے حالات میں، کس کو دوگے دوش
رستہ رستہ خوں چکاں، اپنی دیکھو یار

اپنے اپنے رنگ میں، ہیں سرشار و مست
قدسیؔ سب خُرد و کلاں، اپنی دیکھو یار

دوہا غزل مع ردیف

اتنی بھی کیا بے رُخی، جانے بھی دو یار
وہ روزہ ہے زندگی، جانے بھی دو یار

چھوٹی چھوٹی بات پر، کیوں دیتے ہو دھیان
لاؤ ہونٹوں پر ہنسی، جانے بھی دو یار

اپنوں کے کردار کا، شکوہ ہے بے سود
دنیا ہے بے حد بڑی، جانے بھی دو یار

جس کے پاؤں میں نہیں، چلنے کی بھی تاب
کہلاتا ہے وہ جری، جانے بھی دو یار

نقطہ ہو یا حرف ہو، جملہ ہو یا لفظ
سب کو اپنی ہے پڑی، جانے بھی دو یار

یہ میں بھی ہے سُنا، خوں روتی ہے شمع
طوفانوں میں ہے گھری، جانے بھی دو یار

قدسیؔ حالِ زار پر، کس کو کیا دیں دوش
جب خود ہم میں ہے کمی، جانے بھی دو یار

دوہا غزل مع ردیف

آیا مجھ کو وہ نظر، اک عرصے کے بعد
جیسے پھوٹی ہو سحر، اک عرصے کے بعد

پتّہ پتّہ شاد ہے، شاخیں محوِ رقص
آیا پیڑوں پر ثمر، اِک عرصے کے بعد

راہیں تکتا تھا فلک، تارے تھے مشتاق
چمکا افسردہ قمر، اِک عرصے کے بعد

جانے محسن کون تھا، جس نے پھینکا آج
میرے آنگن میں حجر، اِک عرصے کے بعد

یاد اس کی تازہ ہوئی، دل کو آیا چین
غم کو ہنستا دیکھ کر، اِک عرصے کے بعد

جاری رکھو کوششیں، ہوکر تم پُر عزم
ملتی ہے فتح و ظفر، اِک عرصے کے بعد

قریہ قریہ ڈھونڈتا، پھرتا تھا دن رات
دیکھا میں نے اپنا گھر، اِک عرصے کے بعد

دنیا جس کی منتظر، قدسیؔ تھی ہر آن
لوٹ آیا وہ دن مگر،اِک عرصے کے بعد

دوہا غزل مع ردیف

قدموں کو آگے بڑھا، رونا دھونا چھوڑ
ہمت کو رہبر بنا، رونا دھونا چھوڑ

اپنے حسنِ خلق سے، لوگوں کا دل جیت
روشن کر شمعِ وفا، رونا دھونا چھوڑ

تاریکی کو مت بنا، اپنا عذرِ لنگ
پیدا کر دل میں ضیا، رونا دھونا چھوڑ

در در کی یوں ٹھوکریں، کھاتا ہے بے وجہ
اپنے ربّ سے لَو لگا، رونا دھونا چھوڑ

خالق کے احکام سے، ہوکر لاپرواہ
مت ڈھا خود پر یوں جفا، رونا دھونا چھوڑ

ڈر جانا حالات سے، بزدل کا ہے طور
طوفاں کا کر سامنا، رونا دھونا چھوڑ

اتنی ضد اچھی نہیں، میری بھی سُن یار
ہر دَم اپنی مت چلا، رونا دھونا چھوڑ

کیف و فرحت پر نہ کر، قدسیؔ اتنا ناز
اوڑھے رہ غم کی رِدا، رونا دھونا چھوڑ

تازہ ترین مناقب
اُمّہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن

نیک سیرت پاک طینت اُمہات المؤمنین
رحمتِ عالم کی راحت اُمہات المؤمنین

بن گئیں شاہِ اُمم کی صحبتِ بافیض سے
رشکِ صد حورانِ جنت اُمہات المؤمنین

شاہد ارشادِ خدا لَستُنَّ ہے قرآن میں
حاملِ تنویرِ رفعت اُمہات المؤمنین

حشر تک ہیں بالیقیں سب اُمتوں کے واسطے
لائقِ اکرام و عزت اُمہات المؤمنین

اپنی ماؤں سے بھی بڑھ کے ہے مسلّم ان کی شان
یوں ہیں فردوسِ فضیلت اُمہات المؤمنین

بارہا آقا نے خود توصیف کی ان کی بیاں
یوں رہیں نورِ قناعت اُمہات المؤمنین

مرویات ان کی ہمیں دیتی ہیں خوشبوئے لطیف
گلشنِ ملت کی زینت اُمہات المؤمنین

آپ کے در کا سوالی قدسیؔ ناچیز ہے
اس پہ بھی ہو چشمِ رحمت اُمہات المؤمنین

والدۂ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت بی بی مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا

بنتِ عمران حسیں پاک کنواری مریم
نیک سیرت ہیں مقدس ہیں نرالی مریم

سب خواتین سے اُس دور میں افضل وہ رہیں
اُمِّ عیسیٰ ہیں خدا کی بڑی پیاری مریم

حجرۂ پاک میں میوے ملے ہر موسم میں
یوں رہیں حامل سرمایۂ غیبی مریم

ان کے اوصاف پہ خم ہے سرِ تسلیم یہود
نورِ تقدیس سے معمور ہیں نامی مریم

زوجیت سے شہِ عالم کی مشرف ہوں گی
باغِ فردوس میں خوش بخت بہشتی مریم

تاحیات ان سے ہدایت کی ضیائیں پھیلیں
بے مثال ایسی رہیں آمر و ناہی مریم

قولِ حضرت زکریا ہے مدلّل قدسیؔ
ہیں کرامات کے گلزار کی ڈالی مریم

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

بہارِ باغِ فضیلت خدیجۃ الکبریٰ
قرارِ شاہِ رسالت خدیجۃ الکبریٰ

ہوئیں وہ داخلِ اسلام قبلِ جملہ نساء
ہیں ایسی نورِ سعادت خدیجۃ الکبریٰ

نبی سے ان کی ہے یہ رغبتِ نکاح گواہ
ہیں رمزِ عشقِ نبوت خدیجۃ الکبریٰ

عرب میں شہرہ رہا ان کی پاکبازی کا
ہیں ایسی کعبۂ سیرت خدیجۃ الکبریٰ

نبی کے شانہ بہ شانہ رہیں بوقتِ ستم
فصیلِ حق و صداقت خدیجۃ الکبریٰ

ہمیشہ کرتی رہیں رشک ان پہ صدّیقہ
نبی کی محورِ اُلفت خدیجۃ الکبریٰ

کھلایا جنتی انگور مصطفیٰ نے انھیں
نویدِ گلشنِ جنت خدیجۃ الکبریٰ

لٹایا قدسیؔ شہِ دیں پہ سارا سرمایہ
ہیں عرشِ جود و سخاوت خدیجۃ الکبریٰ

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نور ہی نور ہیں حضرتِ عائشہ
حق سے معمور ہیں حضرتِ عائشہ

مرویات ان کی سب راویوں سے فزوں
علم کی طور ہیں حضرتِ عائشہ

آپ افتا کی مسند کی رونق رہیں
فقہی منشور ہیں حضرتِ عائشہ

قربتِ نورِ حق کا ہے نوری اثر
نازشِ حور ہیں حضرتِ عائشہ

خود عبادات کرتی رہیں ان پہ ناز
ایسی ماجور ہیں حضرتِ عائشہ

دوتہائی ہے دین ان کی تحویل میں
دینی دستور ہیں حضرتِ عائشہ

قدسیؔ قربان ان پر ہے وصفِ غنا
ایسی غیور ہیں حضرتِ عائشہ

خاتون جنت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

شریعت کی زینت ہیں خاتونِ جنت
شہِ دیں کی راحت ہیں خاتونِ جنت
شہادت یہ دیتی ہے سجدوں کی کثرت
کہ جانِ عبادت ہیں خاتونِ جنت
ندا ہوگی بنتِ نبی آرہی ہیں
ضیائے قیامت ہیں خاتونِ جنت
بتول ایسی ممتاز سب عورتوں میں
کمالِ طہارت ہیں خاتونِ جنت
ہے نسلِ نبی ان سے جاری و ساری
بنائے سیادت ہیں خاتونِ جنت
کہا بضعۃ منّی آقا نے ان کو
یوں صد رشکِ قسمت ہیں خاتونِ جنت
رہا ناز ان پر علی و نبی کو
جمالِ سعادت ہیں خاتونِ جنت
نمازیں نہ چھوٹیں کبھی زندگی بھر
یوں زہرائے سیرت ہیں خاتونِ جنت
حدیثِ نبی لَمْ تحض قدسیؔ شاہد
سزاوارِ مدحت ہیں خاتونِ جنت

حضرت دائی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ضیائے فضیلت ہیں دائی حلیمہ
حرائے سعادت ہیں دائی حلیمہ

رہے ان کی آغوش میں شاہِ عالم
گلِ باغِ قسمت ہیں دائی حلیمہ

بچھاتے تھے چادر نبی ان کی خاطر
تجلّائے عظمت ہیں دائی حلیمہ

یہ تمغہ ہے سرکار کی خدمتوں کا
تمنائے جنت ہیں دائی حلیمہ

بنی سعد نے دی یہ پیہم گواہی
درِ خیر و برکت ہیں دائی حلیمہ

رہا اعتماد ان پہ بی آمنہ کو
صفائے امانت ہیں دائی حلیمہ

نسائے بنی سعد تھیں پیکرِ رشک
یوں مینارِ نعمت ہیں دائی حلیمہ

نثار ان کے ایماں پہ قدسیؔ ہے ایماں
فدائے نبوت ہیں دائی حلیمہ

حضرت بی بی آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نورِ ایماں سے منور ذاتِ بی بی آسیہ
مشکِ عظمت سے معطر ذاتِ بی بی آسیہ

خوب تر کی پرورش حضرت کلیم اللہ کی
حاملِ حُسنِ مقدر ذاتِ بی بی آسیہ

کفر کی تحویل میں رہ کر بچایا دین کو
اہلِ ایماں کی ہے رہبر ذاتِ بی بی آسیہ

ہوگیا فرعون مبہوت ان کا ایماں دیکھ کر
باطلوں کے سر پہ خنجر ذاتِ بی بی آسیہ

اب بھی آتی ہے صدا بزمِ ملائک سے یہی
باغِ جنت کی گل تر ذاتِ بی بی آسیہ

بحرِ صبر و استقامت کی رہی تا زندگی
ضو فشاں بے مثل گوہرِ ذاتِ بی بی آسیہ

حشر تک قدسیؔ خواتینِ جہاں کے واسطے
درس کا ہے اک سمندر ذاتِ بی بی آسیہ

والدۂ غوثِ اعظم حضرت فاطمہ اُمّ خیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمّ غوث الوریٰ حضرتِ اُمّ خیر
پرتوِ فاطمہ حضرتِ اُمّ خیر

جن پہ نازاں ہے نسلِ امامِ حسن
ہیں وہ نورِ صفا حضرتِ اُمّ خیر

ان کی عفّت پہ عفّت رہی خود نثار
ایسی ہیں طاہرہ حضرتِ اُمّ خیر

ان کی پاکیزہ سیرت ہے روشن گواہ
حورِ خلد حیا حضرتِ اُمّ خیر

جانے کتنوں کو قربِ خدا دے گئیں
بحرِ فیض و عطا حضرتِ اُمّ خیر

ان کی مرہونِ منت ہے روحانیت
راہِ حق کی ضیا حضرتِ اُمّ خیر

غوثِ اعظم کے صدقے ہو نظرِ کرم
میں بھی ہوں اک گدا حضرتِ اُمّ خیر

مسلکِ حق پہ قدسیؔ کا ہو خاتمہ
بہرِ احمد رضا حضرتِ اُمّ خیر

والدۂ حضور غریب نواز حضرت اُمِّ ورع رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ہیں تصوف کی ضیا اُمّ ورع
ذکرِ حق ھو کی صدا اُمّ ورع

کرکے شہزادے کی حسنِ تربیت
بن گئیں رشکِ ثنا اُمِّ ورع

آپ کی روشن دعاؤں کا صلہ
ہیں عطائے مصطفیٰ اُمِّ ورع

حضرتِ خواجہ معین الدین کی
مادرِ بحرِ وفا اُمِّ ورع

واسطہ خواجہ کا مل جائے ہمیں
ربِّ اکبر کی رضا اُمِّ ورع

ہے حیاتِ طیبہ قدسیؔ گواہ
وصف کی کوہِ صفا اُمِّ ورع

حضرت رابعہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا

فنائے ذاتِ الٰہی ہیں رابعہ بصری
فنا کے بعد بھی باقی ہیں رابعہ بصری

عبادتیں ہوں خدا کی فقط خدا کے لیے
یوں راہِ خلد کی ہادی ہیں رابعہ بصری

بہار باغِ تصوف کی ان سے ہی قائم
خدا کے قرب کی داعی ہیں رابعہ بصری

بنایا مرتکبِ شر کو دائمی تائب
کرم کی چشمۂ جاری ہیں رابعہ بصری

کھنچا کھنچا چلا آیا تھا کعبہ ان کے لیے
قریبِ حضرتِ باری ہیں رابعہ بصری

ہے بحرِ درسِ حیات ان کی بہرِ اہل اللہ
جمالِ سبعِ مثانی ہیں رابعہ بصری

کبھی نہ غیر کے در پہ جھکایا سر قدسیؔ
خدا کی ایسی سوالی ہیں رابعہ بصری

میری مادرِ محترمہ حضرت محمودۂ اہلِ سنّت علیہا الرحمہ

فاطمی نور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت
جنتی حور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت
تادمِ زیست رہیں زہد و ورع کی پیکر
فضل سے چور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت
وہ چہیتی رہیں حضرت کی بہو ماں بن کر
بخت کی نور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت
برملا ان کی سیادت کا یہ کہتا ہے جمال
کتنی پُرنور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت
ان کو نفرت رہی بدکار سے، ہر باطل سے
کتنی غیور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت
زیست ان کی ہے خواتیں کے لیے درسِ عمل
برسے بھرپور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت
بعدِ رحلت رُخِ زیبا کی چمک ہے شاہد
اب بھی مسرور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت
درس قرآں کا وہ دیتی رہیں تاوقتِ وصال
دینی دستور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت
اپنی اولاد کو دیتی رہیں وہ درسِ جہاد
حق سے معمور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت
وہ مِرے ساتھ مِرے پاس ہیں ہر دم قدسیؔ
مت کہو دور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت

قدسیؔ کے تحریری عکوس

اسکین کر کے مضامین شامل کرنے ہیں